ملفوظات حبیب الامت

(جلد اول)

تالیف

حبیب الامت عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی، بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور سنجرپور اعظم گڑھ یوپی

خلیفہ ومجاز بیعت

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی وحضرت مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوری

ناشر

مکتبۃ الحبیب جامعہ اسلامیہ دار العلوم

مہذب پور، پوسٹ سنجرپور ضلع اعظم گڑھ، یوپی (انڈیا)

ملنے کا پتہ: مکتبہ طیبہ دیوبند، یوپی

ملفوظات حبیب الامت (جلد اول)
حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم
مکتبۃ الحبیب

MAKTABA-AL-HABIB

JAMIA ISLAMIA DARUL ULOOM

MUHAZZABPUR P.O.SANJARPUR DISTT. AZAMGARH U.P. INDIA

Mobile: 09450546400

ملفوظات

حبیب الامت

(جلد اول)

حبیب الامت عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی

بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

خلیفہ ومجاز بیعت

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ وحضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوریؒ

ترتیب و پیشکش

مفتی رفیع الدین قاسمی حبیبی

ناشر

مکتبہ الحبیب، جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور
پوسٹ سنجر پور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

نام کتاب: ملفوظات حبیب الامت

مصنف: حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

صفحات: 320

قیمت: 250/-

ناشر: مکتبہ الحبیب، جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور
پوسٹ سنجر پور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

ملنے کے پتے

۱- مکتبہ الحبیب جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڈھ، یوپی
۲- مکتبہ الحبیب خانقاہ حبیب گوونڈی ممبئی
۳- مکتبہ الحبیب وخانقاہ حبیب جھٹکاہی ڈھاکہ ضلع مشرقی چمپارن
۴- مکتبہ طیبہ دیوبند، سہارنپور

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست عناوین

(ملفوظات حبیب الامت)

(جلد اول)

نمبر شمار	عناوین ملفوظات	صفحہ
۱	عرض رفیع	۲۱
۲	صف اول میں امام کے قریب کیسے افراد ہوں	۲۵
۳	صف اول کی فضیلت	۲۶
۴	تذکرہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ	۲۶
۵	تذکرہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ	۲۷
۶	جنازہ کی آخری صف افضل ہے	۲۸
۷	امامت کا مسئلہ	۲۹
۸	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا مقولہ	۲۹
۹	حضرت مولانا عبدالحلیم صاحبؒ کا بیان کردہ ایک واقعہ	۳۰
۱۰	علامہ یوسف بنوری کا بیان کردہ ایک واقعہ	۳۱

۱۱	تادیب وتعذیب میں فرق	۳۲
۱۲	دارالعلوم مہذب پور کے ایک استاذ کا واقعہ	۳۴
۱۳	مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے ایک استاذ کا واقعہ	۳۴
۱۴	مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کے ایک استاذ کا واقعہ	۳۵
۱۵	ہمارے جامعہ کے صدر مدرس کا واقعہ	۳۵
۱۶	طلباء معاد بھی ہیں معاش بھی (حضرت مولانا ابرارالحق صاحبؒ کا ملفوظ)	۳۶
۱۷	اساتذہ کے مقابلہ میں طلباء کی اصلاح بہت آسان ہے	۳۷
۱۸	طلباء کو پُر عزم ہونا چاہیے	۳۸
۱۹	ایک محدث کا واقعہ	۳۸
۲۰	طلباء کو سادہ مزاج اور کفایت شعار ہونا چاہیے	۳۹
۲۱	طلباء کو فنی لیاقت پیدا کرنے کی فکر کرنی چاہیے	۴۰
۲۲	تذکرہ حضرت علامہ صدیق احمد صاحب کشمیریؒ	۴۱
۲۳	اساتذہ وطلباء مدارس کو اپنا مقام ملحوظ رکھنا چاہیے	۴۲
۲۴	انتظامیہ تناور درخت کی طرح ہیں	۴۳
۲۵	طلباء کے جماؤ کی مثال	۴۴
۲۶	ناشکری کا ثمرہ	۴۴
۲۷	محبت کے لئے اتباع ضروری ہے	۴۷

۲۸	مدارس کے نظماء کی حیثیت امیر کی ہوتی ہے	۴۸
۲۹	پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا واقعہ	۴۸
۳۰	ہمیں اپنے ظاہر کا بھی خیال رکھنا چاہئے	۵۰
۳۱	استاذ وشاگرد کا ربط باہمی	۵۱
۳۲	حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کا مقولہ	۵۱
۳۳	طلباء کو چار چیزوں کا دھیان رکھنا چاہئے	۵۲
۳۴	بار بار مدرسہ بدلنا تعلیم کے لئے مضر ہے	۵۴
۳۵	شریعت، طریقت، حقیقت کا تعارف	۵۵
۳۶	جمعہ کے خطبہ میں کالی پگڑی اور عصا کا ثبوت	۵۵
۳۷	پوسٹ مارٹم کا عدم جواز	۵۶
۳۸	مسجد میں پنکھا لگانے کی علت	۵۷
۳۹	خیر کی بات دوسروں کو بتلانے کی فضیلت	۵۸
۴۰	علم کے باوجود مرشد کی ضرورت	۵۸
۴۱	جاہل عابد، اور عالم عابد، اور صرف عالم میں فرق	۵۹
۴۲	ماننا اصل ہے جاننا نہیں	۶۰
۴۳	مفتی کس کو کہتے ہیں؟	۶۱
۴۴	افتاء کی اہمیت	۶۲

۴۵	حضرت گنگوہی کا واقعہ	۶۳
۴۶	کم طلباء والے مدارس کی افادیت	۶۴
۴۷	دارالعلوم دیوبند کے اکابر کو ایک اہم مشورہ	۶۵
۴۸	علامہ صدیق احمد کشمیری کا تذکرہ	۶۵
۴۹	ذکر سے متعلق اہم ہدایات	۶۶
۵۰	چند اصطلاحات تصوف	۷۱
۵۱	شیخ کامل کی پہچان	۷۳
۵۲	صحبت شیخ کے منافع	۷۵
۵۳	راہ سلوک کے منتہی کی نشانیاں	۷۷
۵۴	سالک کے واجبات	۷۹
۵۵	حضرت تھانوی کا ارشاد	۸۰
۵۶	اجازت کے اقسام	۸۰
۵۷	سلوک کا زہر	۸۱
۵۸	محبت وعقیدت کی ضرورت	۸۲
۵۹	طریقت کا خلاصہ	۸۳
۶۰	اخلاص ومخلص کا مطلب	۸۶
۶۱	صاحب نسبت ہونے کا مطلب	۸۷

۶۲	نسبت اور ملکۂ یادداشت میں فرق	۸۸
۶۳	نسبت کے الوان	۸۹
۶۴	حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید کا واقعہ	۹۱
۶۵	حضرت رائے پوری کا واقعہ	۹۲
۶۶	حضرت گنگوہی کے ایک مرید کا واقعہ	۹۳
۶۷	تصور شیخ	۹۵
۶۸	استغراق کس کو کہتے ہیں	۹۶
۶۹	حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہی کے استغراق کا واقعہ	۹۸
۷۰	قبض و بسط کی تشریح	۱۰۰
۷۱	قبض کے اسباب مختلفہ	۱۰۱
۷۲	جذب وسلوک کی تشریح	۱۰۲
۷۳	دلی کے ایک مجذوب کا واقعہ	۱۰۵
۷۴	سہارنپور کے ایک مجذوب کا واقعہ	۱۰۶
۷۵	ولایت کے مختلف درجات	۱۰۷
۷۶	غوث، قطب، ابدال، نجباء ونقباء کی انسانوں سے ہمدردی	۱۰۸
۷۷	ولی اور ولایت کی تشریح	۱۰۹
۷۸	ولایت کی قسمیں	۱۱۰

۷۹	کشف وکرامت کی تشریح	۱۱۱
۸۰	حضرت امام ابوحنیفہ کا واقعہ	۱۱۴
۸۱	روم اور چین والوں کا واقعہ	۱۱۵
۸۲	کرامت کی تشریح	۱۱۶
۸۳	لفظ حضرت اور شہید کا مفہوم	۱۱۷
۸۴	پیر کیسا ہونا چاہئے	۱۱۸
۸۵	بیعت کی حقیقت	۱۱۹
۸۶	انسان کے اندر کی دو قوتیں	۱۲۱
۸۷	نفس کا علاج	۱۲۲
۸۸	نفس کے علاج کا ایک دوسرا طریقہ	۱۲۳
۸۹	نظام ربوبیت سے ہم آہنگ کرنے والی چیز	۱۲۴
۹۰	حضرات صوفیاء اور اغنیاء	۱۲۵
۹۱	ایک بزرگ کا واقعہ	۱۲۶
۹۲	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا واقعہ	۱۲۷
۹۳	حضرت مولانا قاسم نانوتوی کا واقعہ	۱۲۸
۹۴	حضرت تھانوی کا واقعہ	۱۲۹
۹۵	حضرت تھانوی کا معمول	۱۳۰

۹۶	حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندوی کی نصیحت	۱۳۰
۹۷	ضلع اعظم گڈھ کے ایک گاؤں کا واقعہ	۱۳۱
۹۸	حضرت مولانا محمد حسین صاحب بہاری کا واقعہ	۱۳۳
۹۹	حضرت علامہ کا ایک دوسرا واقعہ	۱۳۴
۱۰۰	محبت کی حقیقت	۱۳۵
۱۰۱	اللہ کے لئے جینے کا مطلب	۱۳۶
۱۰۲	ایک بزرگ کا واقعہ	۱۳۶
۱۰۳	اللہ کے ایک ولی کا دوسرا واقعہ	۱۳۸
۱۰۴	ایک بزرگ کا ایک تیسرا واقعہ	۱۳۹
۱۰۵	محبت الٰہی کا اثر انسانی زندگی پر	۱۴۱
۱۰۶	بصرہ کے ایک رئیس کا واقعہ	۱۴۲
۱۰۷	اللہ کے ایک ولی کا دوسرا واقعہ	۱۴۲
۱۰۸	اللہ کے استحضار کا فائدہ	۱۴۴
۱۰۹	حضرت جنید بغدادی کا ایک واقعہ	۱۴۴
۱۱۰	حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والتسلیم کا ایک واقعہ	۱۴۶
۱۱۱	حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی کا واقعہ	۱۴۹
۱۱۲	حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کا واقعہ	۱۵۱

۱۱۳	حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی کا دوسرا واقعہ	۱۵۱
۱۱۴	حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی کا تیسرا واقعہ	۱۵۲
۱۱۵	اللہ کے ایک ولی کا واقعہ	۱۵۴
۱۱۶	حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا ایک ملفوظ	۱۵۵
۱۱۷	حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کا بیان کردہ ایک واقعہ	۱۵۸
۱۱۸	لکھنؤ کا ایک واقعہ	۱۶۰
۱۱۹	آج سے چالس سال پہلے کا ایک واقعہ	۱۶۲
۱۲۰	ایک نواب صاحب کا واقعہ	۱۶۳
۱۲۱	کانپور کے شاہ رسول نما کا واقعہ	۱۶۵
۱۲۲	ایک دوسرے بزرگ کی بیوی کا واقعہ	۱۶۸
۱۲۳	ایک نواب صاحب کے درباری کا واقعہ	۱۶۹
۱۲۴	کانپور کے ایک مقرر کا واقعہ	۱۷۰
۱۲۵	بعض لوگوں کو اونچے الفاظ کے استعمال کا شوق ہوتا ہے	۱۷۱
۱۲۶	حضرت مولانا علی میاں صاحب کا ایک ملفوظ	۱۷۲
۱۲۷	حضرت مولانا علی میاں صاحب کا دوسرا ملفوظ	۱۷۳
۱۲۸	حضرت مولانا اعزاز علی صاحب کا واقعہ	۱۷۴
۱۲۹	حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی کا ایک واقعہ	۱۷۴

۱۳۰	شاہ عبدالعزیز دباغ کا واقعہ	۱۷۵
۱۳۱	محبت اور عشق میں فرق	۱۷۷
۱۳۲	خواجہ نظام الدین اولیاء کا ایک واقعہ	۱۷۸
۱۳۳	حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا دوسرا واقعہ	۱۸۱
۱۳۴	حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا واقعہ	۱۸۲
۱۳۵	حضرت تھانوی کا ایک ملفوظ	۱۸۵
۱۳۶	حضرت مولانا ضمیر احمد صاحب کا ایک ملفوظ	۱۸۵
۱۳۷	ایک صحرا نشیں بزرگ کا واقعہ	۱۸۶
۱۳۸	ایک بزرگ کے ایک خادم کا واقعہ	۱۸۹
۱۳۹	ایک بزرگ کا واقعہ	۱۹۱
۱۴۰	حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کا ملفوظ	۱۹۲
۱۴۱	کانپور کا ایک واقعہ	۱۹۲
۱۴۲	کانپور ہی کا ایک دوسرا واقعہ	۱۹۴
۱۴۳	اورنگ زیب کی بیٹی کا واقعہ	۱۹۴
۱۴۴	حضرت مولانا قاسم نانوتوی کا واقعہ	۱۹۷
۱۴۵	حضرت مولانا عبیداللہ صاحب بلیاوی کا واقعہ	۱۹۸
۱۴۶	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا واقعہ	۲۰۰

۱۴۷	حضرت گنگوہی کی خدمت میں ایک جاسوس	۲۰۱
۱۴۸	حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری کا واقعہ	۲۰۳
۱۴۹	حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کا واقعہ	۲۰۴
۱۵۰	حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کا واقعہ	۲۰۵
۱۵۱	عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز	۲۰۶
۱۵۲	روزانہ قرآن پاک ختم کرنے والے	۲۰۷
۱۵۳	کثرت سے حج وعمرہ	۲۰۹
۱۵۴	کثرت سے روزہ	۲۰۹
۱۵۵	زندگی میں قبر کی تیاری	۲۱۰
۱۵۶	ستر سال تک تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی	۲۱۰
۱۵۷	ساٹھ سال امامت کی کبھی سجدۂ سہو پیش نہیں آیا	۲۱۲
۱۵۸	حضرت امام شافعی کا ملفوظ	۲۱۲
۱۵۹	حضرت طاؤس بن کیسان کا ملفوظ	۲۱۳
۱۶۰	حضرت بشر الحافی کا ملفوظ	۲۱۳
۱۶۱	اقارب اور عقارب میں فرق	۲۱۴
۱۶۲	علامہ اور الامہ میں فرق	۲۱۵
۱۶۳	علماءِ حقہ اور علماءِ حُقہ میں فرق	۲۱۶

۱۶۴	حسد کے سلسلہ کی ایک حدیث	۲۱۶
۱۶۵	درۃ الناصحین کا تعارف	۲۱۸
۱۶۶	کثرت گریہ کی فضیلت	۲۲۱
۱۶۷	اللہ والوں کی دنیاداروں سے دوری	۲۲۳
۱۶۸	جتنا کرنا چاہئے تھا اتنا کر نہیں سکا	۲۲۴
۱۶۹	جب عمر چالیس سال ہو جائے	۲۲۵
۱۷۰	صبح صادق کے بعد سے فجر کی نماز تک کا وقت ذکر اللہ میں مصروفیت کا ہوتا ہے	۲۲۶
۱۷۱	تکبیر اولیٰ میں سستی کرنے والا	۲۲۷
۱۷۲	خدمت خلق کا ایک انوکھا انداز	۲۲۷
۱۷۳	اللہ اپنے بندوں کی پریشانی کو پسند نہیں کرتا	۲۲۹
۱۷۴	قبر کے کیڑے مکوڑے کے کھانے کے لئے بدن کو موٹا تازہ بنانے سے کیا فائدہ	۲۲۹
۱۷۵	مجھ جیسوں کے ساتھ بھی اس کا برتاؤ یہی ہے	۲۳۰
۱۷۶	حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کا معمول	۲۳۲
۱۷۷	حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کے دسترخوان پر فرق مراتب کا لحاظ	۲۳۲

۱۷۸	خادم کے ساتھ پیش آمدہ ایک واقعہ	۲۳۴
۱۷۹	تہجد سے محرومی کا سبب	۲۳۵
۱۸۰	میں تو جنت کے مالک کا مشتاق ہوں	۲۳۶
۱۸۱	تہجد کے وقت کی چند رکعتوں کے سواء کچھ بھی کام نہ آیا	۲۳۷
۱۸۲	روزانہ چار سو رکعتیں نوافل کا اہتمام	۲۳۷
۱۸۳	ایک درندہ کا سواری کا کام کرنا	۲۳۸
۱۸۴	شیخ سعدی کا بیان کردہ واقعہ	۲۳۹
۱۸۵	ایک باندی کا واقعہ	۲۴۰
۱۸۶	بحر قلزم کے پاس حضرت موسیٰ کی تقریر	۲۴۲
۱۸۷	اللہ کے رسولؐ کا خطاب ابوبکر سے	۲۴۴
۱۸۸	ایک دقیق نکتہ	۲۴۵
۱۸۹	جو ایک مرتبہ مجلس میں پہونچ گیا وہ گناہ سے بچ گیا	۲۴۶
۱۹۰	روزانہ پانچسو رکعت نفل	۲۴۷
۱۹۱	چشتیت کی ابتداء	۲۴۷
۱۹۲	جس پہ نظر ڈال دیا صاحب کرامت ہو گیا	۲۴۸
۱۹۳	پیٹ سے ذکر اللہ کی آواز	۲۴۹
۱۹۴	روزانہ پانچ ختم قرآن پاک	۲۵۰

۱۹۵	دس ہزار خلفاء	۲۵۰
۱۹۶	جو آپ کا جوٹھا کھالیتا مجذوب ہو جاتا	۲۵۱
۱۹۷	کلاہ چہار ترکی	۲۵۲
۱۹۸	طواف میں بارہ ہزار قرآن پاک کا ختم	۲۵۳
۱۹۹	بیس سال تک پاؤں دراز نہیں کیا	۲۵۴
۲۰۰	ولی کی چار علامتیں ہیں	۲۵۵
۲۰۱	سمندر میں چادر بچھا کر نماز پڑھنا	۲۵۶
۲۰۲	خواجہ عثمان ہارونی کی سفارش سے عذاب کا ملتوی ہونا	۲۵۷
۲۰۳	اصل معرفت کی عبادت پاس انفاس ہے	۲۵۸
۲۰۴	میری نماز جنازہ وہ پڑھائے جن میں تین صفات ہوں	۲۵۸
۲۰۵	تین ہزار مرتبہ درود شریف کا معمول	۲۵۸
۲۰۶	ملاعلی قاری کا بیان کردہ واقعہ	۲۵۹
۲۰۷	حضرت رابعہ بصریہ کا واقعہ	۲۶۰
۲۰۸	مالتی باغ بنارس کا واقعہ	۲۶۲
۲۰۹	ایک چور کا اندھا ہونا	۲۶۳
۲۱۰	ستر ہزار خلفاء	۲۶۴
۲۱۱	آج گولر میں نمک ڈال دینا	۲۶۵

۲۱۲	سات سال کی عمر سے تہجد کی پابندی	۲۶۷
۲۱۳	پچاس سال تک مسجد میں جھاڑو لگانا	۲۶۸
۲۱۴	حضرت شیخ عبدالحق رودولوی کا ایک واقعہ	۲۶۹
۲۱۵	بچپن ہی سے صاحب کرامت ہو جانا	۲۷۰
۲۱۶	شیخ عبدالقدوس گنگوہی کو اٹھا کر لیجانے کے لئے جنوں کی آمد	۲۷۰
۲۱۷	حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا ایک اور واقعہ	۲۷۳
۲۱۸	ایک رات میں ستر بار تازہ وضوء کرنا	۲۷۴
۲۱۹	حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تخت پر بیٹھ کر کوئی چیز کھانا ثابت نہیں	۲۷۵
۲۲۰	حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا واقعہ	۲۷۶
۲۲۱	حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کا واقعہ	۲۷۶
۲۲۲	حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی کا واقعہ	۲۷۷
۲۲۳	نجنیا پیر سے میرا بھی سلام کہہ دینا	۲۷۹
۲۲۴	شیخ جلال الدین تھانیسری کا ایک واقعہ	۲۸۲
۲۲۵	وصول الی اللہ کے لئے اصول کی پابندی ضروری ہے	۲۸۳
۱۲۶	جس پر آپ کی نظر پڑی وہ صاحب شہود ہو جاتا	۲۸۴
۲۲۷	تیس سال تک تکبیر اولیٰ کا فوت نہ ہونا	۲۸۴
۲۲۸	ٹوپی آگ میں ڈالنے سے آگ کا بجھ جانا	۲۸۵

۲۲۹	نعت سننے سے پرہیز کرنا	۲۸۵
۲۳۰	نمازیوں کے جانے کے بعد دروازہ بند کر کے پوری رات عبادت میں مصروف رہنا	۲۸۷
۲۳۱	رات میں کبھی پاؤں پھیلا کر نہیں سوئے	۲۸۸
۲۳۲	کبھی سیاہ جوتا نہ پہننا	۲۹۰
۲۳۳	میری اولاد وہی ہے جو اللہ کی طالب ہے	۲۹۰
۲۳۴	تم تو یہی سمجھنا کہ شیخ ہی سے ملا ہے	۲۹۱
۲۳۵	ذکر میں لگے رہنا بھی ایک بڑا نفع ہے	۲۹۲
۲۳۶	کون کہتا ہے کہ اللہ کے نام میں مٹھاس نہیں ہے	۲۹۳
۲۳۷	عادت سے عبادت بنتی ہے	۲۹۴
۲۳۸	اتفاق واتحاد کی بنیاد تواضع ہے	۲۹۵
۲۳۹	شیخ عبدالقادر جیلانی کا اپنے ایک خلیفہ کو وصیت	۲۹۷
۲۴۰	ہر درخواست کرنے والے کو بیعت کرنے کی وجہ	۲۹۸
۲۴۱	حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کا معمول	۲۹۹
۲۴۲	میرے خلفاء دو قسم کے ہیں	۳۰۱
۲۴۳	صالحین کا لباس پہنا کیجئے	۳۰۳
۲۴۴	ضرورت کے باوجود احتیاط کو نہیں چھوڑا	۳۰۴

۲۴۵	ایک سجدہ بھی ترک کرنا گوارہ نہیں	۳۰۵
۲۴۶	آپ کے پاس آ کر حدیث بھی حنفی ہو جاتی ہے	۳۰۷
۲۴۷	شاید کوئی معقول بات ہو اور ہم رجوع کر لیں	۳۰۸
۲۴۸	تعارف حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم	۳۱۱
۲۴۹	حبیب الفتاوی ارباب افتاء واصحاب علم کے لئے ایک قیمتی تحفہ	۳۱۴
۲۵۰	تصانیف حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم	۳۱۶
۲۵۱	جامعہ کا مختصر تعارف	۳۱۹

☆☆☆

عرض رفیع

(پیش لفظ ملفوظات حبیب الامت)

حبیب الامت، عارف باللہ حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم شیخ الحدیث وصدر مفتی بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور سنجر پور، ضلع اعظم گڑھ یوپی انڈیا ہندوستان کے ان چیدہ وبرگزیدہ اہل علم، اہل تقوی، اہل فضل وکمال میں سے ہیں جنہوں نے سیکڑوں اہل علم وفضل اور صاحب کمال و جمال بزرگوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

جو دارالعلوم دیوبند کے اکابر فضلاء میں سے ہیں، جنہوں نے پوری زندگی خدمت دین، تبلیغ دین، اشاعت دین کے لئے وقف کردی ہے، آپ کی شخصیت اہل علم، اہل افتاء، اہل تدریس، اہل خطابت، اہل قلم میں معروف ومشہور ہے۔ آپ نے میزان سے دورۂ حدیث بلکہ افتاء وتخصص فی الحدیث تک کی تعلیم ایک زمانہ تک دی ہے، اور دے رہے ہیں، تمام علوم وفنون پر آپ کی نگاہ ہے، آپ کے ہزاروں فیض یافتہ تلامذہ ہندو بیرون ہند، ہمہ جہت دینی وعلمی خدمات میں مصروف ہیں۔

راقم جب دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث سے فارغ ہوگیا تو افتاء وتخصص فی الحدیث کی تعلیم کے لئے کسی کہنہ مشق مفتی اور ماہر علم وفن پرانے مدرس کی جستجو شروع ہوئی، حضرت والا دامت برکاتہم کا نام نامی اسم گرامی سن کر اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ آپ کی بابرکت خدمت میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، حاضری کے بعد

جب احاطۂ جامعہ میں چل پھر کر دار العلوم کی تعلیمی وتعمیری ترقیات پر ایک نظر پڑی بالخصوص دار العلوم کے کتب خانہ کو جب دیکھا اور اس میں موجود ہر فن کی کتابوں کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ موجود پایا تو راقم حیران رہ گیا اور بے ساختہ زبان سے یہ نکلا کہ یہ تو شہر علم ہے جو مدارس اسلامیہ ہند کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے اور طالبان علوم نبوت کی علمی تشنگی دور کرنے کا یہ مرکز ہے، باطنی و روحانی کیفیات کے اعتبار سے یہ ادارہ اپنی مثال آپ ہے۔

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم کی علمی و روحانی، فکری و ذہنی صلاحیتوں کا جلوۂ صد رنگ ارتقائی شکل میں ہر طرف دیکھائی دے رہا تھا۔

الغرض راقم نے اپنے رفقاء کے ساتھ افتاء میں داخلہ لیا اور حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم کے علوم و فیوض سے مستفیض ہونے کا بھرپور موقع ملا، آپ کی محبت وشفقت کو پا کر ہمارے رفقاء اپنے ماں باپ کو بھول گئے، تین سال تک یہ راقم ادارہ میں رہا اور آپ کی پدرانہ شفقتوں سے فیض یاب ہوتا رہا۔

پہلا سال افتاء کا تھا جس کی تعلیم کے دوران ہمارے تمام ساتھیوں کا نیز ہمارے بعد آنے والے ہمارے تمام رفقاء کا یہ تأثر رہا کہ افتاء کی جتنی عمدہ تعلیم اس ادارہ میں دی جارہی ہے ویسی تعلیم افتاء کی کسی بھی ادارہ میں نہیں ہورہی ہے، حتی کہ دار العلوم دیوبند میں بھی افتاء کی ایسی تعلیم نہیں ہے، چونکہ ہمارے بہت سے رفقاء ہندوستان کے بہت سے مدارس کے دار الافتاء میں زیر تعلیم رہ کر یہاں آئے تھے اور ہمارے بہت سے رفقاء دار العلوم دیوبند میں بھی شریک درس رہے تھے، ان سب نے یہاں کے افتاء کی تعلیم کی تحسین کی اور سب سے زیادہ لائق و فائق قرار دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک سال کے بعد افتاء میں یہاں پچاس ساٹھ طلباء جمع ہوگئے جن کی تعلیم کے

ساتھ دیگر سارے لوازمات کا حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے بحسن وخوبی انتظام کیا، اچھی تعلیم وتربیت کے ساتھ جامعہ کے تمام طلباء ومدرسین وملازمین کے لئے مرادآبادی مرغ بریانی کا ہفتہ میں ایک مرتبہ نظم فرمایا جوسلسلہ کئی سال تک چلتا رہا اور حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم پوری محبت وشفقت کے ساتھ ہمارے تمام رفقاء کی اچھی قیام گاہ اچھا خوردونوش اور اچھی تعلیم وتربیت میں لگے رہے۔

راقم اور راقم کے رفقاء کی خواہش اور اصرار پر اگلے سال تخصص فی الحدیث کا دوسالہ کورس عمل میں آیا اور حضرت والا نے پوری فکر اور لگن کے ساتھ تخصص فی الحدیث کی تمام ضروریات کا نظم وانتظام کیا اور ہم تمام رفقاء دوسال تک تخصص فی الحدیث کے شعبہ سے وابستہ ہوکر حضرت حبیب الامت کے علمی فیوض وبرکات سے مستفیض ہوتے رہے۔

راقم کا قیام اس ادارہ میں تین سال رہا، اس دوران دو رمضان بھی آئے ان دونوں رمضان میں حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم کی خانقاہ میں اخیر عشرہ کے اعتکاف کی سعادت بھی راقم کو اپنے رفقاء کے ساتھ حاصل ہوئی۔ حضرت کی خدمت کے ساتھ حضرت کے قیمتی ارشادات، ملفوظات، خطابات سے بھی مستفیض ہونے کا خوب خوب موقع ملا، چونکہ حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سیکڑوں بزرگوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور ان سے علمی وروحانی اکتساب فیض کا پورا پورا آپ کو موقع ملا ہے، اس لئے حضرت والا ان فیوض وبرکات کو عوام وخواص، علماء وطلباء کی مجلسوں میں اپنے مخصوص انداز میں پیش فرماتے اور حاضرین کو فیض یاب فرماتے۔

راقم نے تین سالہ قیام کے دوران یہ محسوس کیا کہ حضرت کے قیمتی ارشادات وملفوظات کتابی شکل میں عوام وخواص کے ہاتھوں میں آنا چاہئے، چونکہ حضرت کے ملفوظات کا اسلوب وانداز عام ملفوظات پر مشتمل کتابوں کے انداز سے یکسر مختلف

ہے، بالخصوص تصوف وسلوک سے متعلق آپ کے جو ارشادات ہیں ان کو پڑھنے اور دیکھنے کے بعد یقیناً سالک کا دل تڑپ اٹھے گا اور وہ یہ محسوس کرے گا کہ کسی درنایافت کی یافت ہوگئی ہے۔

زبان کی شائستگی اور شگفتگی اور ارشادات میں تسلسل اور واقعات کا حسین انطباق جس انداز سے آپ ملفوظات حبیب الامت میں پائیں گے پڑھنے کے بعد یقیناً آپ محسوس کریں گے کہ ملفوظات حبیب الامت یقیناً دیگر ملفوظات سے یکسر انمول ومنفرد ہے۔

بہرحال راقم سے جو کچھ ہوسکا حضرت کے ارشادات وملفوظات کو آپ حضرات کی خدمت میں یہ کہتے ہوئے پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہے ۔

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

اخیر میں راقم دعا گو ہے کہ اللہ پاک حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم کی عمر اور صحت میں برکت عطا فرمائے اور ان کی قدردانی کے ساتھ ان کے سینہ میں محفوظ علم وفن سے عوام وخواص علماء وطلباء کو زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ ع

این دعاء از من واز جملہ جہاں آمین باد

بندہ رفیع الدین قاسمی حبیبی
یکم محرم الحرام ۱۴۴۲ھ

صف اول میں امام کے قریب کیسے افراد ہوں

ایک بار طلباء واساتذہ کوخطاب کرتے ہوئے فرمایا ترمذی شریف کی حدیث ہے:"**لیلینی منکم أولو الأحلام والنهی**" (آقا نے فرمایا میرے نزدیک تم میں کے وہ افراد رہیں جو باشعور، صاحب فہم ہوشیار ہیں)، حضرات محدثین نے اس کی تین وجہیں بیان کی ہیں:

(۱) تاکہ میرے قیام، رکوع، سجود، قومہ، جلسہ وغیرہ کو قریب سے دیکھ سکیں اور سمجھ سکیں تاکہ بعد والوں کو میری نماز کا صحیح طریقہ بتلا سکیں۔

(۲) اگر نیابت کی ضرورت پیش آئے تو نیابت کے فرائض انجام دے سکیں۔

(۳) اگر لقمہ کی ضرورت ہو تو بقدر ضرورت بوقت ضرورت لقمہ دے سکیں۔

آج اگرچہ پہلی وجہ ختم ہو چکی ہے، لیکن دو وجہیں اب بھی باقی ہیں، لہذا امام کے قریب صف اول میں ایسے افراد کو رہنا چاہئے جو مسائل نیابت سے واقف ہوں اور لقمہ دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں، اور ایسے افراد کو صف اول میں امام کے قریب رہنے کی از خود بھی کوشش کرنی چاہئے یعنی جماعت کے وقت سے پہلے مسجد میں پہنچنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

خاص طور پر مدارس میں رہنے والے وہ اساتذہ جو اپنی علمی صلاحیتوں کی وجہ سے منتظمین اور طلباء کے قلب ونگاہ میں صف اول کا مقام پیدا کرنا اور دیکھنا چاہتے ہیں اور

پسند کرتے ہیں ان کو عملی میدان میں بھی صف اول کا اہتمام کرنا چاہئے تاکہ ان کے عمل میں استحکام کے ساتھ طلباء میں جو ان کے زیر اثر ہوتے ہیں ترغیب وتحریص پیدا ہو۔

صف اول کی فضیلت

طلباء واساتذہ جامعہ کو خطاب کرتے ہوئے ایک بار فرمایا۔

آج ہمارے مدارس کے طلباء واساتذہ سے مدارس کی چہار دیواری میں رہتے ہوئے جماعت، تکبیر اولی، صف اول کا اہتمام ختم ہوتا جارہا ہے جو قابل افسوس وقابل فکر ہے۔

جبکہ ہمارے اسلاف واکابرین دل وجان سے زیادہ اس چیز کو عزیز سمجھتے تھے اور قابل رشک حد تک اس کا اہتمام کرتے تھے، انتہائی درجہ ضعف وپیرانہ سالی کے باوجود مسجد کی حاضری، جماعت، صف اول، تکبیر اولی کا اہتمام کرتے تھے۔

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ جو مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور کے ناظم تھے اور حضرت تھانویؒ کے خلیفہ تھے جب بالکل معذور ہوگئے چلنے کی صلاحیت ختم ہوگئی اس وقت بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ خادم قاری گورا صاحب وضو کراتے اور گود میں اٹھا کر مسجد کلثوم (مسجد دار قدیم) کی صف اول میں امام کے پیچھے لیجا کر بیٹھا دیتے۔

بیٹھ کر نماز ادا فرمانے کے بعد خادم گود میں اٹھا کر لاتا اور کمرہ میں چارپائی پر لٹا دیتا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ

اسی طرح حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ انتہائی درجہ کی معذوری کے زمانہ میں بھی خدام وضو کراتے اور ویل چیئر پر بیٹھاتے اور مسجد پہنچاتے اور مسجد میں صف اول میں پہنچ کر باجماعت نماز ادا فرماتے۔

لیکن: آج جب طلباء واساتذہ کی لاپرواہی نماز، جماعت، صف اول، تکبیر اولی کے سلسلہ میں دیکھنے کوملتی ہے تو خون کے آنسو رونے کو دل چاہتا ہے معمولی معمولی اعذار کی وجہ سے جماعت بلکہ نماز کو چھوڑ دینا عام سی بات ہوگئی ہے یہ بہت بڑا المیہ ہے اس پر دھیان دینے کی ضرورت ہے۔

ارباب مدارس کو فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

جبکہ: ہمارے آقا کا ارشاد ہے: ”**وروی عنه ﷺ تکتب للذی خلف الإمام بحذائه مائة صلوة وللذی فی الجانب الأیمن خمسة وسبعون صلوة وللذی فی الأیسر خمسون صلوة وللذی فی سائر الصفوف خمسة وعشرون صلوة**“ (شرح طحطاوی علی المراقی ۱۶۸/)۔

امام کے پیچھے صف اول میں نماز پڑھنے والے کی نماز ایک نماز ایک سو نماز کے برابر ہوتی ہے یعنی ایک نماز پر سو نماز کا ثواب لکھا جاتا ہے اور جو لوگ امام کے دائیں جانب ہوتے ہیں ان کو ایک نماز پر پچھتر نماز کے برابر ثواب ملتا ہے، اور امام

کے بائیں طرف جولوگ ہوتے ہیں ان کوایک نماز پر پچاس نماز کا ثواب ملتا ہے،اور اس کے بعد پچھلی صفوں میں جتنے ہوتے ہیں ان سب کوایک نماز پر پچیس نماز کا ثواب ملتا ہے۔

اس لئے اہل مدارس کوخصوصاً ان اعمال پر دھیان دینے کی ضرورت ہے جب ہماری زندگیوں میں یہ اعمال ہوں گے تو مؤثر انداز میں ہم ان اعمال کی تبلیغ کرسکتے ہیں۔

جنازہ کی آخری صف افضل ہے

فرمایا: اسی وجہ سے حضرات فقہاء بھی فرماتے ہیں"افضل الصفوف أولها" کہ نماز پنجوقتہ کی صفوں میں سب سے افضل صف پہلی صف ہے۔

لیکن: ایک بات یادرکھنے کی ہے کہ زندوں کی نماز کا یہ حکم ہے ورنہ نماز جنازہ کی صفوں کے بارے میں حضرات فقہاء نے صراحت کی ہے،"خیر الصفوف آخرها" "قال ابن الملک فی شرح الوقایة ذکر الکرمانی أن أفضل الصفوف فی صلاة الجنازة آخرها وفی غیرها أولها إظهاراً للتواضع ولتکون شفاعته أدعی للقبول" (مرقات۲/۳۶۹) کہ آخری صف افضل ہے۔

اس کی حکمت تو حضرات فقہاء ہی سمجھیں گے ہمارا کام ان کی تصریحات وہدایات پرعمل کرنا ہے۔

امامت کا مسئلہ

فرمایا: عام طور پر ہمارے مشائخ واسلاف امامت کے لئے مصلیٰ پر نہیں جاتے تھے بلکہ اقتداء میں نماز پڑھنے میں عافیت سمجھتے تھے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا مقولہ

چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند فرمایا کرتے تھے کہ بھائی دو چیزوں میں بڑا مزہ آتا ہے (۱) اقتداء کی نماز، (۲) دعوت کا کھانا۔ چونکہ ان دونوں میں اپنے ذمہ کچھ نہیں سارا بوجھ دوسرے کے سر ہوتا ہے۔

اقتداء کی نماز اس لئے اچھی لگتی ہے کہ اس میں سارا بوجھ امام کے سر ہوتا ہے اور دعوت کا کھانا اس لئے اچھا لگتا ہے کہ اس میں بھی سارا بوجھ میزبان کے سر ہوتا ہے مہمان کو تو صرف ہاتھ دھو کر کھانا ہوتا ہے۔

حالانکہ: حضور اکرم ﷺ اور حضرات خلفاء خود امامت فرمایا کرتے تھے اور ویسے بھی اعلم وافقہ، اتقی واورع کے پیچھے نماز پڑھنے کا جو اجر ہے وہ غیر اتقی واورع کے پیچھے نہیں ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے حضرات فقہاء نے صراحت کی ہے۔

"من صلی خلف عالم تقی فکأنما صلی خلف نبی"

(ہدایہ ۱/۱۰۱، مجمع الانہر ۱/۱۰۷، نصب الرایہ ۲/۲۶، کشف الخفاء ومزیل الالباس للعجلونی ۲/۲۰۷، المقاصد الحسنہ للسخاوی ۴۱۹/، تذکرۃ الموضوعات ۴۰/)۔

اور علامہ شرنبلالی نے بھی ایک حدیث نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر تمہارے لئے یہ بات باعث مسرت ہو کہ تمہاری نمازیں قبول کی جائیں تو تمہاری امامت تمہارے علماء کو کرنی چاہئے اور ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ تم میں جو اچھے ہوں ان کو امامت کرنی چاہئے اس لئے کہ یہ علماء تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان رابطہ کی کڑی ہیں۔ یہ علماء تمہارے لئے شافع ہیں اور شافع کو آگے رہنا چاہئے اور یہ علماء سابق ہیں اور سابق کو آگے رہنے کا حق ہے۔

"وقال ﷺ إن سركم أن تقبل صلاتكم فليؤمكم علماؤكم فإنهم وفدكم فيما بينكم وبين ربكم وفي رواية فليؤمكم خياركم" (طحطاوی علی المراقی ۱۶۴)۔

"وقال في مجمع الروايات وإذا صلى خلف فاسق أو مبتدع يكون محرزاً ثواب الجماعة لكن لا ينال ثواب من يصلي خلف إمام تقي"۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جو امامت کے لائق ہوں ان کو فریضۂ امامت انجام دینا چاہئے تاکہ آقا ﷺ اور حضرات خلفاء کی سنت زندہ رہے۔

لیکن: ایسا بھی شوق نہ ہو جیسا کہ ایک حاجی صاحب کو تھا۔

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحبؒ جونپوری کا بیان کردہ ایک واقعہ

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ بستی ضلع کے ایک حاجی صاحب تھے ان کو امامت کا بہت شوق تھا وہ ایسی جگہ رہتے تھے جہاں لکڑیوں کے لئے

دور قریب کے لوگ جس میں علماء ومشائخ بھی ہوتے تھے جایا کرتے تھے انہوں نے نماز کی ایک جگہ بنا رکھی تھی جہاں با جماعت نماز ہوتی تھی جب نماز کا وقت ہوتا تو کود کر خود مصلی پر کھڑے ہو جاتے اور دائیں بائیں یہ کہتے ہوئے سر گھماتے کہ ہے کوئی نماز پڑھانے والا اچھا کوئی نہیں ہے تو میں ہی پڑھا دیتا ہوں اور یہ کہہ کر فوراً تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کر دیتے کسی کو آگے بڑھنے کا موقع نہ دیتے۔

علامہ یوسف بنوریؒ کا بیان کردہ ایک واقعہ

علامہ یوسف بنوری نے اسی انداز کا ایک واقعہ معارف السنن میں لکھا ہے کہ ایک صاحب تھے جو امامت کا بہت شوق رکھتے تھے لوگوں نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے اس شخص نے کہا کہ بھائی مقتدی بن کر کون مار کھانے جائے گا۔

اس لئے کہ اگر مقتدی بن کر میں نے نماز ادا کی تو دو حال سے خالی نہیں یا تو قراءت خلف الامام کروں گا یا نہیں؟

اگر قراءت خلف الامام کرتا ہوں تو حنفی دوڑائیں گے کہ تیری نماز مکروہ ہوگئی تو نے یہ کیا کیا۔

اور اگر قراءت خلف الامام نہیں کرتا ہوں تو شافعی دوڑائیں گے کہ تیری نماز نہیں ہوئی دوبارہ پڑھ۔

تو بھیا کون جائے گا اس چکر میں پڑنے اس سے اچھا ہے کہ امام بن جاؤ۔

تادیب وتعذیب میں فرق

ایک مرتبہ جامعہ کے اساتذہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اساتذہ کو طلباء کی تربیت کرتے وقت یہ خیال رکھنا بے حد ضروری ہے کہ زجر وتوبیخ اور ضرب کی جتنی ضرورت ہو اس سے زیادہ نہ ماریں۔

عموماً ایسے موقع پر ہمارا نفس اس میں شامل ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے ہماری ضرب کا وہ اثر ظاہر نہیں ہوتا جو ہونا چاہئے اس لئے کہ جب نفس کی شمولیت ہوجائے گی تو اخلاص نکل جائے گا اور جو عمل اخلاص سے خالی ہو اس سے تاثیر نکل جاتی ہے۔

اور یہ بات خصوصاً ہمارے ذہنوں میں رہنی چاہئے کہ ہم تادیب کے مجاز ہیں تعذیب کے نہیں اس لئے ان حدود وقیود کو ذہن میں رکھنا چاہئے اور اس سے باہر نہیں ہونا چاہئے۔

اسی لئے ہمارے یہاں دستور ہے کہ بوقت ضرورت ومجبوری صرف دو چھڑی مار سکتے ہیں وہ بھی ہاتھ پر بدن یا کسی اور جگہ نہیں اور وہ بھی ایک ہاتھ پر صرف ایک۔

چنانچہ حضرات فقہاء نے بھی تادیب کے مواقع پر اس کی صراحت کی ہے، حضرت نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تمہارے بچے سات سال کے ہوجائیں تو ان کو نماز کا حکم کرو اور جب وہ دس سال کے ہوجائیں اور نماز نہ پڑھیں تو ان کی پٹائی کرو۔

اور یہ پٹائی ولی کے لئے واجب ہے، جیسا کہ اس کی صراحت ہے

”والظاهر منه أن هذا واجب على الولى“(طحطاوی علی المراقی ۹۳)۔

اس کے باوجود حکم ہے کہ ہاتھ سے مارے لکڑی سے نہیں:

”وتضرب عليه عشر بيد لا بخشبة أى عصا كجريدة رفقاً به وزجراً بحسب طاقته“(شرنبلالی ۹۳)۔

اور ہاتھ سے بھی تین ہاتھ سے زیادہ نہ مارے اس کی بھی صراحت موجود ہے۔

”ولا يزيد على ثلاث ضربات بيده“(شرنبلالیہ ۹۳)۔

اس حال میں جبکہ مارنا واجب ہو اس قدر حدود و قیود کہ لکڑی سے نہیں ہاتھ سے مارو، زور سے نہیں آہستہ مارو تین ہاتھ سے زیادہ نہ مارو۔

کیا جن مقامات پر ہم ڈنڈا چلاتے ہیں کیا ہم نے کبھی اخلاص کے ساتھ سوچا کہ اس وقت ڈنڈے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ کیا ہم نے کبھی سوچا کہ ہمارا نفس اس میں شامل تو نہیں ہو گیا ہے؟

کیا ہم نے کبھی سوچا کہ ہمیں چھڑی کیسی استعمال کرنی چاہیئے؟ کیا ہم نے کبھی سوچا کہ کس وقت ہمیں چھڑی چلانی چاہیئے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن پر ہمیں غور کرنا ہوگا ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسرے کی اصلاح کے چکر میں ہماری آخرت برباد ہو جائے ہمیں ہر حال میں اپنی آخرت بچانی ہے۔ اور ہم کو یہ دھیان رکھنا ہے کہ ہم تادیب کے مجاز اور مکلّف ہیں تعذیب کے نہیں۔

دارالعلوم مہذب پور کے ایک استاذ کا واقعہ

آپ کے اسی جامعہ کے ایک استاذ کا واقعہ سناتا ہوں وہ میرے شاگرد تھے گونڈہ کے رہنے والے تھے مجھ سے مانوس تھے دیوبند سے فراغت کے بعد تدریس کے لئے یہاں آئے اور کتابوں کے ساتھ ان کو ہدایہ بھی دی گئی بہت محنت سے پڑھاتے تھے کما حقہ مطالعہ کرتے تھے۔

وہ ہر ہفتہ سرائے میر سنجر پور جایا کرتے تھے میں نے دوسروں سے پوچھا ہر ہفتہ وہ کہاں جاتے ہیں تو اساتذہ نے بتلایا کہ وہ دوا کے لئے جاتے ہیں تب میں نے براہ راست ان سے بات کی تاکہ ان کی صحیح رہنمائی ہوسکے۔

معلوم کرنے پر روح فرسا جو واقعہ بتلایا میرا دل لرز اٹھا کہنے لگے۔

مدرسہ فرقانیہ گونڈہ کے ایک استاذ

جب میں مدرسہ فرقانیہ گونڈہ میں حفظ کررہا تھا میرے استاذ کسی بات پر مجھ سے ناراض ہوگئے اور موقعہ کی تلاش میں رہے ایک روز سنانے کے لئے گیا بس موقع پا کر کسی غلطی کے بہانے میرا سر دونوں گھٹنوں کے بیچ دبا کر ایک موٹے ڈنڈے سے میری پٹائی شروع کی اتنا مارا کہ میری ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی اس کے بعد سے آج تک اس کا علاج کرا رہا ہوں مستقل دوا کھاتا ہوں پریشان رہتا ہوں کمر کا برا حال رہتا ہے۔

اب بتلایئے:

اور آپ حضرات خود فیصلہ کیجئے کہ یہ تادیب ہے یا تعذیب؟ اور اس کی اجازت ان کو کہاں سے ملی، اور اس کا جواب قیامت کے دن کس طرح دے سکیں گے۔

مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کا واقعہ

مدرسۃ الاصلاح سرائے میر ضلع اعظم گڈھ کا قابل قدر ادارہ ہے وہاں ایک استاذ ریاضی کا درس دے رہے تھے وہ سیاہ بورڈ پر لکھ کر کچھ سمجھا رہے تھے اچانک طلباء کی طرف متوجہ ہوئے تو ایک طالب علم سبق سے غافل کھیل میں مصروف تھا استاذ نے ہمدردی میں اس کا کان پکڑ کر کھڑا کیا تو اس کا پورا کان جڑ سے اکھڑ کر استاذ کے ہاتھ میں آ گیا۔

پھر اس کے بعد جو شورش پیدا ہوئی انتظامیہ کو اس کو کنٹرول کرنے میں کافی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔

میرے عرض کرنے کا حاصل یہ ہے کہ اساتذہ کو ہر حال میں محتاط رہنے کی ضرورت ہے اور اپنے نفس کا خصوصاً محاسبہ کرتے رہنا ہے۔ اور ہر حال میں ایسے امور سے بچتے رہنا ہے جو عنداللہ یا عندالناس قابل مواخذہ ہوں۔

ہمارے جامعہ کے صدر مدرس کا واقعہ

ہمارے جامعہ میں ابتدائی دور میں ایک مولانا تھے جو کچھ دنوں صدر مدرس

بھی رہے وہ پرائمری کے استاذ تھے وہ بھی صرف اردو، دینیات پڑھا سکتے تھے اس سے زیادہ نہیں۔ ایک مرتبہ میں نے اپنے کمرہ کے جنگلہ سے دیکھا ایک آٹھ سالہ بچے کی سبق کے دوران کسی غلطی پر انہوں نے پٹائی شروع کی وہ بھی ہاتھ سے نہیں ڈنڈے سے اور پوری قوت سے اٹھارہ ڈنڈا میں نے خود شمار کیا اس کے بعد میرے برداشت سے باہر ہوگیا تب کمرہ سے نکل کر ان کو بلایا اور پھر اچھی طرح ان کی خبر لی۔

اب آپ خود بتلائیں کہ اس کو آپ کیا کہیں گے؟ یہ تادیب ہے یا تعذیب ہے، أعاذنا اللہ منہ۔

اسی جامعہ کے بعض اساتذہ نے بعض بچوں کو اتنا مارا کہ بدن سے خون نکلنے لگا تب مجبوراً انتظامیہ نے یہ قانون بنایا کہ دو (۲) چھڑی سے زیادہ نہیں مار سکتے وہ بھی صرف ہاتھ پر۔

بصورت حکم عدولی وخلاف ورزی تنخواہ وضع ہوجائے گی تب قدرے کنٹرول ہوا تب بھی اساتذہ آستینوں میں چھڑی چھپا کر درسگاہ لے جاتے تاکہ میری نظر نہ پڑے۔

طلباء معاد بھی ہیں معاش بھی

ملفوظ حضرت مولانا ابرارالحق صاحبؒ

اساتذہ جامعہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحبؒ فرمایا کرتے تھے طلباء ہمارے معاد بھی ہیں اور معاش بھی۔

لہذا ہم ان پر اس نیت سے محنت کریں کہ اس سے ہماری آخرت بنے گی اور یہ علماء ہمارے لئے صدقۂ جاریہ اور ذریعۂ نجات اخروی ہیں۔ اور چونکہ ان طلباء ہی کے نام پر ہمیں چندے ملتے ہیں جس سے ہماری تنخواہیں پوری ہوتی ہیں اگر طلباء نہ ہوں تو کون چندہ دے گا۔ لہذا یہ ہمارے لئے معاش بھی ہیں۔

اور کوئی بھی دانا شخص اپنے معاش و معیشت کو خراب نہیں کرتا ہے بلکہ اس پر اپنی خفیہ صلاحیتوں کو خرچ کر کے اس کو ترقی دیتا ہے آگے بڑھاتا ہے تو یہ بڑی نادانی کی بات ہے کہ ہم اپنی معیشت کو خراب کریں، برباد کریں، ویران کریں۔

اداروں میں طلباء میں فساد برپا کرنا، چلتے ہوئے نظام کو معطل کرنا یہ اپنے معاش کو فاسد کرنا ہے اس لئے بہت شعور کے ساتھ اداروں میں رہنا چاہئے۔

اساتذہ کے مقابلہ میں طلباء کی اصلاح بہت آسان ہے

ایک مرتبہ فرمایا:

کہ اساتذہ اپنے کو قابل اصلاح سمجھتے ہی نہیں اس لئے ان کے مقابلہ میں طلباء کی اصلاح بہت آسان ہے۔

طلباء نرم لکڑی کی طرح ہوتے ہیں اگر ان کو کوئی بات کہی جائے تو قبول کرتے ہیں ان میں بھی بگاڑ کا سبب اکثر اساتذہ ہوتے ہیں اسباق میں، اپنی مجلسوں میں، اپنی خلوتوں میں دوسرے اساتذہ، انتظامیہ کے خلاف ورغلاتے ہیں، اکساتے

ہیں، طلباء میں چونکہ سمع وطاعت کا مزاج ہوتا ہے ذہن کچا ہوتا ہے بات سن کر دماغ میں بیٹھا لیتے ہیں اور دوسروں کی ذہن سازی میں لگ جاتے ہیں۔

اس طرح ان میں فساد شروع ہوجاتا ہے اگر اساتذہ طلباء کو صحیح سمت لے کر چلیں تو کوئی ناخوشگوار حادثہ مدارس میں نہ پیدا ہو اس طرح طلباء کے بگاڑ کے اصل ذمہ دار اساتذہ ہوتے ہیں اور ہیں۔

طلباء کو پُرعزم اور بلند ہمت ہونا چاہئے

طلباء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ طلباء کو پُرعزم اور اونچی ہمت، بلند پرواز ہونا چاہئے۔

آج کل عموماً طلباء پست ہمت، بے عزم ہوتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کو جو مقام علمی و عملی میدان میں پیدا کرنا چاہئے نہیں کر پاتے ؎

ہمت بلند دار کہ نزد خدا و خلق
باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو

ایک محدث کا واقعہ

ایک محدث تھے انہوں نے اپنے لڑکے سے پوچھا بیٹا کیا بننا چاہتے ہو، بیٹے نے کہا کہ آپ جیسا محدث بننا چاہتا ہوں باپ نے کھینچ کر ایک طمانچہ رسید کیا اور فرمایا اتنی پست ہمتی ارے احمق ہمت بلند رکھو اور یہ کہو کہ حافظ ابن حجر جیسا محدث بننا چاہتا

ہوں۔ علامہ عینی، کرمانی، قسطلانی جیسا محدث بننا چاہتا ہوں اور اسی اعتبار سے محنت کروتب جا کر کہیں مجھ جیسا محدث بن پاؤگے اور اگر ابھی سے یہ نیت کرلی کہ مجھ جیسا محدث بننا ہے تب تو کچھ نہیں بن پاؤ گے۔

اس لئے طلباء کو طالب علمی کے زمانہ میں بلند ہمت اور پُرعزم ہونا چاہئے اور اپنا نشانہ اسی اعتبار سے اونچا رکھنا چاہئے۔ تب جا کر کسی کام کے بنوگے۔

آج کل تو عموماً طلباء کی کوئی منزل ہی نہیں ہوتی اس منزل کو پانے اور وہاں تک پہنچنے کی بات تو بعد کی ہے جس کا نتیجہ ہم سب کے سامنے ہے۔

کہ بکریوں کے ریوڑ کی طرح ان کو ہر وقت ہنکانا پڑتا ہے اور مستقل چرواہی کرنی پڑتی ہے اور ہر وقت ڈنڈا لے کر ان کے سر پر کھڑا رہنا پڑتا ہے۔

یہ بہت بڑا المیہ ہے طلبہ کو اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

طلباء کو سادہ مزاج اور کفایت شعار ہونا چاہئے

ایک مرتبہ فرمایا:

طلباء کو سادہ مزاج اور کفایت شعار ہونا چاہئے، سادگی امام الانبیاء ﷺ کی سنت ہے ہمارے اسلاف واکابرین کا طرۂ امتیاز ہے ؎

مشک: آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

اگر آپ کا دامن علم وعمل، اخلاص وروحانیت سے بھرا ہوگا تو آپ کو تعارف کرانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

دنیا خود آپ کو پہچان لے گی اور آپ سے فیض اٹھائے گی اس کے علاوہ بہت سے فتنوں سے آپ محفوظ رہیں گے ورنہ آپ فتنوں میں اس طرح محصور ہو جائیں گے کہ ان سے نکلنا آپ کے لئے مشکل ہو جائے گا۔

اسی طرح طالب علمی کے زمانہ میں کفایت شعار بھی رہنا چاہئے وسعت کے باوجود کفایت شعار رہنے میں عافیت ہے اگر آپ ایک ہزار روپیہ ماہانہ خرچ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تب بھی پانچ سو ہی خرچ کریں یہ صفت آپ کے لئے آج کے ساتھ کل بھی راحت بخش ہوگی۔

نیز خواہ مخواہ کے نانی دوستوں سے آپ کی جان بچی رہے گی ورنہ بہت سارے دوست آپ کے بن جائیں گے جو آپ کو اپنے مقصد سے ہٹا کر غلط راہ پر ڈال دیں گے جس سے آپ کا علمی وعملی نقصان ہوگا۔

اس لئے ہر طالب علم کو بہت شعور کے ساتھ طالب علمی کی زندگی گزارنی چاہئے اور ہر اعتبار سے محتاط رہنا چاہئے تاکہ کسی طرف سے نفس وشیطان کو آنے کا موقع نہ ملے۔

طلباء کو فنی لیاقت پیدا کرنے کی فکر کرنی چاہئے

آج کل چونکہ عموماً اساتذہ بھی صرف کتابی تعلیم دینے پر اکتفا کرنے لگے ہیں اس لئے طلباء بھی فنی صلاحیتوں سے کورے رہنے لگے ہیں طلباء کو کتاب سے زیادہ

فن پر دھیان دینا چاہئے اور فنی اعتبار سے اپنے کو مضبوط بنانے کی فکر کرنی چاہئے۔

طلب الکل فوت الکل

کا مصداق نہیں بننا چاہئے جس فن سے بھی زیادہ مناسبت ہو اس کو ترجیحی طور پر مطالعہ میں رکھنا چاہئے اور اس کو مالہ وما علیہ کے ساتھ حاصل کرنے کی فکر کرنی چاہئے۔

حضرت مولانا صدیق احمد صاحب کشمیریؒ

حضرت مولانا صدیق احمد صاحب کشمیریؒ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپوری کے فنی اور مقبول اساتذہ میں سے تھے طلباء دار العلوم دیو بند چھوڑ کر مظاہر علوم سہارنپور حضرت مولانا صدیق صاحبؒ سے شرح جامی، سلم العلوم جیسی کتابیں پڑھنے جاتے تھے اور دورہ دیو بند واپس آکر کرتے وہ نحو کے امام مانے جاتے تھے اور شرح جامی جیسی اہم کتاب جو تشتت ضمائر میں مشہور ہے اس کو اس طرح حل فرما دیتے جیسے اس میں اغلاق ہی نہیں ہے۔

آج کل طلباء کے اندر سے یہ مزاج بھی ختم ہوتا جا رہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مدارس سے فنی تعلیم کا مسئلہ مفقود ہوتا جا رہا ہے جو ایک زبردست سانحہ ہے، اہل مدارس کے لئے یہ لمحۂ فکریہ ہے۔

اساتذہ وطلباء مدارس کو اپنا مقام ملحوظ رکھنا چاہیئے

طلباء جو مدارس میں داخل ہوتے ہیں ان کو یہ ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ وہ ان مدارس میں ماسٹر، ڈاکٹر، پروفیسر بننے نہیں آئے ہیں بلکہ نائب رسول بننے آئے ہیں، لہذا ان کو جس ذات اقدس کی نیابت کرنی ہے اس کے اخلاق، صفات، رفتار، گفتار، اعمال، احوال کو اپنانا ہوگا بغیر اپنائے وہ نائب رسول نہیں بن سکتے۔

آج کل عموماً طلباء مدارس نہ تو اپنا مقام سمجھتے ہیں نہ ہی اپنا کام سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے انکا سفر صحیح سمت کے بجائے غلط سمت پر پڑ جاتا ہے جس کا نقصان ان کی سمجھ میں اس وقت آتا ہے جب تلافی کا وقت نہیں رہتا۔

اسی طرح اساتذہ کو بھی اپنا مقام سمجھنا چاہیئے اور اس کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ان کے ذہنوں میں ہمیشہ رہنا چاہیئے، ''**العلماء ورثة الأنبياء**''۔علماء انبیاء کے وارث ہیں لہذا ان کو کار نبوت کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور نہج نبوت پر اس کو انجام دینے کی فکر کرنی چاہیئے۔

آج کل اساتذۂ مدارس اپنے کو مدرس سے زیادہ انتظامیہ کا مصلح سمجھ بیٹھتے ہیں اور انتظامیہ پر نکتہ چینی اپنا فرض منصبی سمجھ کر دل کھول کر اساتذہ وطلباء میں تنقید شروع کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے ساتھ طلباء کے مستقبل کو بھی خراب کر دیتے ہیں اور ایسوں کے چکر میں پڑ کر کتنے طلباء اپنا قیمتی وقت ضائع وبرباد کر بیٹھتے ہیں۔

انتظامیہ تناور درخت کی طرح ہیں اور طلباء واساتذہ ٹہنی اور پتی ہیں

طلباء کو خطاب فرماتے ہوئے:

فرمایا: غور سے سنو اور سمجھو کسی بھی ادارہ کا بانی اور منتظم کار تناور درخت کی طرح ہوتا ہے۔

اور اساتذہ اس کی ٹہنی کی طرح اور طلباء پتی کی طرح ہوتے ہیں اگر درخت تناور ہے اور اس کی جڑیں مضبوط ہیں تو ٹہنیوں اور پتیوں کی فکر نہیں ٹہنیاں ٹوٹتی اور نکلتی رہتی ہیں پتیاں جھڑتی اور نکلتی رہتی ہیں۔

لہٰذا جو طلباء اساتذہ اپنی زندگی میں حیات علمی کو رواں دواں دیکھنا چاہتے ہیں ان کو تناور درخت سے مربوط رہنا پڑے گا۔

جس طرح ٹہنی کے ٹوٹنے سے تناور درخت نہیں سوکھتا بلکہ ٹہنی سوکھتی ہے جو نتیجۃً جلانے کے کام آتی ہے اسی طرح پتیوں کے گرنے سے درخت نہیں سوکھتا پتیاں سوکھتی ہیں اور آخر کار اس کو جلا دیا جاتا ہے۔

اسی طرح کسی بھی ادارہ میں طلباء واساتذہ آتے جاتے رہتے ہیں ایک جاتا ہے تو دوسرا آتا ہے۔

لہٰذا طلباء کو مدارس کا انتخاب کرنے سے قبل وہاں کے ذمہ داروں کو دیکھنا اور سمجھنا چاہئے اور اس کے بعد اپنے اندر جماؤ پیدا کرنا چاہئے۔

ساتھیوں کے یا اساتذہ کے بہکاوے میں نہیں آنا چاہئے۔

طلباء کے جماؤ کی مثال

طلباء کو خطاب کرتے ہوئے

فرمایا کہ طلباء کے اندر آج کل یہ بہت بڑی کمی ہے کہ وہ اپنے اندر استقامت اور جماؤ نہیں پیدا کرتے جس کی وجہ سے اکثر ان کی تعلیم ناقص وادھوری رہ جاتی ہے یا دو سال کی جگہ چار سال کا وقت لگ جاتا ہے اور عمر کا قیمتی سرمایہ ضائع ہو جاتا ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھو جیسے کوئی درخت یا پودا تم نے کہیں لگایا اگر تم نے چار چھ سال ایک جگہ چھوڑ دیا اور اس کی دیکھ ریکھ کرتے رہے تو وہی پودا تناور درخت بن جاتا ہے اور اگر ہر سال یا چھ مہینہ میں اس کی جگہ تبدیل کرتے رہے تو نتیجۃً وہ پودا سوکھ جاتا ہے۔

ناشکری کا ثمرہ

طلباء واساتذہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ

حضور پاک ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں ایک بار سورج گہن ہوا تو آپ نے نماز پڑھائی جس کی تفصیلات کتب حدیث میں ہیں سرکار دو عالم ﷺ پر اس نماز میں ایک خاص کیفیت صحابہ نے دیکھی نماز سے فراغت کے بعد صحابہ نے آپ سے پوچھایا

رسول اللہ ﷺ ہم نے دیکھا کہ آپ نے ہاتھ بڑھایا جیسے آپ کوئی چیز لے رہے ہوں پھر دیکھا آپ کچھ پیچھے ہٹے کیا بات تھی؟

آپ نے فرمایا میں نے جنت وجہنم کو دیکھا جب میں نے جنت اور اس کے باغات کو دیکھا تو میں آگے بڑھا اور اس کی طرف لپکا اور چاہا کہ انگور کا ایک خوشہ لے لوں اور اگر میں لے لیتا تو قیامت تک تم اس کو کھاتے رہتے لیکن وہ خوشہ ختم نہ ہوتا اس لئے کہ وہ پھل دار باقی کا ہوتا جس پر فنائیت طاری نہیں ہوتی۔

اور پیچھے اس لئے ہٹا کہ اس کے بعد میں نے جہنم کو دیکھا مجھے اندیشہ ہوا کہ جہنم کی لپٹ اور اس کی حرارت کہیں مجھ کو نہ پہنچ جائے اور آج جیسا جہنم کا خوفناک منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا۔

اور اس کے بعد فرمایا کہ جہنمیوں میں زیادہ تعداد میں نے عورتوں کی دیکھی صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ آخر ایسا کیوں؟ آپ نے فرمایا ان کی ناشکری کی وجہ سے، صحابہ نے کہا کیا وہ اللہ کی ناشکری کرتی ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں:

”یکفرن العشیر أی الزوج العاشر ویکفرن الإحسان“

(مرقاۃ ۲/۲۷۳)۔

وہ اپنے شوہروں کی ناشکری کرتی ہیں یعنی اپنے شوہروں کے احسانات کی ناشکری کرتی ہیں اگر ان میں سے کسی پر تم ایک لمبے زمانہ تک احسان کرو اس کے باوجود اگر ان کی طبیعت کے خلاف کوئی معمولی بات بھی پیش آ گئی تو بہت دھڑلے کے ساتھ سارے احسانات کو فراموش کر بیٹھتی ہیں اور کہنے لگتی ہیں آج تک تم سے کوئی خیر

اور بھلائی اور کوئی اچھائی کبھی نہیں دیکھی بقول حضرت تھانوی کے کہنے لگتی ہیں کیا دیکھا تیرے گھر، سوائے چند لیتڑے، چند ٹھیکڑے، چند چیتھڑے کے تیرے گھر ہے ہی کیا۔

وہ شوہر جو زندگی بھر اس کو وہ کھلاتا رہا جو اس نے خود کھایا وہ پہناتا رہا جو اس نے پہنا، وہاں رکھا جہاں خود رہا اور اس کی ہر ضرورت بلکہ ہر خواہش کو پوری کرتا رہا لیکن کبھی اگر دانستہ یا نادانستہ کوئی بات ناگوار طبع پیش آ گئی تو سکنڈوں میں سارے احسانات پر پانی پھیر دیا۔

ان کی یہ ناشکری اور ان کی یہ خصلت ان کو جہنم رسید کر دیتی ہے۔

اسی طرح مدارس کے طلباء کا حال ہے کہ ایک شخص اپنی زندگی قربان کر کے ان کے لئے کھانے کا انتظام کرتا ہے، رہنے کے لئے دار الاقامہ کا نظم کرتا ہے، بچھانے کے لئے چٹائی کا نظم کرتا ہے، پڑھنے کے لئے درسگاہ اور اساتذہ کا انتظام کرتا ہے، کتابوں کے لئے کتب خانہ بناتا ہے، روشنی کے لئے جنریٹر کا نظم کرتا ہے، نماز کے لئے مسجد بنواتا ہے، قضاء حاجت کے لئے بیت الخلاء تعمیر کرواتا ہے، نہانے دھونے کے لئے پانی کی ٹنکی بنواتا ہے، وضو کے لئے حوض اور وضو خانہ بنواتا ہے، اس کے بعد ان کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے، دوا علاج کرواتا ہے، وظیفے دیتا ہے، کپڑے اور لحاف تقسیم کرواتا ہے، ایسا شخص یقیناً ان طلباء و اساتذہ کا محسن ہے جو ان کی ہر ضرورت کی کفالت کرتا ہے اور ان کو بے غم بنا کر ان کی ضرورت اپنے ذمہ لے کر ان کو تعلیم و تدریس کے لئے فارغ کر دیتا ہے۔

اس کے باوجود اگر کبھی لکڑی گیلی ہونے کی وجہ سے چاول گیلا یا کچا رہ گیا، یا کبھی دال کم ہونے کی وجہ سے اس میں پانی ملا دیا گیا تو ناشکری شروع کر دیتے ہیں اور اپنے محسن کا سارا احسان بھلا کر گروہ بندی، زبان درازی، گٹ بندی شروع کر دیتے ہیں اور علم بغاوت بلند کرنے لگتے ہیں، یقیناً مذکورہ بالا حدیث کے مستفاد کے تحت ان کی ناشکری بھی اسی زمرہ میں داخل ہے جو ان کے لئے دخول جہنم کی راہ ہموار کرنے والی ہے اور جہنم رسید کرنے والی ہے۔

محبت کے لئے اتباع ضروری ہے

ارشاد باری تعالی ہے:"قل إن كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله" اس میں اللہ پاک نے جو معیار محبت ہے بتلایا وہ اتباع ہے اس کی حیثیت ایک ضابطہ کی بھی ہے کہ محبت کے لئے اتباع ضروری ہے اور اتباع کا ثمرہ محبت ہے۔

لہٰذا عام زندگی میں بھی جب کسی کی اتباع زندگی میں آئے گی تو اس کے دل میں تابع کی محبت کا آنا یقینی ہے۔ اسی طرح جب کسی سے محبت ہوگی تو اس کی اتباع ایک لازمی چیز ہوگی۔

آج کل بغیر اتباع کے لوگ محبوبیت پیدا کرنا چاہتے ہیں تو وہ کہاں اور کیسے ہوگی۔

آج کل اساتذہ انتظامیہ کے منظور نظر بننا چاہتے ہیں لیکن انتظامیہ/ناظم/مہتمم کے اوامر کا امتثال ان میں نہیں ہوتا ان کے احکامات کی اتباع نہیں پھر محبوبیت

کہاں پیدا ہوگی۔

مدارس کے نظماء کی حیثیت امیر کی ہوتی ہے

طلباء واساتذہ کو خطاب کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا:

مدارس کے ناظم رمہتمم کی حیثیت امیر کی ہوتی ہے لہذا ماموریں جن میں طلباء واساتذہ، ملازمین سب داخل ہیں ان میں امیر کے تئیں سمع وطاعت کا جذبہ ہونا چاہئے اوران کی ہدایات کی پابندی ہونی چاہئے۔

عموماً مدارس میں انتشار اس وجہ سے ہوتا ہے کہ بعض اساتذہ اپنے کو امیر کی اطاعت سے خارج کرلیتے ہیں اور کچھ نادان طلباء کو اپنے ساتھ کرلیتے ہیں جس کا نقصان طلباء واساتذہ کو اٹھانا پڑتا ہے، حالانکہ امیر و مامور کے فرائض سے وہ واقف ہوتے ہیں پھر بھی نادانی کرکے مدارس کے نظام کو کچھ دنوں کے لئے درہم برہم کردیتے ہیں، ایسے لوگوں کو اپنا احتساب کرنا چاہئے، اوراس طرح کی نادانیوں سے اپنے کو دور رکھنا چاہئے۔

پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا واقعہ

طلباء واساتذہ کو خطاب کرتے ہوئے:

ایک بار پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا واقعہ سنایا کہ ایک بڑھیا نے

اپنے بچہ کوتعلیم وتربیت کے لئے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی خانقاہ میں داخل کردیا۔

کچھ دنوں کے بعد بڑھیا کا گذر اسی راستہ سے ہوا تو اس نے سوچا کہ لاؤ ملاقات کرلوں، چنانچہ تلاش کرتے ہوئے جب وہ خانقاہ میں پہنچی تو دیکھا ایک کونے میں بیٹھا دال روٹی کھا رہا ہے یہ دیکھ کر بڑھیا کو بہت غصہ آیا اور اس نے غصہ میں حضرت کے حجرہ کا رخ کیا تو دیکھا دسترخوان لگا ہوا ہے اور حضرت مرغ پلاؤ نوش فرمارہے ہیں یہ دیکھ کر بڑھیا کو اور غصہ آیا اور کہنے لگی خود تو مرغ پلاؤ کھا رہے ہو اور میرے بیٹے کو دال روٹی کھلاتے ہو سوکھ کر کانٹا ہوگیا ہے۔حضرت نے جواب دیا بڑی بی ابھی تمہارے بیٹے کا منھ مرغ پلاؤ کھانے کے لائق نہیں ہوا ہے، یہ سنتے ہی بڑی بی چراغ پا ہوگئی اور کہنے لگی ، ہاں، ہاں تمہارا منھ مرغ پلاؤ کھانے کے لائق ہے میرے بیٹے کا منھ اس کے لائق نہیں ہے۔

بس حضرت کو جلال آیا اور کھائی ہوئی ہڈیوں کی طرف اشارہ کرکے کہا قم باذن اللہ بس یہ کہنا تھا اور دسترخوان پر مرغ کی جو ہڈیاں تھیں آپس میں جڑیں اس پر کھال چڑھی اور زندہ مرغ تیار ہوکر بولنے لگا۔ یہ منظر دیکھ کر بڑھیا خاموشی سے چلتی بنی۔

میرے عزیزو! مدارس کی دال روٹی کھا کر ہی کچھ بنو گے ابھی سے اگر مرغ پلاؤ کا انتظام تمہارے لئے ہونے لگے تو تم کچھ نہیں بن پاؤ گے انھی طلباء نے کچھ پایا اور کچھ بنے جنہوں نے طالب علمی کی زندگی میں مجاہدہ کیا اور جو تعیش میں پڑے رہے وہ کچھ نہیں بن سکے آج بھی اس کی سیکڑوں مثالیں ہیں۔

اس لئے وسعت کے باوجود مجاہدہ کا عادی اپنے کو بناؤ جتنا موٹا جھوٹا کھاؤ گے اچھا علم آئے گا، نفس مرے گا تقوی زندگی میں آئے گا۔

ہمیں اپنے ظاہر کا بھی خیال رکھنا چاہئے

طلباء واساتذہ کو خطاب کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا کہ طلباء واساتذہ کو اپنے باطن کے ساتھ اپنے ظاہر کا بھی خیال ودھیان رکھنا چاہئے۔

ہماری زندگیاں اگر سنت نما نہیں ہوں گی تو پھر کس کی ہوں گی، اپنے باطن کے ساتھ ظاہر کا بھی خیال رکھنا چاہئے ہمارا لباس سنت کے مطابق ہو، بال سنت کے مطابق ہو، رفتار وگفتار سنت کے مطابق ہو۔ حضرت نبی پاک ﷺ کی دعاء ہے:

"اللھم اجعل سریرتی خیراً من علانیتی واجعل علانیتی صالحۃ"۔

اے اللہ ہمارے باطن کو ظاہر سے اچھا بنا اور ہمارے ظاہر کو صلحاء جیسا بنا۔

حضرت نبی پاک ﷺ کی اس دعاء سے صاف ظاہر ہے کہ ہمارا ظاہر صلحاء جیسا ہونا چاہئے، ہمارا ظاہر فساق وفجار جیسا نہیں ہونا چاہئے اور جب ہمارا ظاہر صلحاء جیسا ہوگا تو انشاءاللہ اس کا اثر باطن پر پڑے گا اسی وجہ سے فقہاء نے فرمایا ہے: **"الظاھر یؤثر علی الباطن"** (شرنبلالیہ)۔

جب ظاہر صلحاء جیسا ہوگا تو بہت سے گناہوں سے آپ محفوظ رہیں گے آپ کا لباس، آپ کا حلیہ، وضع قطع آپ کو برائی سے روکے گا۔

اسی طرح حضرات فقہاء فرماتے ہیں: "الظاھر عنوان الباطن" (طحطاوی علی المراقی ۱۶۴)۔

لہذا ظاہر کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

ہمارے مدارس جو احیاء سنت کے مراکز ہیں جب وہاں سے اماتت سنت کا کام ہوگا تو پھر سنتوں کا احیاء کہاں سے ہوگا؟

اس پر اہل مدارس کو توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

استاذ شاگرد کا ربط باہمی

ایک مرتبہ فرمایا:

کہ طلباء و اساتذہ کا باہمی ربط مخلصانہ و مشفقانہ ہونا چاہئے، جب تک ربط نہیں ہوگا افادہ و استفادہ کی راہ ہموار نہیں ہوگی۔ اسی طرح اس ربط کا غلط قسم کے تخیلات سے صاف ستھرا ہونا بھی ضروری ہے جب تک اس میں پاکیزگی نہیں آئے گی اس وقت تک نور علم کا فیضان نہیں ہوگا۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کا مقولہ

حضرت سہارنپوری فرمایا کرتے تھے کہ بھائی ہماری مثال نل جیسی ہے جتنا چلاؤ گے اتنا ہی پانی ملے گا اور اگر چاہتے ہو کہ پانی صاف ستھرا رہے تو پائپ پر دھیان رکھنا ہوگا اگر اس میں تم نے مٹی ڈال دیا تو یقیناً پانی گدلا آئے گا مخزن میں پانی صاف

ستھرا ہے لیکن مٹی ڈال کر گدلا تم نے کیا ہے۔

اسی طرح منبع ومخزن علم تو ذات باری ہے فیضان علم وہیں سے ہوتا ہے لیکن اساتذہ اس کے ذرائع ہیں جس طرح پانی تو مخزن سے آتا ہے لیکن نل پائپ اس کا ذریعہ ہے۔

اور جس طرح بغیر نل چلائے پانی نہیں آتا اسی طرح بغیر محنت کئے بغیر ملے علم نہیں آتا۔

یہ بات اگرچہ حضرت سہارنپوری نے روحانی فیضان سے متعلق کہی ہے لیکن اس کا اطلاق فیضان علمی پر بھی ہوتا ہے۔

اللہ کرے آج کل کے طلباء کی سمجھ میں پرانی باتیں آجائیں اب تو ان باتوں کے سمجھنے والے بھی نہیں رہے۔

الغرض:

طلباء اساتذہ سے جتنا مربوط ہوں گے اتنا ہی اکتساب علم ان کے لئے آسان ہوگا اسی وجہ سے حضرات فقہاء نے لکھا ہے: "**التلميذ يذهب إلى مجلس أستاذه**" (طحطاوی علی المراقی ۱۵۶)۔

طلباء کو چار چیزوں کا دھیان رکھنا چاہیے

طلباء واساتذہ سے خطاب کرتے ہوئے ایک بار فرمایا کہ یہ بات اگرچہ اصالۃً

روحانی فیضان سے متعلق ہے لیکن علمی سلسلہ سے مربوط افراد کو بھی اس پر دھیان رکھنا چاہئے، کہ ان کا علمی اکتساب اس وقت کامل ہوسکتا ہے جب ان میں چار صفات ہوں:

(۱) اعتقاد، (۲) اعتماد، (۳) اطلاع، (۴) اتباع۔

۱۔اعتقاد: بنیادی چیز عقیدت ہے اور عقیدت کہتے ہیں "**ربط القلب بشئی سواء کان مطابقاً للواقع أم لا**" دل کا کسی سے جڑ جانا، تو جب تک طلباء کا اساتذہ سے قلبی لگاؤ اور جوڑ نہیں ہوگا اس وقت تک علمی فیضان کامل نہیں ہوگا اسی لئے طلباء سے کہا کرتا ہوں کہ کسی بھی مدرسہ میں جانے سے پہلے اس مدرسہ کے اصول وضوابط کو خوب پرکھو اور کسی کو بھی استاذ بنانے سے پہلے خوب ٹھوک بجالو اس لئے کہ حدیث پاک میں ہے: "**العلم دین فلینظر عمن تأخذون دینکم**" (ترمذی شریف) علم دین ہے لہذا خوب غور وفکر کرلو کہ یہ دین کس سے حاصل کررہے ہو، جس سے حاصل کررہے ہو وہ خود بھی دیندار ہے یا نہیں؟ کہیں صرف دنیادار تو نہیں؟

لیکن جب سوچ سمجھ کر کسی ادارہ کا انتخاب کرلو تو پھر کھونٹا بن جاؤ تب جاکر کچھ پاسکو گے نیز استاذ سے قلبی لگاؤ رکھو اور اس کو اپنے سے فائق اور بلند تر سمجھو خواہ وہ فی الواقع ایسا ہو یا نہ ہو اس لئے کہ تمہاری عقیدت کا ایک جزیہ بھی ہے، اور عقیدت اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتی اور استفادہ کی راہ میں پہلی شرط عقیدت ہے۔

۲۔اعتماد: دوسری شرط اعتماد ہے استاذ کی بتلائی ہوئی باتوں پر جب تک اعتماد بھروسہ نہیں کروگے اس کی ہدایات سے فائدہ نہیں اٹھاسکو گے اور اگر اعتماد اٹھ گیا تو علمی فیضان کی بنیاد متزلزل ہوجائے گی۔

۳۔اتباع: تابعداری اور متابعت بھی اہم چیز ہے اس کی بتلائی ہدایات اس کے کھینچے ہوئے نقوش اس کی رہنمائیوں کی اتباع بھی کمال فیضان علمی کے لئے اہم شرط ہے۔

۴۔اطلاع: علمی سفر کے پیش آمدہ مسائل و دشواریوں سے اپنے معلم و محسن کو باخبر کرتے رہنا اور اس کے بتلائے ہوئے حل کو اپنا کر قبول کر کے علمی سفر کو رواں دواں رکھنے میں ہی کامیابی و عافیت ہے اور وصول الی المنز ل کی ضمانت ہے وہ لوگ گم گشتہ راہ ہو کر منزل سے دور نکل جاتے ہیں جو اپنے علمی سفر کی قیادت کسی کے حوالہ نہیں کرتے۔

بہر حال ان رہبر اصولوں کی پابندی کے بغیر وصول ممکن نہیں۔

استفادہ کے لئے ہیں چار شرطیں اے حبیب
اعتقاد واعتماد واتباع واطلاع

بار بار مدرس اور مدرسہ کی تبدیلی بھی اس راہ میں مضر ہے

آج کل طلباء میں یہ بھی بیماری عام ہوتی جا رہی ہے کہ وہ ہر سال مدرسہ بدلتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی تعلیم پر بہت برا اثر پڑتا ہے دوسرے ایسے طلباء اساتذہ کی نگاہ سے بھی گر جاتے ہیں پھر ان کو از سرنو کھڑا ہونے میں وقت لگتا ہے لیکن چونکہ ان کا بچپن ہوتا ہے اس لئے وہ اپنے نفع و نقصان کو زیادہ سمجھ نہیں پاتے کبھی دوسرے نادان ساتھیوں کے بہکاوے میں ایسا کر بیٹھتے ہیں کبھی خود اپنی نادانی

کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔

ہاں اگر کوئی شرعی مجبوری ہوتو امر آخر ہے لیکن بلا شدید عذر کے طلباء کو اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔

اوران کو یک در گیر محکم گیر کا مصداق بننا چاہئے۔

شریعت، طریقت، حقیقت

فرمایا: حضوراکرم ﷺ کے اقوال، افعال، احوال، تقریرات کوحدیث کہتے ہیں۔

لیکن آپ کے اقوال وارشادات کو شریعت کہتے ہیں اور افعال جو کچھ آپ نے کیا اس کو طریقت کہتے ہیں، اور آپ کے احوال کو حقیقت کہتے ہیں۔

پھر فرمایا:

عزیز طلباء آپ مدارس میں نیابت رسول حاصل کرنے آتے ہیں تو آپ حضرات کو ان تینوں کا جامع بننے کی کوشش کرنی چاہئے۔

تاکہ نیابت کا پوراحق ادا کرسکیں اور پوری کامیابی کے ساتھ دنیا کی زندگی گزارسکیں اور آخرت میں حضوراکرم ﷺ کی محبت کے حقدار بن سکیں۔

جمعہ کے خطبہ میں کالی پگڑی اور عصا کا ثبوت

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ جمعہ کے دن امام وخطیب کے لئے کالی پگڑی

باندھنا اور ہاتھ میں عصا لے کر خطبہ دینا سنت ہے، ابن ماجہ شریف کی حدیث ہے: ''إن رسول الله ﷺ يخطب على المنبر وعليه عمامة سوداء، وإذا خطب في الجمعة خطب على عصا''۔

آگے فرمایا کہ آقا کی سنتوں کا اہتمام ہر مؤمن کو کرنا چاہئے جتنا سنتوں سے پیار اور تعلق ہوگا اتنا ہی آقا کا قرب حاصل ہوگا آپ کا ارشاد ہے: ''من أحب سنتي فقد أحبني''۔

اور اس سے بڑی بات کیا ہوسکتی ہے کہ آقا نے فرمایا: ''ومن أحبني كان معي في الجنة'' ۔

آقا سے پیار و تعلق مؤمن کو جنت تک پہنچانے کا ذریعہ ہے خود آقا نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔

پوسٹ مارٹم کا عدم جواز

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا اس زمانہ میں پوسٹ مارٹم کا جو قانون ہے وہ غیر شرعی ہے اس لئے کہ آقا کا ارشاد ہے: ''كسر عظم الميت ككسر عظم الحي في الإثم'' (ابن ماجہ، بدائع ۱/۳۰۰)۔

مردہ کی ہڈی کو توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ کی ہڈی کو توڑنا گناہ کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں۔

جب مردہ کا پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے اور اس کو کاٹا جاتا ہے تو اس کی تکلیف مردہ محسوس کرتا ہے لیکن زبان سے وہ کہہ نہیں سکتا بول نہیں سکتا۔

جس طرح زندہ انسان واجب الاحترام ہے اسی طرح مردہ انسان بھی واجب الاحترام ہے، لہٰذا ہر وہ عمل جو مردہ انسان کے احترام کے منافی ہو شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی ہے۔

مسجد میں پنکھا لگانے کا جواز

ایک صاحب نے سوال کیا حضرت مسجدوں میں جو پنکھا لگایا جاتا ہے اس کا کہاں سے ثبوت ہے؟

اس کے جواب میں فرمایا کہ حضرات صحابہ میں جو حضرات باغات کے مالک تھے جب وہ پھلوں کے زمانہ میں اپنے باغات میں جاتے تو واپسی کے وقت بعض صحابہ اپنے باغ سے کھجور کے خوشے توڑ کر لے آتے اور اس کو مسجد نبوی کے دو ستونوں کے درمیان لٹکا دیتے جب فقراء مہاجرین اور ضرورت مند صحابہ کی اس پر نظر پڑتی تو وہ اس سے پورے طور پر منتفع ہوتے اور صحابہ کے اس عمل پر آقا نے کبھی نکیر نہیں فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ نمازیوں کی راحت کے لئے اس انداز کی چیزیں مسجد میں لٹکائی جاسکتی ہیں۔ پنکھا بھی آج کے دور میں انہی چیزوں میں سے ہے جس کو نمازیوں کی راحت کے لئے مسجد کی چھت میں لٹکایا جاسکتا ہے (ابن ماجہ)۔

خیر کی بات دوسروں کو بتلانے کی فضیلت

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا آدمی کو اگر بولنے کا شوق ہو تو خیر کی بات بولے ورنہ خاموش رہے چنانچہ آقا کا ارشاد ہے: ''فليقل خيرا أو ليسكت'' بہت بولنا کمال کی بات نہیں بلکہ یہ نادانی کی علامت ہے دانا وہ ہے جو سو بار سوچتا ہے اور ایک بار بولتا ہے اور وہ نادان ہے جو سو بار بولتا ہے اور ایک بار سوچتا ہے۔

بلکہ حضرت شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادیؒ فرمایا کرتے تھے جس کا سکوت نافع نہ ہو اس کا نطق کیا نافع ہوگا اس لئے فارسی کا مقولہ ہے کہ خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید لیکن وہ لوگ قابل مبارک باد ہیں جو لوگوں کو بھلی بات بتلاتے ہیں اور بھلائی کا حکم کرتے ہیں ایسے لوگوں پر اللہ پاک اور فرشتوں کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور آسمان وزمین والے حتی کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں ایسے لوگوں کے لئے دعاء مغفرت کرتی ہیں (ترمذی شریف ۲/۹۳)۔

علم کے باوجود مرشد کی ضرورت

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں حضرت نے فرمایا علم سے ایک روشنی حاصل ہوتی ہے لیکن صرف روشنی سے منزل تک رسائی ممکن نہیں مثلاً ایک شخص ہے وہ تاریک رات میں سفر کر رہا ہے اس کے پاس روشنی (ٹارچ) تو ہے لیکن رہبر نہیں اور

راستے مختلف ہیں اب روشنی کے باوجود منزل مقصود تک پہنچانے والے طریق سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے پریشان ہے کہ ان راستوں میں سے کس کو اختیار کروں۔ لیکن اگر اس کے ساتھ رہبر یعنی واقف اسرار طریق ہوگا تو طریقت اس کے لئے آسان ہو جائے گی اور اس کی رہنمائی میں بغیر بھٹکے اور بغیر وقت ضائع کئے منزل مقصود پر پہنچ جائے گا لہذا اگر کوئی عالم بھی منزل مقصود تک پہنچنا چاہتا ہے تو اس کو مرشد اور رہبر کی ضرورت ہوگی۔

اسی وجہ سے ہمارے بڑے بڑے اکابر یعنی حضرت گنگوہی حضرت نانوتوی حضرت تھانوی جیسے جبال علم حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے پاس پہنچے اور ان کے ذریعہ طریقت کے منازل کو طے کیا۔

جاہل عابد، اور عالم عابد اور صرف عالم میں فرق

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا: جاہل عابد اور عالم عابد اور صرف عالم میں فرق ہے۔ پھر حضرت نے اس کو مثال سے سمجھایا۔

فرمایا: جاہل عابد کی مثال ایسی ہے جیسے تاریکی میں سفر کرنے والا مسافر کہ اس کے پاس نہ روشنی ہے (علم) اور نہ ہی رہبر ہے اب اس کا اس تاریکی میں جو حال ہوگا وہ ظاہر ہے کہ ایسا شخص ہر قدم پر بھٹکے گا اگر کسی طرف سے بھی آواز آگئی کہ راستہ ادھر سے ہے تو وہ اسی کو رہبر سمجھ کر اس راہ پر چل پڑے گا، چنانچہ ایسوں کو شیطان خوب بہکاتا ہے۔

عالم: صرف عالم جو عابد نہیں ایسا ہے جیسے تاریکی میں چلنے والا ایسا مسافر جس کے پاس روشنی تو ہے مگر رہبر نہیں جس کی وجہ سے اس کی روشنی اسی کو نفع نہیں پہنچائے گی چہ جائیکہ دوسروں کے لئے یہ رہبر بنے۔

عالم عابد: جیسے تاریکی میں چلنے والا مسافر جس کے پاس روشنی بھی ہے اور رہبر بھی اور اس کی ہدایات پر وہ عمل بھی کرتا ہے یقیناً یہ منزل مقصود تک پہنچے گا۔

پھر کبھی چلنے والا تیز رو ہوتا ہے وہ جلدی پہونچ جاتا ہے اور کبھی چلنے والا بطی السیر (سست رفتار) ہوتا ہے وہ دیر میں پہونچتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے مسافر رہبر سے راستہ میں جنگ کر لیتا ہے جس کی وجہ سے رہبر درمیان طریق سے ہی واپس ہو جاتا ہے، اس وقت یہ مسافر بہت پریشان ہوتا ہے، نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن کا مصداق بن جاتا ہے اور اس کی حالت کبھی سنگین ہو جاتی ہے، اس لئے رہبر کو چھوڑنا نہیں چاہئے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مسافر کو زعم (گمان) ہو جاتا ہے کہ اصل روشنی تو میری ہی ہے اور یہ سفر میری ہی روشنی سے قطع (طے) ہو رہا ہے، یہ رہبر تو صرف کہیں کہیں ہوں، ہاں کر دیتا ہے۔ یہ خیال بھی غلط ہے مرشد کا کام صرف اتنا ہی ہے اور صرف اتنا بھی کرنے والا کوئی نہ ہو تو مسافر کا سفر مکمل نہ ہوگا۔

ماننا اصل ہے جاننا نہیں

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں حضرت نے فرمایا ماننا مقدم ہے

جاننے پر، اگر ماننا نہیں آیا تو صرف جان کر کیا فائدہ اور اگر ماننا آ گیا تو جتنا علم ہوتا جائے گا اس پر عمل کرتا جائے گا۔ ہم بچپن ہی سے اللہ کو ایک اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مانتے آئے ہیں، بیس پچیس سال کے بعد حدیث، تفسیر، عقائد پڑھا تب جانا ہے اما کو ابا کو مانا بچپن ہی سے اما کو اما اور ابا کو ابا کہتے رہے، دس سال کے ہوئے تب جانا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ ماننا ہی اصل ہے۔

ایک بار شیطان نے ایک جاننے والے (عالم) سے پوچھا تیرا ایمان مضبوط ہے یا اس جاہل کا جو کندھے پر پھاوڑا لئے جارہا ہے؟ عالم نے جواب دیا کہ میرا ایمان زیادہ مضبوط ہے۔ شیطان نے کہا کیسے؟ عالم نے کہا میں نے جان کر مانا ہے، میرے پاس وحدانیت پر اتنے دلائل ہیں۔ شیطان نے ایک ایک کر کے ساری دلیلوں کو توڑ دیا اس کے بعد جاہل کے پاس دونوں (شیطان اور عالم) آئے اور اس سے پوچھا خدا ایک ہے یا دو؟ اس نے کہا ایک ہے، شیطان نے کہا اللہ کے ایک ہونے کی تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ جاہل نے کہا یہ پھاوڑا اگر نہیں مانے گا تو ابھی تیرے سر پر ماروں گا تو خود ایک کے بجائے دو ہو جائے گا یا تو اللہ کو ایک مان لے ورنہ تجھے ابھی دو بنا دیتا ہوں۔ شیطان یہ سن کر اس جاہل کے پاس سے فوراً بھاگ گیا۔

مفتی کس کو کہتے ہیں

افتاء کے طلباء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا افتاء کی ذمہ داری بہت اہم ہے

جس طرح جج اسی کو بنایا جاتا ہے اور جج کہلانے کا مستحق وہی ہوتا ہے جو اس ملک کے قوانین سے پوری طرح واقف ہو اسی طرح مفتی منشا خداوندی کا ترجمان ہوتا ہے لہذا مفتی کے لئے ضروری ہے کہ قرآن وسنت پر اس کی گہری نظر ہو اور اسلامی شریعت سے پوری طرح آشنا ہو۔ اور یہ بہت نازک منصب ہے اس کے لئے جہاں فقہ وفتاوی کے ساتھ ممارست ضروری ہے وہیں اس میں تعمق بھی ضروری ہے اس کے ساتھ کسی ماہر مفتی کی صحبت اور شرف تلمذ بھی ضروری ہے۔ کوئی شخص علامہ علاء الدین کاسانی کی بدائع، ابن ہمام کی فتح القدیر، ابن نجیم کی البحر الرائق، جمال الدین زیلعی کی تبیین الحقائق کا حافظ کیوں نہ بن جائے لیکن اس کو فتوی دینے کا حق نہیں جب تک کسی ماہر مفتی کی صحبت میں رہ کر تلمذ نہ حاصل کرلے، چنانچہ علامہ شامی نے رسم المفتی میں صراحت کی ہے: "**لابدأن يتلمذ عند أستاذ ماهر**"۔

افتاء کی اہمیت

طلباء افتاء ہی کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اس زمانہ میں جہاں طلباء میں افتاء کا شوق بڑھتا جارہا ہے وہیں افتاء کے مراکز بکثرت قائم ہوتے جارہے ہیں اور ان کا کوئی معیار نہیں ہے صرف داخلہ لے کر سند دے دی جارہی ہے جس کی وجہ سے علمی بے راہ روی کا عموم ہورہا ہے، صرف نام کے مفتی بن جاتے ہیں ان کو مسائل کی کوئی واقفیت نہیں ہوتی اور بغیر علم کے مسائل بتلا کر ضلوا فاضلوا کے مصداق بن رہے ہیں،

یہ بہت افسوس ناک پہلو ہے اور علماء کے لئے لمحہ فکر یہ ہے۔

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **لا یرفع العلم ولا یختلس بل یقبض العلم بقبض العلماء** ۔ ایسا نہیں ہوگا کہ علم اٹھا لیا جائے گا یا اچک لیا جائے گا بلکہ علم اس طرح سے اٹھے گا کہ قرآن وحدیث کا صحیح علم رکھنے والے علماء اٹھتے چلے جائیں گے اور بعد والوں میں پہلو جیسی علمی گہرائی و گیرائی نہیں ہوگی اور نہ ان جیسی پختگی ہوگی، نتیجہ یہ ہوگا کہ سطحی علم رکھنے والے علماء صرف رہ جائیں گے وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے یہی زمانہ آ گیا ہے۔

حضرت گنگوہی کا واقعہ

طلباء افتاء ہی کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے جب کوے کی حلت کا فتوی دیا تو اس وقت بہت شور مچا پنجاب کے ایک بزرگ شاہ دولہ نام کے تھے ان سے کسی نے تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا میاں تم مولوی رشید احمد کی بات کرتے ہو اس کا قلم تو عرش الٰہی کو دیکھ کر چلتا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ میں نے مولوی رشید احمد کو آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں مسند افتاء پر فائز دیکھا ہے اولیاء مشرق میں سے ایک بزرگ کو اس مسئلہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے تنقید کرتے ہوئے کہہ دیا کہ لو جی آج کوا حلال ہوا ہے کل چیل بھی حلال ہو جائے گی،

اس کی وجہ سے باطنی دولت ان کی سلب ہوگئی۔ کسی دوسرے بزرگ نے بتلایا تم نے کسی اللہ والے کی شان میں گستاخی کی ہے اس پر ان کو احساس ہوا پھر سفر کر کے آئے، سہارنپور کی مسجد میں رات کو آرام کر رہے تھے، خواب میں حضرت گنگوہی کی زیارت ہوئی، پورا واقعہ بتلایا، حضرت نے معاف کر دیا، صبح اٹھے تو پوری نسبت واپس ہوگئی۔

کم طلباء والے مدارس کی افادیت

طلباء جامعہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا انسانوں کی دو قسمیں ہیں، قلیل العیال کثیر العیال، عموماً وہ لوگ جو کثیر العیال ہوتے ہیں وہ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کا اتنا خیال نہیں رکھ پاتے جتنا قلیل العیال لوگ رکھتے ہیں۔

اسی طرح جن مدارس میں طلباء کم ہوتے ہیں ان کی تعلیم و تربیت جتنی اچھی ہو جاتی ہے ان مدارس میں نہیں ہو پاتی جہاں طلباء کی کثرت ہوتی ہے۔

اس لئے طلباء کو ان اداروں کا ابتدائی تعلیم کے لئے انتخاب کرنا چاہئے جہاں طلباء کم ہوں تا کہ ان کی تعلیم و تربیت اچھی ہو سکے اور اساتذہ و منتظمین کے تربیتی پروگرام سے وہ اچھی طرح استفادہ کر سکیں۔

اور اساتذہ سے بھی استفادہ میں ان کو سہولت ہو بڑے مدارس میں عموماً اساتذہ سے خارج میں درسی استفادہ مشکل ہوتا ہے ان سے ملاقات مشکل ہوتی ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے اکابر کو ایک اہم مشورہ

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند جوام المدارس ہے وہاں کے ذمہ داران کو صرف کلیات پر توجہ دینی چاہئے کلیۃ الحدیث، کلیۃ التفسیر، کلیۃ الفقہ، کلیۃ الادب، کلیۃ اللغۃ، کلیۃ الدعوۃ وغیرہ اوران کلیات میں داخلہ لینا چاہئے، باقی ابتدائی اور متوسطات کی تعلیم دوسرے مدارس کے سپرد کر دینا چاہئے ہر صوبہ کے منتخب مدارس میں درجات کی حد بندی کے ساتھ تعلیم کو رائج کرنا چاہئے کہ فلاں فلاں مدارس میں عربی سوم تک فلاں فلاں مدارس میں عربی چہارم تک، فلاں فلاں مدارس میں عربی پنجم تک تعلیم ہوگی اور امتحان کے پرچے دارالعلوم بنا کر بھیجے اوراس کی نگرانی میں امتحان ہواور مقرر کردہ معیار کے مطابق جو طلباء پاس ہوں ان کا داخلہ دارالعلوم دیوبند منظور شدہ ادارہ کی تصدیق پر لے لیا کرے اس طرح دارالعلوم دیوبند کی مرکزیت بھی باقی رہے گی اوراس کی افادیت میں بھی اضافہ ہوگا اور طلباء کو دارالعلوم دیوبند سے استفادہ کا موقع ملے گا اللہ کرے اکابرین دارالعلوم دیوبند کی اس طرف توجہ ہو جائے۔

علامہ صدیق احمد کشمیریؒ کا تذکرہ

طلباء افتاء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہر فن کے کچھ اصول ہوتے ہیں اور وہی اصول اس فن کی اساس ہوتے ہیں اگر ان اصولوں کو سمجھ کر محفوظ کر لیا جائے تو

وہ فن آسان ہی نہیں بلکہ اس پر دسترس حاصل ہوجاتا ہے۔

ہمارے اکابر اس لئے ہر فن کے اصول بتاتے اور پڑھاتے تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ فن کے ماہرین پیدا ہوتے تھے۔

علامہ صدیق احمد کشمیریؒ جن کو میں نے بہت قریب سے دیکھا ہے، مظاہر علوم کے مطبخ میں رہا کرتے تھے ایک ٹوٹی ہوئی چارپائی اور ٹوٹی ہوئی چٹائی اور مٹی کا پیالہ کل اثاثہ تھا۔

بدن پر بغیر بٹن والا کھدر کی قمیص اور نیلی کھدر کی لنگی لباس تھا بے پناہ سادگی تھی لیکن علم کے پہاڑ تھے نحو کے امام تھے اس کا نتیجہ تھا کہ طلباء دارالعلوم دیوبند چھوڑ کر نحو پڑھنے ان کے پاس آتے تھے اور دورہ حدیث پڑھنے دارالعلوم آجاتے تھے لیکن ان کے پڑھانے کا انداز یہی تھا کہ وہ فن پڑھاتے تھے جس کا نتیجہ تھا کہ طلباء کا ان کی طرف رجوع عام تھا۔

ذکر سے متعلق اہم ہدایات

ایک مرتبہ متوسلین وسالکین سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ذکر وشغل جو خانقاہوں میں کرائے جاتے ہیں اس کا ثمرۂ اصلی اللہ پاک کا قرب اور اس کی رضا کا حصول ہے اللہ راضی ہوجائے اس سے بڑی کوئی دولت نہیں، واردات غیبیہ، حصول کشف وکرامت، ظہور خوارق یہ ثمرۂ اصلی نہیں جنہوں نے بھی اس کو مقصود سمجھا وہ

منزل سے دور رہ گئے اس لئے ہر حال میں مقصود پر نظر ہونی چاہئے۔

اسی طرح استقامت علی الذکر ایک مقام رفیع ہے اور حضوریٔ قلب وذوق وغیرہ حالات ہیں جو کہ محمود ہیں مقصود نہیں اور یہ ذہن میں رہنا چاہئے کہ مقام افضل ہوتا ہے حال سے، البتہ احضار قلب یعنی دل کا متوجہ رکھنا یہ ضروری ہے پھر خواہ اس پر حضور تام مرتب ہو یا نہ ہو۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ استقامت علی الذکر کے حصول کا طریقہ کثرت ذکر ہے اور بس یعنی ذاکر بلا ناغہ پابندی کے ساتھ ہمیشہ ذکر کرتا رہے۔

اور ہر ذاکر کو یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ ذکر کی کثرت تو مطلوب ہے ہی لیکن اس پر دوام اس سے زیادہ مطلوب ہے اور دوام چونکہ عادۃً صحت پر موقوف ہے اس لئے صحت بھی مطلوب ہے اگرچہ لغیرہ سہی۔

ہر ذاکر کے ذہن میں یہ بات بھی رہنی چاہئے کہ دوام ذکر سے دل کا انتشار ختم ہوتا ہے عموماً قلبی انتشار کی وجہ عدم دوام ذکر ہوتا ہے اس لئے اپنی طرف سے ذکر کا التزام رکھے اگر کبھی کبھار عذر شدید کی وجہ سے ناغہ ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

ذکر میں لگے رہنا اور کوتاہی پر استغفار کرتے رہنا بھی ایک درجہ میں ذکر ہی ہے چونکہ یہ ترقی کی علامت ہے۔

اسی طرح ذاکر کے ذہن میں یہ بھی رہنا چاہئے کہ ذکر میں اگر لذت نہ آئے تو پریشان نہ ہو جس روز لذت آجائے اس روز اس کو غذا سمجھے اور جس روز لذت نہ آئے اس دن اس کو دواء سمجھے۔

اسی طرح ذاکر کو چاہئے کہ ذکر کا ایک وقت متعین کرے اور روزانہ اسی وقت پر ذکر کرے چونکہ معین وقت پر ذکر کرنے میں زیادہ نفع ہوتا ہے بہ نسبت متفرق اوقات میں ذکر کرنے کے۔

اسی طرح اگر معین مقدار میں ذکر پورا کرنے کے بعد زیادہ ذکر کا تقاضا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں جب تک دل لگے اور ذکر کا لطف حاصل ہو ذکر کرتا رہے۔

اسی طرح اگر ذکر میں تکان معلوم ہو تو ذکر کم کردے اور تقویت مزاج کی کسی طبیب کے مشورہ سے تدبیر کرے، تاکہ طبیعت میں نشاط پیدا ہو سکے چونکہ نشاط کے ساتھ جو عمل کیا جاتا ہے اس کی حلاوت ہی کچھ اور ہوتی ہے۔اسی طرح ذکر، تلاوت، نوافل و دیگر عبادات میں یکسوئی حاصل کرنے کی بہت زیادہ کوشش نہ کرے چونکہ اس کے بوجھ اور پریشانی میں اضافہ ہوتا ہے اور پریشانی خواہ کسی چیز کی ہو اس کا اثر قلب پر پڑتا ہے وہ یہ کہ قلب میں پژمردگی پیدا ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے بعض مرتبہ ضروری و واجبی کام میں بھی تعطل پیدا ہو جاتا ہے اس لئے ذاکر صرف اتنا کرے کہ جو کچھ زبان سے پڑھے ان الفاظ کی طرف متوسط توجہ رکھے اس سے خود بخود وساوس کم ہو جائیں گے۔

لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ اصولی بات صرف مبتدی ذاکر کے لئے ہے ورنہ منتہی کے لئے ذکر میں مذکور کی طرف اور تلاوت میں متکلم یعنی اللہ سبحانہ وتعالی کی طرف توجہ رکھنے سے خیالات لایعنی بند ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح کبھی متعین تعداد کی طرف خیال ہونے سے یکسوئی ختم ہو جاتی ہے

اس لئے تعداد کے خیال کو رفع کردے اور جب تک قلب میں انبساط و بشاشت رہے ذکر کرے کمی بیشی کا خیال نہ کرے کیونکہ تعداد مقصود نہیں۔

مگر مبتدی کے لئے بہتر یہ ہے کہ ایسی حالت میں انداز سے وقت کی مقدار معین کرے تاکہ ذہنی وخیالی تشتت وانتشار سے محفوظ رہے۔

البتہ اس انداز کے وساوس کی وجہ سے ذکر، تلاوت، نوافل وغیرہ کو چھوڑا نہ جائے بلکہ حسب توفیق جس قدر ہوسکے کرتا رہے تاکہ اس سے محرومی نہ ہو اسی طرح ذاکرین کو چاہئے کہ رات کا کھانا کم کھائیں، اور سویرے سونے کی عادت ڈالیں، اور کھانے کے ساتھ پانی کا استعمال کم کریں اور سوتے وقت سورہ کہف کی آخری آیتیں "إن الذين آمنوا" سے اخیر تک پڑھنے کا اہتمام کریں اس طرح آخری شب میں جلدی اٹھنے میں مدد ملے گی اور عبادت میں حلاوت ولذت حاصل ہوگی۔

ہر سالک وذاکر کے ذہن میں یہ بات رہنی چاہئے کہ جب بقصد خشوع ذکر، تلاوت، نماز ودیگر عبادات میں مداومت کے ساتھ مشغولی ہوتی ہے تو خشوع اور تمام کیفیات محمودہ ازخود پیدا ہوجاتے ہیں اگر کبھی کیفیات کے پیدا ہونے میں دیر ہوئی تو پریشان نہیں ہونا چاہئے۔

ذکر، تلاوت، نوافل، جتنی مقدار میں بھی ہوسکے کرتا رہے طلب الکل فوت الکل کے تحت ناقدری وبے قدری کرکے ایکدم سے محروم نہیں ہونا چاہئے، جتنا ہوجائے اس پر شکر ادا کرے اور بسیار کی جستجو میں لگا رہے۔

ایسا نہ ہو کہ کھاؤں گا تو مرغ پلاؤ ہی کھاؤں گا ورنہ بھوکا رہوں گا۔

اسی طرح ذکر شروع کرنے والا اگر مریض ہو تو پہلے بیماری دور کر کے قوت وصحت حاصل کر لے جب تک صحت وقوت حاصل نہ ہو جائے معمولات شروع نہ کرے البتہ بلا کسی پابندی کے زبان یا قلب سے جو ذکر آسانی سے ہو سکے کرتا رہے۔ اسی طرح اگر کوئی ذکر جہری پر قادر نہ ہو تو سراً آہستہ ذکر کرے ذکر نہ چھوڑے چونکہ مقصود ذکر ہے جہر نہیں۔

اسی طرح کبھی دماغ کی خشکی کی وجہ سے ذاکر کو چکا چوند معلوم ہونے لگتا ہے جس کو ذاکر ناواقفیت کی وجہ سے انوار ذکر سمجھ بیٹھتا ہے لہذا ظاہری طبیب سے رجوع کر کے علاج کرائے اور کچھ دنوں کے لئے ذکر و شغل میں مجاہدہ ومشقت کو موقوف کر دے۔

اسی طرح ذاکر کے قلب پر سوزش کبھی ذکر کے اثر سے ہوتی ہے اور کبھی مرض کی وجہ سے لہذا پہلے ماہر طبیب سے رجوع کرے اور اگر وہ اطمینان دلائے کہ مرض نہیں ہے تو درج ذیل امور کی طرف توجہ دے (۱) جہر اور ضرب کو ترک کر دے (۲) ذکر کے بعد ایک سو بار کم از کم یا باسط پڑھے، (۳) درود شریف گیارہ مرتبہ پڑھ کر پانی پر دم کر کے ہر نماز کے بعد پیا کرے، (۴) حق تعالی کی رحمت کے مضامین کا مطالعہ کرے۔

اگر کیمیائے سعادت یا اس کا ترجمہ اکسیر ہدایت کے باب الرجاء یعنی امید کے باب کا مطالعہ کرے تو بہتر ہے، (۵) مفرحات ومقویات قلب کا استعمال رکھے، اسی طرح اگر اثناء ذکر بلا اختیار چیخ نکل آئے یا ہنسی آجائے تو کوئی مضائقہ نہیں، ذاکر کو ذکر کے درمیان کبھی کبھار یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے اس سے پریشان ہونے کی

ضرورت نہیں البتہ ارادۃً اپنے اوپر یہ کیفیت طاری نہ کرے۔

اسی طرح ذاکر کو چاہئے کہ سوتے وقت ذکر لسانی نہ کرے چونکہ یہ وقت غلبۂ نینداور کاہلی کا ہوتا ہے کہیں زبان سے کچھ کا کچھ نہ نکل جائے ہاں پاس انفاس یعنی ذکر قلبی میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اسی طرح اگر ذاکر مسجد میں ذکر کر رہا ہے اور دوسرے لوگ فرض یا سنت مؤکدہ ادا کر رہے ہیں تو ان کی رعایت ضروری ہے اور اگر نوافل میں لوگ مشغول ہوں تب ذکر جہری میں کوئی حرج نہیں (تربیت السالک)۔

اسی طرح لفظ اللہ میں تفخیم اور مد واجبات میں سے نہیں ہے جس کا ترک موجب معصیت ہو بلکہ یہ امر مستحب ہے اور ذکر میں اس امر مستحب کے اہتمام کی وجہ سے توجہ و یکسوئی جو کہ ذکر کی شرط اعظم ہے اس کا فقدان لازم آتا ہے لہٰذا ذاکر ان چکروں میں نہ پڑے بلکہ توجہ و یکسوئی کے ساتھ جس طرح ممکن ہو اللہ اللہ کرے۔

چند اصطلاحات تصوف

حضرات سالکین و مسترشدین سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ کچھ الفاظ وہ ہیں جن کا استعمال اکثر حضرات صوفیاء کرام کی کتابوں میں ملتا ہے وہ دراصل تصوف کی اصطلاحات ہیں ان کا ایک خاص مفہوم ہے اور انہی مفاہیم میں ان الفاظ کا

استعمال ہوتا ہے مثلاً ایک لفظ ہے استغراق۔

استغراق یہ نیند کے مشابہ ہوتا ہے اگر نماز کی ہیئت پر بیٹھا ہو اور یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو وضو نہیں ٹوٹے گا ورنہ وضو ٹوٹ جائے گا۔

اسی طرح اگر وجد کی کیفیت پیدا ہو اور بے ہوش ہو کر گر جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ استغراق اور نوم (نیند) میں فرق یہ ہے کہ استغراق میں قلب بیدار بحق ہوتا ہے اور نوم (نیند) میں بیدار بخلق ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک لفظ قبض ہے جس کا استعمال حضرات صوفیاء کے یہاں ہوتا ہے قبض کہتے ہیں محبوب کی تجلی جلال یعنی آثار عظمت واستغناء کے فی الحال وارد ہونے سے قلب کا گرفتہ ہونا۔

قبض کے اسباب مختلف ہیں۔

ا۔ کبھی قبض گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے ہوتا ہے اس میں توبہ واستغفار کی ضرورت پڑتی ہے۔

۲۔ کبھی دماغ کی خشکی یا اور کسی بیماری کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ صورۃً قبض ہوتا ہے جس میں علاج کی ضرورت پڑتی ہے۔

۳۔ کبھی کسی ناگوار طبع امر کے پیش آجانے کی وجہ سے ہوتا ہے اس کا علاج اس ناگوار چیز کا ازالہ ہے۔

قبض سے کبھی سالک کی پستی اور انکساری منظور ہوتی ہے اس لئے قبض طاری کر دیا جاتا ہے تا کہ سالک میں یہ صفت پیدا ہو جائے اور تعلی ختم ہو جائے قبض

کی ضد بسط ہے۔

بسط کہتے ہیں محبوب کی تجلی جمال یعنی آثار لطف وفضل کے فی الحال وارد ہونے سے قلب کو فرحت وسرور حاصل ہونا۔

اسی طرح حضرات صوفیاء کے یہاں جذب اور سلوک کا بھی استعمال ہوتا ہے سلوک کہتے ہیں مقامات کے توسط سے نسبت کے حصول کو، جذب، کہتے ہیں بلا توسط مقامات نسبت کے حصول کو سلوک میں پہلے اعمال کے ذریعہ صفات حمیدہ میں رسوخ پیدا ہوتا ہے اس کے بعد کشش ہوتی ہے۔

اور جذب میں پہلے کشش ہوتی ہے پھر اعمال کی توفیق ہوتی ہے۔

شیخ کامل کی پہچان

مسترشدین وسالکین سے گفتگو کے درمیان فرمایا:

ہر شخص کو اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے کسی شیخ کامل سے وابستہ ہونا ضروری نہیں لیکن اصلاح نفس اور اصلاح باطن وظاہر ضروری ہے لیکن سنت اللہ یہی ہے کہ جب تک شیخ کامل سے وابستگی نہیں ہوتی اس وقت تک پورے طور پر اصلاح نہیں ہوتی اس لئے ہر شخص کو چاہئے کہ شیخ کامل کو تلاش کرے لیکن بغیر علامت کے شیخ کامل کی جستجو ہر ایک کے بس کی بات نہیں اس لئے اس کی کچھ علامتیں بتلائی جاتی ہیں تاکہ عوام کے لئے بھی تلاش کرنا آسان ہوجائے۔

۱۔متقی ہو یعنی کبائر کا ارتکاب نہ کرتا ہو نیز صغائر پر اصرار سے بچتا ہو۔

۲۔تارک دنیا راغب آخرت ہو یعنی حب جاہ و مال اس میں نہ ہو۔

ظاہری اور باطنی طاعات پر مداومت رکھتا ہو۔

۳۔علم شریعت سے بقدر ضرورت واقف ہو خواہ تحصیل علم کے ذریعہ یا علماء وفقہاء کی صحبت کے ذریعہ تا کہ عقیدے اور عمل کے فساد سے محفوظ رہے۔

۴۔ اولیاء ومشائخ اور اللہ والوں کی صحبت اٹھائی ہو اور ان کے فیوض وبرکات حاصل کیئے ہوں۔

۵۔مریدوں کی فکر رکھتا ہو اگر کوئی بات خلاف شریعت وطریقت معلوم ہو تو اس پر متنبہ کرتا ہو۔

۶۔اس کی صحبت میں بیٹھنے سے اللہ کی طرف توجہ میں اضافہ ہوتا ہو اور دنیوی خیالات کم ہوتے ہوں اور دنیا سے بے رغبتی ہوتی ہو۔

۷۔اولیاء، مشائخ، علماء، فقراء کے نزدیک عوام کی بہ نسبت اس کی قبولیت زیادہ ہو اگر صرف عوام کا رجحان ہو اس کا اعتبار نہیں بعض لوگ عوام کی بھیڑ اپنے ارد گرد جمع کرواتے ہیں اور اس سے اپنی مقبولیت کا تاثر پیدا کرواتے ہیں یہ غلط ہے یہ حضرات صوفیاء کے طریق کے خلاف ہے۔

۸۔کسی شیخ کامل کی طرف سے اس کو بیعت وارشاد کی اجازت ملی ہو۔

لیکن حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے اصل صلاحیت ہے اگر کسی کے اندر دوسروں کے اصلاح کی صلاحیت ہے اور لوگ اس سے اپنی اصلاح کروانا چاہتے ہیں

اور اصلاحی تعلق قائم کرنے والوں کی اصلاح بھی مشاہدہ میں ہے تو ایسے شخص کو کام کرنا چاہئے خواہ کسی کی طرف سے اجازت ہو یا نہ ہو۔

اجازت کوئی واجبی شرط نہیں ہے جو مقصود ہے وہ حاصل ہونا چاہئے۔

۹۔اس کے مریدین میں سے اکثر کی حالت اچھی ہو یعنی اکثر متبع شریعت ہوں اور دنیا کی بے رغبتی اور آخرت کی طرف توجہ زیادہ ہو۔

صحبت شیخ کے منافع

حضرات مریدین وسالکین سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

صرف کسی شیخ سے بیعت ہوجانے سے اصلاح نہیں ہوجاتی جو بیعت کا حاصل ہے بلکہ شیخ کی معیت ومصاحبت بھی ضروری ہے گاہ بگاہ آنا جانا بھی ضروری ہے رابطہ میں رہ کر احوال کی اطلاع بھی ضروری ہے اس کے بعد دی گئی ہدایات پر عمل بھی ضروری ہے۔

آج کے زمانہ میں عموماً مشائخ رمضان کے مبارک ایام میں مکمل ماہ ورنہ کم از کم آخری عشرہ میں کسی مقام پر خانقاہ کی شکل میں متمکن ہوتے ہیں اور فیوض وبرکات کی بارش برساتے ہیں، معرب حضرات کو کم از کم ایک عشرہ کے لئے مبنی بن جانا چاہئے تاکہ ان کی بنا میں استحکام اور پائیداری پیدا ہوسکے اور سال بھر کے لئے بیٹری چارج ہوسکے۔

۱۔شیخ کی صحبت میں رہنے سے اور پہنچنے سے وصول الی اللہ میں آسانی ہوتی ہے طریقت کے اصول سمجھ میں آتے ہیں جو وصول میں معاون ومدد بنتے ہیں۔

۲۔عمل کا شوق بڑھتا ہے اعمال کی حلاوت حاصل ہوتی ہے دل گرم ہوتا ہے جذبۂ عمل میں ابھار پیدا ہوتا ہے، اعمال کے کرنے کو دل چاہتا ہے۔

۳۔ان کے طرزِ عمل کو دیکھ کر سبق حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے زندگی میں نظم ونسق پیدا ہوتا ہے فکرِ آخرت میں اضافہ ہوتا ہے دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے اور کچھ نہ کرنے پر ندامت ہوتی ہے اور آئندہ کچھ کرنے کا عزم پیدا ہوتا ہے۔

۴۔اپنے شیخ کی افادات سے مستفید ہونے کا موقع ملتا ہے ان کے افکار وخیالات کو قریب سے سمجھنے کا موقع ملتا ہے بہت سے علمی مباحث وتحقیقات کے سننے کا موقع ملتا ہے، علمی راہ ہموار ہوتی ہے اور علم ومعرفت میں اضافہ ہوتا ہے۔

۵۔صرف کتابوں سے اگر اصلاح ہوتی تو شخصیات کی ضرورت نہ ہوتی اس لئے شخصیات سے وابستگی کی صورت میں اپنے رذائل سامنے آتے ہیں اور شیخ کی توجہات کی برکت سے ان کا ازالہ جلدی اور آسانی سے ہوجاتا ہے بصورت دیگر شیخ سے اس کی تدبیر معلوم کرکے اس کا ازالہ کیا جاسکتا ہے۔

۶۔شیخ کی صحبت میں رہنے سے شیخ کی زیادہ توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے مواقع میسر ہوتے ہیں اور اس کی برکتیں حاصل ہوتی ہیں اور زود اثر فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

۷۔شیخ کے معمولات کو قریب سے دیکھنے اور معلومات کو قریب سے سننے کا

موقع ملتاہےاورآئندہ ان چیزوں پر مداومت آسان ہوتی ہے۔

۸۔شیخ کی صحبت میں رہنے سے اپنے امراض کو بالمشافہہ بتلانے اوراس کا علاج معلوم کرکےان کے پاس رہ کرعلاج کرانے میں مددملتی ہےاورنفع ونقصان کااثر سامنے ہوتا ہے گویا مریض ہوسپٹلائز ہوجاتا ہےاور ہمہ وقت ڈاکٹر کےنگہداشت میں رہتاہے۔

۹۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کوبغیرکسی واسطہ کے براہ راست کیا جاسکتا ہےصحبت میں رہتے ہوئے اس کے مواقع ہوتے ہیں کہ براہ راست بات کرلی جائےاورنسخہ حاصل کرلیاجائے۔

الحاصل وقت فارغ کرکے شیخ کے پاس آنا جانا ان کی صحبت میں کچھ دنوں قیام کرنا اکتساب فیض کے لئے اس طریق کا لازمی جز ہےاس سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔ہرسالک کواس کادھیان رکھنا چاہئے۔

راہ سلوک کےمنتہی کی نشانیاں

حضرت نے سالکین ومسترشدین کی مجلس میں ایک بارفرمایا کہ ہرلائن میں ابتداءاورانتہاءہوتی ہےجس طرح حافظ بننے والے بچے کی ابتداءالف باتا سے ہوتی ہےاور جب وہ مکمل تیس پارے اپنے سینہ میں محفوظ کرلیتا ہےتو یہ اس کی انتہاء ہوتی ہےاسی طرح عالم بننے والے طالب علم کی ابتداءمیزان نحومیر سے ہوتی ہےاورانتہاء

بخاری پر ہوتی ہے۔

اسی طرح راہ سلوک میں بھی ابتداء اور انتہاء ہے اگر چہ ہر لائن میں بتلایا یہی جا تا ہے کہ یہ صرف علامتی انتہاء ہے حقیقی انتہا منتہی کی بھی نہیں ہوتی چنانچہ ایک بار حضرت جنید بغدادی سے ایک صاحب نے سوال کیا ''ماالنھایۃ'' اس طریق کی انتہاء کیا ہے تو آپ نے فرمایا الرجوع اِلی البدایۃ یعنی جہاں سے چلے ہو وہیں پہنچ جاؤ مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے اپنے کو منتہی سمجھ لیا تو گئے کام سے اس لئے اپنے کو ہمیشہ مبتدی سمجھو اور کام سے لگے رہو پھر بھی حضرات صوفیاء نے کچھ ایسی علامتیں بتائی ہیں جن کے پائے جانے کے بعد یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ سالک سلوک کی انتہاء کو پہنچنے کے قریب ہے

ا۔ رضا وتسلیم کا عادی وخوگر ہونا یعنی اپنی مرضی کو سالک رضا مولی میں فنا کردے جس طرح بہلول دانا سے کسی نے پوچھا حضرت کیسے مزاج ہیں؟

فرمایا اس شخص کے مزاج کو کیا پوچھتے ہو جس کا ہر کام اس کے منشاء ومزاج کے مطابق ہوتا ہے لوگوں نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے فرمایا میں نے اپنے مزاج وارادہ کو اللہ کے ارادہ میں فنا کردیا ہے ادھر سے جو بات آتی ہے اس کو اپنی مراد سمجھ کر خوشی سے قبول کرتا ہوں۔

۲۔ سارے حالات ومعاملات میں خداوند قدوس کی مشیت پر بدل وجان راضی وخوش ہونا۔

۳۔ مکمل یکسو ہوکر قلب کا ذکر ومذکور کی طرف مائل ومتوجہ ہونا۔

۴۔ اپنی اور اغیار کی ذات بلکہ ہر دو جہاں اور اللہ کے علاوہ تمام چیزوں سے

قلب کا فارغ وآزاد ہونا۔

۵۔اپنااوراغیار کا وجود چشم باطن میں فنا کالعدم ہو جانا۔

۶۔سارے تعلقات اور حالات وخیالات کا باطن سے غائب وفنا ہو جانا۔

۷۔مشاہدہ کی طرح یقین کا حاصل ہو جانا۔

۸۔ہمیشہ باہوش اور صاحب فکر رہنا۔

۹۔ذکرواذکار میں استقامت کا ہونا۔

۱۰۔تعلق شیخ میں استوارگی اور وحدت مطلب کا ہونا۔

سالک کے واجبات

سالک کے واجبات میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے اندر بزرگوں کی اطاعت وادب کا جذبہ ہوان کا اکرام واحترام ہو، ان کی توقیر و تعظیم ہوسوء ادبی سے اجتناب ہو، ہم کلامی میں نرم خوئی ہو، نشست و برخاست میں ادب وتأدب ہوخواہ اس سے روحانی انسلاک ہو یا نہ ہو بشرطیکہ وہ علماء حقانی میں سے ہواور علم میں سادگی ہواکڑ پھوں نہ ہو، اپنے کو طالب بنا کر رکھے مطلوب بن کر نہ رہے اظہار علم کے موقع پر اظہار ہواخفاء کے موقع پر اخفاء ہواظہار تفوق کے لئے اظہار نہ ہو بلکہ مقصود تبلیغ وارشاد ہو۔

اہل باطل کی وضع سے دور ہو، اکابر کی وضع کا وضعدار ہو، تصنع وتکلف سے دور ہوتواضع وسادگی پسند ہو ہراعتبار سے سیدھا سادھا ہو۔''**اللھم اجعل سریرتی**

خیرا من علانیتی و اجعل علانیتی صالحة ' کا مصداق ہو، ظاہر و باطن صاف ستھرا ہو، نظافت وطہارت قلبی وقالبی ملحوظ ہو، امراض قلبیہ سے صاف ہو، خامیوں کے ازالہ پر نظر رکھے اور خوبیوں کے پیدا کرنے کی کوشش ہو، اعمال کی مداومت کا اہتمام ہو۔ ذکر وفکر کا التزام ہو، ترش روئی سے احتراز ہو، خندہ پیشانی شعار ہو خدمت خلق کا مزاج ہو۔

حضرت تھانوی کا ارشاد

حضرت تھانویؒ سے کسی نے پوچھا حضرت اجازت کا معیار کیا ہے حضرت نے فرمایا کسی کے بارے میں اچانک خیال آتا ہے کہ اس کو اجازت دیدینی چاہئے لیکن یہ سوچ کر اس کو دفع کر دیتا ہوں کہ یہ وسوسہ ہے پھر کچھ دنوں کے بعد اس کے بارے میں یہی خیال آتا ہے پھر اس کو دفع کر دیتا ہوں پھر تیسری مرتبہ خیال آتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ من جانب اللہ ہے پھر اس کو بلا کر اجازت دیدیتا ہوں۔

لیکن حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اجازت کو تکمیل کی سند نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ اس کے بعد مزید محنت کی ضرورت پڑتی ہے اور اگر کسی نے یہ سوچ کر ذکر وفکر کو نظر انداز کر دیا کہ اب تو سند مل گئی اب کیا ضرورت ہے محنت کی تو وہیں سے اس کا زوال شروع ہو جاتا ہے اس لئے کہ اجازت کی بہت سی قسمیں ہیں نہ معلوم شیخ نے کیا سوچ کر اجازت دی ہے اس لئے اب تو اس سند کی بھی

لاج رکھنی ہے اس لئے محنت ومجاہدہ کو بڑھانے کی ضرورت ہے تاکہ جو کچھ کمی کوتاہی رہ گئی ہو وہ بھی دور ہوجائے۔

سلوک کا زہر

ایک سلسلہ گفتگو میں حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی فرمایا کرتے تھے کہ سالک کے لئے تین چیزیں زہر ہیں، ان سے بہت دور رہنے کی ضرورت ہے ورنہ سالک کی ساری محنت ضائع ہوجاتی ہے۔

ا۔ ناموافق غذا اس لئے اس کا اہتمام ہو کہ غذا وہ استعمال کرے جو اس کے معدہ کے موافق ہو نہیں تو معلوم ہوا کہ اسہال شروع ہوگیا سارے معمولات دھرے کے دھرے رہ گئے یا قبض شروع ہوگیا جس کی وجہ سے کسی کام کے نہیں رہے۔

۲۔ ناجنسوں کی صحبت، اس لئے کہ یہ بہت زود اثر چیز ہے اچھی صحبت میں رہ کر کمائی ہوئی دولت تھوڑی دیر میں ضائع ہوجاتی ہے اور سالک خالی ہاتھ ہوجاتا ہے۔

۳۔ ارتکاب معصیت، گناہ ہر حال میں ہر ایک کے لئے مضر ونقصان دہ ہے، لیکن سالک کے لئے تو زہر ہے اللہ کی نافرمانی سے تو سالک کو بہت دور رہنا پڑتا ہے ورنہ سکنڈوں میں پوری گٹھری ضائع ہوجاتی ہے جس کو کمانے میں سالوں لگتے ہیں۔

محبت وعقیدت کی ضرورت

ایک مرتبہ مریدین سے گفتگو فرماتے ہوئے حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا شیخ سے فیض پہنچنے کا مدار محبت وعقیدت ہے۔

لیکن محبت کے لئے عقیدت لازم نہیں، محبت کہتے ہیں میلان قلب کو اور عقیدت کہتے ہیں "ربط القلب بشئی سواء کان مطابقاً للواقع أم لا" دل کا کسی سے وابستہ ہوجانا خواہ وہ واقع کے مطابق ہو یا نہ ہو جس کو ہندی میں آستھا کہتے ہیں، آپ نے کسی کو جنید، شبلی، عطار، رومی مان لیا بس کافی ہے وہ حقیقت میں جنید، شبلی ہو یا نہ ہو آپ کو آپ کی عقیدت کی بنیاد پر نفع ہوگا۔

اور اگر کوئی واقعتاً اپنے زمانہ کا جنید وشبلی ہو لیکن آپ کی نظر میں وہ فراڈی ہو تو اس سے آپ کو کوئی نفع نہیں ہوگا۔

لیکن یہ یاد رہے کہ محبت اور ہے عقیدت اور ہے بیٹے کو باپ سے محبت ہوتی ہے لیکن عموماً عقیدت نہیں ہوتی اسی وجہ سے عموماً اولیاء کے بیٹے باپ کی نسبت سے محروم رہتے ہیں اور دنیا عقیدت کی بنیاد پر فیض اٹھاتی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے اس طریق میں وصول الی اللہ اس وقت ہوتا ہے جب لذت ونفع پر نظر نہ کرے بلکہ کام ہی کو مقصود سمجھے اور اس میں مسلسل لگا رہے، فرماتے تھے جو لوگ مجھ سے یہ شکایت کرتے ہیں کہ ذکر میں مزہ نہیں آتا تو میں ان سے کہہ دیا کرتا ہوں کہ

میاں مزہ تو مذی میں ہے یہاں مزہ کہاں؟ یہ تو لوہے کے چنے ہیں اگر لوہے کے چنے چبانا ہو تو آؤ اور اگر یہ منظور نہیں تو عشق کا نام نہ لو کیا خوب کہا ہے کسی نے ؎

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن

دل بدست دگرے دادن وحیراں بودن

ایک بار ارشاد فرمایا کہ عمل سے جب تک حال نہ پیدا ہو اس وقت تک وہ قابل اطمینان نہیں، بغیر حال کے عمل کی مثال ایسی ہے جیسے ریل گاڑی میں انجن نہ ہو صرف مزدور اس کو دھکا دے کر لے جائیں اور حال کے ساتھ عمل کی مثال ایسی ہے جیسے انجن ریل گاڑی کو لے جائے۔

اسی طرح ایک بار فرمایا کیفیات نفسانیہ ذوق وشوق محمود تو ہیں مگر مقصود نہیں اور غیر مقصود بالذات کو مقصود بنا لینا عصیان باطنی اور بدعت باطنیہ ہے اس لئے سالک کو ہمیشہ اس باطنی عصیان سے بچنے کی فکر کرنی چاہئے (انفاس عیسی)۔

طریقت کا خلاصہ

ایک سلسلہ گفتگو میں حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سالکین ومسترشدین سے فرمایا کہ طریقت کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ طریقت کا حاصل کیا ہے طریقت کا حاصل رضاء باری ہے اور رضاء باری کے حصول کے لئے شریعت کے بتلائے ہوئے طریقہ پر چلنا ضروری ہے، اور شریعت کے احکامات کو ماننا ضروری ہے

اور شریعت کے احکامات دو طرح کے ہیں کچھ کا تعلق ظاہر سے ہے اور کچھ کا تعلق باطن سے ہے۔

جن امور کا تعلق ظاہر سے ہے وہ یہ ہیں، نماز، روزہ، حج، زکوۃ، نکاح، طلاق، وصیت، تقسیم ترکہ، درستگی معاملات وغیرہ۔

اور کچھ امور وہ ہیں جن کا تعلق باطن سے ہے جیسے اللہ سے محبت رکھنا، اللہ سے ڈرنا، دنیا سے محبت کم رکھنا، اللہ کی مشیت پر راضی رہنا، حرص طمع سے دور رہنا، عبادت میں دل کو حاضر رکھنا، دین کے کام کو اخلاص سے کرنا، کسی کو حقیر نہ سمجھنا وغیرہ۔

اور یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح ظاہری احکام پر عمل کرنا ضروری ہے، اسی طرح باطنی احکام پر بھی عمل کرنا ضروری ہے۔

بلکہ اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ باطنی اعمال کی کمزوری کا اثر ظاہری اعمال پر بھی ہونے لگتا ہے، مثلاً جب اللہ کی محبت میں کمی آتی ہے تو نماز، روزہ، میں کاہلی وسستی آنے لگتی ہے، اسی طرح جب اندر بخل پیدا ہوجاتا ہے تو صدقہ، خیرات، بلکہ زکوۃ وحج جیسا اہم عمل بھی بوجھ لگتا ہے، اسی طرح جب کبر کا غلبہ ہوتا ہے تو دوسروں کی تحقیر وتذلیل شروع ہوجاتی ہے، اسی طرح جب غضب کا غلبہ ہوتا ہے تو دوسروں پر ظلم شروع کردیتا ہے۔

لہذا جب تک نفس کی اصلاح نہیں ہوگی ظاہری وباطنی احکام کی پابندی مشکل ہے، اگر کسی درجہ میں ظاہری احکام کی پابندی ہو بھی گئی تب بھی اس میں دوام

واستمرار بغیر اصلاح باطن کے مشکل ہے اور اصلاح باطن بغیر شیخ کامل کے ممکن نہیں چونکہ باطنی خرابیاں عموماً کم لوگوں کو سمجھ میں آتی ہیں اور اگر سمجھ میں آگئیں تو اسکی اصلاح کا طریقہ کم معلوم ہوتا ہے اور اگر کسی طرح معلوم بھی ہوگیا تو نفس عمل کرنے میں آڑے آتا ہے جس کی وجہ سے عمل کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔

اور اگر شیخ کامل سے وابستگی ہوتی ہے تو وہ بیماری کو سمجھتا ہے اور اس کا علاج تجویز کرتا ہے اور نفس کے اندر درستگی کی استعداد اور ان معالجات میں سہولت اور تدابیر میں قوت پیدا ہونے کے لئے کچھ اذکار واشغال کی تعلیم کرتا ہے اس طرح کام آسان ہوجاتا ہے اور مقصود کے حصول کی طرف بندہ تیزی سے گامزن ہوجاتا ہے۔

اور اگر دیکھا جائے تو خود ذکر بھی اپنی ذات میں عبادت ہے حاصل یہ نکلا کہ سالک کو دو کام کرنے ہیں ایک ضروری اور وہ احکام شرعیہ کی پابندی ہے خواہ ظاہری ہوں یا باطنی دوسرا مستحب ہے اور وہ ذکر کی کثرت ہے۔ احکام کی پابندی سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور ذکر کی کثرت سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور یہی سلوک کا خلاصہ ومغز ہے۔

اگر ان چیزوں کو سالک نے حاصل کرلیا تو اس نے مقصود کو پالیا اور منزل پر پہنچ گیا۔

لیکن ہر سالک کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ راہ سلوک میں نہ کشف وکرامات ضروری ہیں نہ تصرفات، نہ ذکر واشغال میں انوارات کا ظہور ضروری ہے نہ اچھے

منامات، نہ عبادات میں لذت وحلاوت ضروری ہے نہ الہامات، شیخ کے ذمہ مرید کو قیامت میں نہ بخشوانے کی ذمہ داری ہے نہ دنیاوی کام وکاج میں فتحیابی کی، نہ روزگار میں اضافہ کی ذمہ داری ہے نہ اچھے کاروبار کی، بلکہ یہ راستہ صرف اور صرف اللہ کی رضا اور اس کا قرب وتعلق حاصل کرنے کا راستہ ہے، لہٰذا ان چیزوں کی اپنے شیخ سے امید رکھنا یہ اس طریق کے منافی ہے جو مقصود ہے اور اس کے حاصل کرنے کا جو ذریعہ ہے شیخ کا کام اس کو بتلانا اور اس راہ پر ڈالنا ہے باقی محنت ومجاہدہ کے ذریعہ آگے بڑھنا اور ترقی کرنا یہ سارا کام سالک کا ہے۔

اگر کوئی سمجھتا ہے کہ شیخ اپنی توجہ کے ذریعہ ہمیں اونچے مقامات پر پہنچادے گا تو یہ شدید غلطی ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ معمولات کی پابندی ہی ترقی کا زینہ ہے بندہ معمولی ہو یا غیر معمولی سب کو معمولاتی بننا پڑتا ہے اسی کے بعد کچھ حاصل ہوتا ہے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ بہت اہتمام سے مریدین سے یہ فرمایا کرتے تھے پیارو معمولات کی پابندی کا خیال رکھنا اس کے بغیر ترقی نہیں ملے گی۔

اخلاص ومخلص کا مطلب

ایک بار جامعہ کے طلباء واساتذہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ جلالی بزرگ تھے فتح پور تال نرجا اعظم گڈھ کے رہنے والے تھے وہاں سے

ہجرت کر کے گورکھپور تشریف لے گئے وہاں سے الہ آباد اور وہاں سے حج کے سفر میں گئے اور اللہ کے پاس پہنچ گئے ایک بار صبح کی مجلس میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ بھی تشریف فرما تھے اچانک حضرت شاہ صاحب ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: مولانا آپ کا خصوصی تعلق حدیث سے ہے یہ بتلائیں۔قرآن کریم اور احادیث میں کثرت سے اخلاص اور مخلص کا لفظ آیا ہے اس کا مطلب کیا ہے اخلاص ومخلص کس کو کہتے ہیں۔

مولانا نے تھوڑی دیر سر جھکایا پھر فرمایا حضرت اخلاص ومخلص کا مطلب یہ ہے کہ جس کا ہو اسی کا ہو کے رہ جائے۔

یہ جواب سننا تھا کہ حضرت شاہ صاحب پر حال طاری ہو گیا اور اپنی ران پر ہاتھ مارنے لگے اور فرمانے لگے۔مولانا کیا بات کہی آپ نے کیا بات کہی آپ نے بار بار یہ جملہ دہراتے رہے۔آپ نے تو دریا کو کوزہ میں بھر دیا۔

سچ ہے نماز ہو یا کوئی بھی عبادت، جب تک یہ کیفیت پیدا نہ ہو اس کو اخلاص والا عمل نہیں کہا جا سکتا۔

نماز میں اخلاص جبھی پیدا ہوگا جب بندہ جس کی عبادت کر رہا ہے اسی کا ہو کے رہ جائے، دنیا و مافیہا کو بھول جائے۔

صاحب نسبت ہونے کا مطلب

سالکین ومسترشدین سے گفتگو کے دوران ایک بار حضرت حبیب الامت

دامت برکاتہم نے فرمایا تصوف وصوفیاء کی ایک اصطلاح صاحب نسبت ہونا بھی ہے، لیکن عام طور پر لوگ یہ نہیں جانتے کہ صاحب نسبت ہونے کا مطلب کیا ہے۔

نسبت کے لغوی معنی تعلق اور لگاؤ کے ہیں اور اصطلاح میں نسبت کہتے ہیں اللہ تعالیٰ سے بندہ کا خاص تعلق ہوجانا، یعنی دائمی اطاعت اور ذکر کا غالب ہوجانا اور اللہ تعالیٰ کا بندہ سے خاص قسم کا تعلق ہونا یعنی قبولیت اور رضا کا پایا جانا، جیسے عاشق مطیع اور وفادار معشوق میں تعلق خاص ہوتا ہے۔ جب اس انداز کا تعلق کسی بندہ کا اللہ سے ہوجائے تو اس کو ایک مقام رفیع حاصل ہوجاتا ہے اور اس کے بعد اس شخص کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ شخص صاحب نسبت ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ صاحب نسبت ہونا ایک بہت بڑا مقام ہے، اللہ جس کو نواز دے اس کی عنایت ہے، ہر شخص صاحب نسبت نہیں ہوسکتا اور نہ ہر شخص کے لئے یہ جملہ قابل استعمال ہے، جب تک کسی میں مذکورہ بالا صفات نہ پائے جائیں اس وقت تک کسی کو صاحب نسبت نہیں کہا جاسکتا۔

نسبت اور ملکۂ یادداشت میں فرق

ایک سلسلہ گفتگو میں نسبت اور ملکۂ یادداشت کے فرق کو سمجھاتے ہوئے فرمایا:

دونوں کی ماہیت الگ الگ ہے، نسبت کہتے ہیں تعلق خاص کو جس کے لئے دو چیزوں کا ہونا لازمی ہے، جب تک وہ دونوں چیزیں نہ پائی جائیں اس وقت تک اس پر لفظ نسبت کا اطلاق نہیں کیا جائے گا۔

۱- کثرت ذکر جس کی دوسری تعبیر ملکۂ یادداشت بھی ہے۔

۲- دوام طاعت جس کا حاصل یہ ہے کہ نسبت ملزوم اور ملکۂ یادداشت لازم ہے۔

اس کو مثال سے یوں سمجھئے جیسے کوئی شخص کسی پر عاشق ہوجائے تو اس تعلق عشق کے لئے دو چیزیں لازمی ہیں۔(۱) معشوق اکثر اوقات عاشق کے ذہن سے نہیں اترتا بلکہ ہر وقت عاشق کے دل ودماغ میں وہ چکر لگاتا رہتا ہے۔

(۱) عاشق جان بوجھ کر معشوق کی نافرمانی نہیں کرتا بلکہ ہر وقت معشوق کا مطیع اور فرمانبردار بن کر رہتا ہے۔

لہٰذا اگر کوئی اپنے کو اللہ کا عاشق سمجھتا ہے یا کہلواتا ہے تو اس کے لئے یہ بات بہت ضروری اور لازمی ہے کہ جملہ امور میں اللہ کا دائمی طور پر مطیع وفرمانبردار ہو اور ہمیشہ ہر قسم کی نافرمانی سے گریزاں ہو۔

اگر کسی میں یہ صفت نہ ہو اس کے باوجود وہ اپنے کو اللہ کا عاشق سمجھتا ہو یا کہلواتا ہو تو ایسا شخص عاشق نہیں بلکہ فاسق ہے، اس سے دور رہنے کی ضرورت ہے۔

نسبت کے الوان

ایک سلسلہ گفتگو میں ایک سالک کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ نسبت کی

حقیقت تو ایک ہی ہے، لیکن استعداد کے اختلاف کی وجہ سے اس کے الوان مختلف ہوتے ہیں، کسی پر خشیت کا غلبہ ہوتا ہے تو کسی پر محبت کا، اور کسی کو حضور مع اللہ کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔

اصل چیز نسبت کا حصول ہے خواہ اس کا رنگ کچھ بھی ہو۔ عام طور پر اس کا ظہور صاحب نسبت کی استعداد کے مطابق ہوتا ہے۔

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اصل نسبت جس سے مراد حضور مع اللہ ہے وہ کسی کے سلب کرنے سے سلب نہیں ہوتی، البتہ ارتکاب معصیت سے از خود یہ نسبت سلب ہو جاتی ہے۔ لیکن تصرفات کی وجہ سے کیفیت شوقیہ سالک کی کم ہو جاتی ہے۔ بعض لوگ سلب نسبت کی مسلسل مشق کرتے ہیں اور وہ درجہ کمال کو پہونچ جاتے ہیں تو بعض اوقات کسی کی نسبت سلب کر لیتے ہیں۔

لیکن عمومی احوال میں ہر شخص کے تصرف سے ایسا نہیں ہوتا، اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہئے اور اس دقیق نقطہ کو ذہن نشین کر لینا چاہئے تا کہ خواہ مخواہ کے وساوس کا شکار سالک نہ ہو اور پوری یکسوئی و ہمت کے ساتھ اپنے کام میں لگا رہے۔

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ذکر کی مداومت کی وجہ سے طبیعت میں ایک خاص قسم کا نشاط پیدا ہو جاتا ہے اور شوق ذکر میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔ اچانک کوئی بات باعث حزن و ملال کے آجانے کی وجہ سے اس شوق و نشاط میں کمی آجاتی ہے جس کو سالک اپنی غلط فہمی کی وجہ سے کسی کی طرف سے سلب نسبت تصور کر بیٹھتا ہے، حالانکہ

ایسا نہیں ہوتا بلکہ یہ اثر ہوتا ہے پیش آمدہ حزن وملال کا جس کے ازالہ کے بعد ذکر کی مداومت کے ساتھ شوق ونشاط عود کر جاتا ہے اور پرانی کیفیت واپس آجاتی ہے۔

حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید کا واقعہ

حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت تھانویؒ کے خلفاء میں سے تھے، ایک مرتبہ ایک مرید نے حضرت شاہ صاحب سے یہ واقعہ بیان کیا کہ حضرت میں ٹرین سے آرہا تھا، میری سیٹ کے سامنے ایک پنڈا بیٹھا ہوا تھا وہ مجھ کو بہت دیر تک غور سے دیکھتا رہا، اس کے بعد اس نے تصرف کرنا شروع کیا جس کے نتیجہ میں میرے قلب کی کیفیت متغیر ہونے لگی، جب میں نے یہ محسوس کرلیا کہ اس پنڈت نے تصرف شروع کردیا ہے تو مجھ کو بہت فکر ہوئی، اس کے بعد میں نے سر جھکا کر تصور شیخ کا عمل پوری قوت کے ساتھ شروع کیا، اس عمل کی برکت سے الحمد للہ تھوڑی دیر میں پنڈت کے تصرف کا اثر قلب سے زائل ہوگیا اور قلب اپنی پرانی کیفیت پر قائم ہوگیا۔ اس کو سن کر حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی نکیر نہیں فرمائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ تصرفات کا عمل قابل انکار نہیں، یہ چیز غیر مسلموں میں خاص طور پر زیادہ پائی جاتی ہے اور پہلے زمانہ میں غیر مسلم مرتاض پنڈت ان جیسی چیزوں کے مشاق ہوا کرتے تھے اور کسی عابد وزاہد، نیک وصالح، باوضع سیدھے سادھے مسلمان کو دیکھ کر اس انداز کی حرکت بد پر زیادہ آمادہ ہوا کرتے تھے لیکن جس زمانہ میں ایسی

حرکت بد کے واقفین موجود تھے اس زمانہ میں اس کو زائل کرنے والے صلحاء، اتقیاء، اولیاء اللہ بھی بکثرت موجود تھے جو اس کا ازالہ بہت آسانی سے کر دیا کرتے تھے۔

حضرت رائے پوری کا واقعہ

چنانچہ کافی عرصے کی بات ہے کہ ایک بار مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے طلبہ سیر و تفریح کرتے ہوئے شاہ ولایت قبرستان کے آگے بڑھ گئے جہاں بہت دور تک مختلف انداز کے باغات ہیں اور ان باغات میں کچھ مندر بھی ہیں اور ان مندروں میں اس زمانہ میں مرتاض قسم کے پنڈت بھی رہا کرتے تھے۔

جب ان طلباء کا گزر مندر کے پاس سے ہوا تو وہاں بیٹھے ہوئے ایک مرتاض پنڈت نے تصرف کر دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ طالب علم مدرسہ پہونچتے پہونچتے پاگل کی طرح اول فول بکنے لگا اور ناپسندیدہ مشرکانہ کچھ کلمات بھی اس نے کہنا شروع کر دیا۔

اس کی یہ کیفیت دیکھ کر اس کے سب ساتھی پریشان ہوئے اور اس کو لے کر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور حضرت شیخ سے پورا واقعہ سنایا۔ حضرت شیخؒ نے ایسی جگہ پر جانے سے طلباء کو بہت ڈانٹا اور سختی سے منع فرمایا اور اس کے بعد یہ فرمایا کہ اس کو لے کر رائے پور حضرت رائے پوری کے پاس چلے جاؤ۔

چنانچہ طلباء اس کو لے کر حضرت رائے پوری کے پاس پہونچے جہاں حضرت کی چارپائی کے پاس چوبیس گھنٹہ ذاکرین ذکر کرتے تھے، حضرت رائے پوری سے ان طلباء نے پورا واقعہ بتلایا اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا حکم سنایا۔

حضرت رائے پوری نے سننے کے بعد سکوت اختیار فرمایا اور تمام طلباء کافی دیر مریض ساتھی کو لے کر وہاں بیٹھے رہے، چند گھنٹوں کے بعد حضرت رائے پوری علیہ الرحمہ پر خاص قسم کی کیفیت طاری ہوئی اور اس مریض طالب علم کے قلب کی طرف اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ بھائی پہلے زمانہ میں ایسے اللہ والے تھے جو ایک انگلی کے اشارہ سے قلب کو پلٹ دیا کرتے تھے اور یہ فرماتے ہوئے پلٹنے والا اشارہ آپ نے اپنی انگلی سے فرمایا اس کے بعد وہ طالب علم چنگا اور ٹھیک ہوگیا اور اس کے قلب کی پوری ایمانی کیفیت واپس آگئی، اس کے تمام ساتھی خوشی کے ساتھ اس کو لے کر مظاہر علوم واپس آگئے۔

حضرت گنگوہی کے ایک مرید کا واقعہ

بنارس صوبہ یوپی کا ایک مشہور صنعتی شہر ہے جہاں کی ساڑی پوری دنیا میں مشہور ہے، اس شہر میں مختلف مقامات پر مندر بہت ہیں، قدیم زمانہ میں ان مندروں میں مرتاض پنڈت بھی رہتے تھے جو ریاضت و مجاہدہ کی وجہ سے منجانب اللہ استدراج کے بھی حامل تھے، انہی پنڈتوں میں ایک پنڈت ایسا تھا جو سال میں ایک مرتبہ عوامی

درشن کے لئے اپنے گوفہ سے نکلتا تھا، اس کے نکلنے کے دن پورا میلہ لگتا تھا اور گرد و پیش کے انسانوں کا بڑا ہجوم ہوتا تھا، اس ہجوم میں ہندوؤں کی کثرت ہوتی تھی لیکن کچھ مسلمان بھی پنڈت کو دیکھنے چلے جایا کرتے تھے۔

جب پنڈت نکلتا تو اس کے درشن کے لئے لوگوں کا دو رویا قطار لگتا تھا اور پنڈت سر جھکائے ہوئے جہاں تک لوگ ہوتے تھے گزرتا تھا، لوگ اس کو دیکھ کر کچھ نذرانہ بھی پیش کرتے تھے جس کو معتقدین چادروں میں جمع کرتے ہوئے چلتے تھے۔

ایک مرتبہ انہیں تماشہ بینوں میں حضرت گنگوہی کے ایک مرید بھی پہونچ گئے اور وہ بھی درشن کے لئے لگی ہوئی قطار کے پیچھے کی لائن میں کھڑے ہوگئے۔ پنڈت حسب معمول گردن جھکائے ہوئے آنکھیں بند کیے ہوئے دو قطار کے بیچ سے گزر رہا تھا، جب حضرت گنگوہی کے مرید کے پاس پہونچا تو کھڑا ہوگیا، سر اٹھایا، پلکوں کو دونوں ہاتھوں سے اٹھایا اور اس دور کھڑے ہوئے مرید کو قریب بلایا اور پوچھا کہ تم کس سے بیعت ہو، مرید نے حضرت گنگوہی کا نام بتایا، پنڈت نے اس کے بعد کہا کہ تمہارے پیر بہت بڑے آدمی ہیں اور حضرت گنگوہی کی خانقاہ کا پورا نقشہ اس نے بتایا، اس کے بعد اپنی بھنو کو نیچے کر کے گردن جھکا کر آگے بڑھ گیا، قسمت کی بات یہ رہی کہ اس نے کوئی تصرف نہیں کیا۔ میلہ سے واپس آنے کے بعد پورے واقعہ کی اطلاع اس مرید نے حضرت گنگوہی کو کی، حضرت گنگوہی نے جواب

میں اس مرید کو اس انداز کے میلوں میں شرکت کرنے اور جانے سے سختی سے منع فرمایا، اس لئے عام مسلمانوں کو بھی اس انداز کے میلوں ٹھیلوں سے بہت زیادہ پرہیز کرنے کی ضرورت ہے۔

تصورشیخ

تصورشیخ کا تذکرہ حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید کے واقعہ میں گزر چکا ہے۔ دوران گفتگو ایک سالک نے سوال کیا کہ حضرت تصورشیخ کس کو کہتے ہیں؟

حضرت نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ تصورشیخ ایک خاص عمل کو کہتے ہیں جس کا قدیم صوفیاء کے یہاں رواج تھا اور معمول بھی تھا، بلکہ حضرت تھانویؒ نے بھی اپنے بعض مسترشدین کو تصورشیخ کے عمل کی اجازت دی اور بعض مسترشدین نے بعض امراض قلبیہ کے ازالہ کے لئے تصورشیخ کی اجازت چاہی تو استصواب میں جواب مرحمت فرمایا۔

تصورشیخ کا حاصل یہ ہے کہ طبعی تشتت اور امراض روحانی وقلبی، ہموم وغموم کے ازالہ کے لئے پوری یکسوئی کے ساتھ مسترشد مراقب ہوجائے اور گردن جھکا کر قلب کی طرف متوجہ ہوکر کچھ دیر اپنے شیخ ومرشد کی شکل وصورت کو دل ودماغ میں لائے اور شیخ کے فیضان اور توجہ کی مبذولیت کے ساتھ اتنی دیر اس میں مستغرق

ہو جائے کہ قلب و ذہن کو یکسوئی اور فرحت اور دلجمعی حاصل ہو جائے، اس تصور سے بہت سے امور فاسدہ کا انسداد بھی ہو جاتا ہے اور ازالہ بھی۔

زمانہ قدیم میں حضرات صوفیاء کے یہاں اس تصور کو تصدیق کا درجہ حاصل تھا اور بہت سے مسترشدین باطنی امراض کے ازالہ کے لئے استعمال کرتے رہے اور ان کو خاطر خواہ نفع بھی ہوتا رہا۔

لیکن بعد کے کچھ علماء و صوفیاء نے اس پر نقد شروع کر دیا جس کی وجہ سے عمومی طور پر حضرات مشائخ کے یہاں اس کی تلقین موقوف کر دی گئی، لیکن جزئی طور پر اس کے اثبات سے انکار نہیں کیا جا سکتا، جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے اور ضابطہ ہے کہ سلب کلی کے ابطال کے لئے اثبات جزئی کافی ہوا کرتی ہے۔

لہٰذا کلی طور پر اس کی اجازت بھی نہیں دی جا سکتی، شیخ سالک و مسترشد کے حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی اجازت دے سکتا ہے۔

استغراق کس کو کہتے ہیں

ایک سلسلہ گفتگو میں ایک سالک نے سوال کیا کہ حضرت استغراق کس کو کہتے ہیں؟ تو حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ استغراق تصوف کی ایک اصطلاح ہے۔ عام طور پر حضرات صوفیاء کے یہاں اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے اور زمانہ قدیم میں سلسلہ تصوف سے جو حضرات مشائخ

مربوط تھے ان کا گزر اکثر ان کیفیات سے ہوا کرتا تھا۔

استغراق اس کیفیت کو کہتے ہیں جس میں عارف کی گردن قلب کی طرف جھک جاتی ہے اور دیدار تجلی خداوندی میں وہ غرق ہو جاتا ہے۔ اس لئے حضرات فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ کیفیت نماز کی ہیئت پر بیٹھے ہوئے پیدا ہو جائے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا اور اگر بیٹھنے کی ہیئت نماز کی نہ ہو تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

حضرات صوفیاء کے یہاں استغراق نیند کے مشابہ ہے، اس لئے نوم اور نیند پر نقض وضوء اور عدم نقض کا جو حکم مرتب ہوتا ہے وہی حکم استغراق پر بھی مرتب ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرات فقہاء نے وہ بات کہی ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔

لیکن حضرات صوفیاء نے استغراق اور نوم میں فرق بیان کرتے ہوئے ایک بہت دقیق بات کہی ہے جس کو عارفین و سالکین ہی سمجھ سکتے ہیں، عام لوگوں کے فہم سے وہ بالاتر ہے۔

چنانچہ دونوں میں فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ استغراق اگرچہ نوم کے مشابہ ہے لیکن دونوں میں یہ فرق ہے کہ استغراق میں قلب یعنی دل بیدار بحق ہوتا ہے اور نوم یعنی نیند میں بیدار بخلق ہوتا ہے، گویا کہ قلبی بیداری دونوں حالت میں ہوتی ہے، ایک میں بیداری خالق کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے اور دوسرے میں بیداری خلق کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ یہ بہت دقیق اور فنی بات ہے جس کو سالکین کے لئے دقت نظر کے ساتھ محفوظ رکھنے کی ضرورت ہے ورنہ خربطہ کے شکار ہو سکتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی کے استغراق کا واقعہ

گنگوہ ضلع سہارنپور کا ایک مشہور قصبہ ہے جو کسی زمانہ میں روحانیت کا مرکز رہا ہے، جس کے نشانات کھنڈرات کی شکل میں آج بھی وہاں موجود ہیں، نویں صدی ہجری میں اللہ پاک نے ایک ایسی شخصیت کو پیدا فرمایا جس نے اپنے علم و روحانیت کے ساتھ اپنی باطنی قوت کے ذریعہ قصبہ گنگوہ کو اتنا معروف و مشہور بنا دیا کہ آج تک دنیا اس قصبہ کو فراموش نہیں کر سکی۔

حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی حضرت شاہ ابو المعالی حضرت شاہ ابوسعود گنگوہی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے علم و کمال، جاہ و جلال، عظمت و جمال، رفعت جاہ کی چاشنی حاصل کرنے اور فیوض و برکات سے اپنے دامن کو بھرنے کے لئے دنیا آج بھی جوق در جوق گنگوہ شریف کی زیارت کے لئے مجبور ہے اور اس سرزمین کی عظمت و تقدس اور اس کا احترام آج بھی اپنوں اور غیروں میں دیکھا جا سکتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالقدوس بن اسماعیل بن صفی بن نصر حنفی رودولوی ثم الگنگوہی ۸۶۰ھ میں پیدا ہوئے، اتباع سنت کے ساتھ علوم ظاہرہ اور باطنہ میں آپ نے کمال حاصل کیا، گرچہ آپ شیخ محمد بن شیخ عارف کے خلفاء میں سے ہیں، لیکن آپ کے کمالات کی تکمیل حضرت شیخ عبدالحق رودولوی سے بلاواسطہ بفیض روحانی ہوئی۔ تقریباً ۳۵ پینتیس سال آپ کا قیام رودولی شریف میں رہا لیکن سلطان سکندر لودھی

کے امراء میں سے عمر خان کاسی کی درخواست پر آپ شاہ آباد تشریف لائے اور پینتیس (۳۵) ہی سال وہاں بھی مقیم رہے۔

ظہیر الدین بابر کے زمانہ میں آپ گنگوہ ہجرت کر کے تشریف لائے اور چودہ (۱۴) سال وہاں قیام فرمایا۔

حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہی علیہ الرحمہ کا انتقال ۹۴۴ھ میں ہوا، آپ صاحب استغراق مشائخ میں سے تھے۔ آپ پر اکثر استغراق کا غلبہ رہا کرتا تھا، اخیر عمر میں یہ حال ہو گیا تھا کہ دائمی طور پر ہمہ وقت استغراق کی کیفیت طاری رہا کرتی تھی، اذان کے بعد آپ کے لڑکے شاہ رکن الدین آپ کے پاس تشریف لے جاتے اور ابا ابا کہہ کر آواز دیتے، بڑی مشکل سے سر اٹھتا تو پوچھتے کون؟ جواب میں فرماتے رکن الدین۔ پھر اسی حال میں سوال فرماتے کون رکن الدین؟ تو جواب میں فرماتے آپ کا لڑکا رکن الدین، اس کے بعد پھر استغراق کی کیفیت طاری ہو جاتی، بڑی مشکل سے مسلسل بیدار کرنے کے بعد بیدار ہوتے اور وضوء و نماز سے فارغ ہونے کے بعد پھر مستغرق ہو جاتے، داعی اجل کو لبیک کہنے تک استغراق کی یہی کیفیت طاری رہی۔ سچ کہا ہے کسی نے ؎

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

یہ مقام رفیع جس کو ملا مل گیا۔ ع

”ہر ہوسنا کے نہ داند جام و سنداں باختن

اس دولت عظمی سے اللہ پاک اپنے کچھ مخصوص بندوں کو سرفراز فرماتے ہیں جن میں سے ایک حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب گنگوہیؒ بھی ہیں جن کا تذکرہ ابھی آپ کے سامنے آیا۔

قبض وبسط کی تشریح

قبض اور بسط بھی ان الفاظ میں سے ہے جس کا استعمال حضرات صوفیاء کے یہاں بکثرت ہوتا ہے۔

سالکین ومسترشدین کو خطاب کرتے ہوئے حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ قبض اور بسط کا استعمال بھی تصوف اور صوفیاء کے کلام میں بکثرت ہوتا ہے، اس لئے اس کو بھی سمجھنا ضروری ہے کہ قبض وبسط کس کو کہتے ہیں۔

قبض کہتے ہیں محبوب کی تجلی جلال یعنی آثار عظمت واستغناء کے فی الحال وارد ہونے سے قلب کا گرفتہ ہونا۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سالک کو عبادت وریاضت، ذکر وتلاوت میں جو لذت ملتی ہے اور اس کی وجہ سے طبیعت میں جو انبساط اور انشراح ہوتا ہے اور ان اعمال کی طرف جو قلبی میلان ہوتا ہے وہ یکسر ختم ہو جاتا ہے اور ذوق وشوق کا فقدان ہو جاتا ہے تو ان کیفیات سے اپنے مرشد اور شیخ کو فوراً آگاہ کرنا چاہئے اور تجویز کردہ علاج کے ذریعہ قبض کو ختم کرنا چاہئے تاکہ پرانی کیفیت عود کرآئے۔

دوسرا لفظ ''بسط'' ہے۔ بسط کہتے ہیں محبوب کی تجلی جمال یعنی آثار لطف وفضل کے فی الحال وارد ہونے سے قلب کو فرحت وسرور حاصل ہونا۔

جب محبوب کی طرف سے جمال کی تجلی ہوتی ہے یعنی لطف وفضل کے آثار کا ورود ہوتا ہے تو قلب ایک خاص قسم کی فرحت وسرور ونشاط محسوس کرتا ہے جس کی وجہ سے اعمال کی طرف جھکاؤ ہوتا ہے، اعمال کی اس کو رغبت ہوتی ہے، ذکر وتلاوت میں ایک خاص قسم کا مزہ آتا ہے اور بار بار اعمال کے کرنے کو دل چاہتا ہے، یہ باتیں بسط کی حالت میں حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے ہر سالک کے ذہن میں قبض وبسط کا مفہوم رہنا چاہئے تاکہ کیفیات کا اندازہ لگانے میں دقت نہ ہو اور بغیر کسی الجھن و دشواری کے سفر سلوک طے ہوتا رہے۔

قبض کے اسباب مختلفہ

سالکین ومسترشدین کو خطاب کرتے ہوئے حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ جب آپ حضرات یہ سمجھ گئے کہ قبض وبسط کس کو کہتے ہیں تو یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ قبض کے اسباب مختلف ہیں۔

ا۔ کبھی قبض باطن۔ معصیت کے ارتکاب کی وجہ سے ہوتا ہے خواہ وہ معصیت عینی ہو یا لسانی، انفی ہو یا اذنی، یدی ہو یا رجلی، عملی ہو یا فکری۔ بہرحال معصیت جو سالک کے لئے انتہائی درجہ مہلک اور زہر ہے اس کے ارتکاب سے بھی

خواہ دانستہ ہو یا نا دانستہ لیلاً ہو یا نہاراً، عمداً ہو یا سہواً، خلوۃً ہو یا جلوۃ قبض طاری ہو جاتا ہے اور اعمال سے بے رغبتی پیدا ہو جاتی ہے اور ذکر و تلاوت کا شوق کم یا ختم ہو جاتا ہے، اس کا علاج توبہ و استغفار ہے، لہٰذا سالک کو چاہئے کہ قولی طور پر توبہ اور استغفار کا اہتمام کرے اور عملی طور پر بھی صلوۃ التوبہ کا التزام کرے۔

۲-کبھی دماغ کی خشکی اور کسی بیماری کی وجہ سے بھی قبض ہوتا ہے، لیکن یہ صورۃً قبض ہوتا ہے جس میں علاج کی ضرورت پڑتی ہے اور طبیب سے مراجعت اور مشورہ کی ضرورت پڑتی ہے۔

لہٰذا اگر قبض کی وجہ دماغ کی خشکی یا جریان یا کثرت احتلام یا دیگر کوئی بیماری ہو تو شیخ و مرشد کو اطلاع کے ساتھ کسی ماہر ڈاکٹر یا طبیب سے رجوع کر کے اس کا علاج و معالجہ کرانا چاہئے۔

۳-کبھی کسی ناگوار طبع بات یا کام کے پیش آجانے کی وجہ سے بھی قبض ہوتا ہے، اس کا علاج اس ناگوار خاطر جزء کا ازالہ ہے، خواہ بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ، بعجلت ہو یا بدیر جب تک وہ چیز ختم نہیں ہوگی اس وقت تک قبض کا ازالہ نہیں ہوتا، اس لئے ان امور کو ذہن میں رکھ کر ہر سالک کو چلنا چاہئے۔

جذب وسلوک کی تشریح

سالکین و مسترشدین سے گفتگو کرتے ہوئے حضرت حبیب الامت دامت

برکاتہم نے فرمایا کہ جذب وسلوک بھی تصوف کی اصطلاح ہے۔عام طور پر حضرات صوفیاء اس کو استعمال کرتے ہیں۔سلوک کے معنی چلنے کے آتے ہیں۔سالک اس شخص کو کہا جاتا ہے جو منزل بہ منزل چل کر اور طریق وطریقت کے مجاہدات کو برداشت کرکے کسی مقام تک پہونچتا ہے،جس مقام پر پہونچ کر وہ منتہی کہلاتا ہے۔

اگرچہ طریقت میں سالک کبھی انتہا کو نہیں پہونچتا اور نہ ہی کسی سالک کو اپنے کو منتہی سمجھنا چاہیے جس کا تذکرہ آئندہ ان شاءاللہ کبھی آئے گا۔

جس طرح علم کسبی کے طلباء پہلے اردو دینیات کا علم حاصل کرتے ہیں اس کے بعد درجہ فارسی میں داخل ہوتے ہیں پھر عربی اول و دوم وسوم میں داخلہ لیتے ہیں اور سال بھر اس درجہ میں رہ کر مختلف مجاہدات سے گزرنا پڑتا ہے، بالتدریج وہ دورۂ حدیث اور درجہ فضیلت تک پہونچتے ہیں۔اسی طرح سالک درجہ بدرجہ آگے بڑھتا ہے،مختلف مجاہدات سے گزر کر ذکر سری میں قدم رکھتا ہے،اس کے بعد ذکر جہری کا سبق اس کو ملتا ہے، پھر بالتدریج ذکر ناسوتی، ذکر ملکوتی، ذکر جبروتی، ذکر لاہوتی سے گزرتا ہوا حسب استعداد وصلاحیت دوسرے اذکار میں قدم رکھتا ہے پھر ذکر حدادی، ذکر قلندری، ذکر سرمدی، ذکر ارہ، سلطان الاذکار کے اسباق سے گزر کر پاس انفاس مراقبات سیر باللہ سیر فی اللہ سیر الی اللہ کے مراحل سے سالک گزرتا ہوا حبس دم اور وحدت الوجود اور وحدت الشہود تک پہونچتا ہے۔پھر بقائیت اور فنائیت کی حلاوت محسوس کرتا ہے۔

جذب کے معنی انتخاب اور کھینچنے کے آتے ہیں جس کا تذکرہ قرآن کریم میں بھی ہے۔ اللہ یجتبی إليه من يشاء و يهدي إليه من ينيب ۔ یہاں اجتباء کا حاصل جذب ہے اور یھدی إلیہ من ینیب میں سلوک داخل ہے جس میں کبھی صرف اراءۃ طریق پر بات سمٹ کر رہ جاتی ہے اور کبھی ایصال الی المطلوب کے بعد بات مکمل ہوتی ہے۔

جس طرح کبھی اللہ کی رضاء کے حصول اور اس کے قرب کی تحصیل اور اس کی معرفت و معیت کی جستجو میں کسی کو ایک مدت درکار ہوتی ہے، تب جا کر یہ صفات اس کو حاصل ہوتے ہیں اور کبھی کسی بندہ کا اللہ پاک از خود انتخاب فرما لیتے ہیں جس کو جذب سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کو اپنی ولایت و نسبت اور اپنا تعلق خاص و رضاء و قرب اور معرفت و معیت سے سرفراز فرما دیتے ہیں۔

اس کو مثال سے یوں سمجھیں کہ ایک بچہ ہے جو آپ سے فاصلہ پر کھڑا ہے اور آپ اس کو ٹافی دینا چاہتے ہیں اب اس کے حصول کی دو شکلیں ہیں:

۱- آپ وہ ٹافی اس بچہ کو دکھائیں اور اس کو ترغیب دیں کہ بیٹا چلے آؤ اور مجھ سے یہ ٹافی لے لو پھر وہ افتاں و خیزاں گرتا پڑتا بمشکل تمام آپ تک پہونچے اور آپ کے ہاتھ سے ٹافی وصول کرے۔

۲- دوسری شکل یہ ہے کہ آپ خود اس بچہ کے پاس پہونچ جائیں اور اس کے ہاتھ میں ٹافی دے دیں۔ پہلے کا نام سلوک ہے اور دوسرے کا نام جذب ہے۔

دنیا کے اندر جہاں لاکھوں سالکین پائے گئے اور آج بھی موجود ہیں اسی طرح ایک اچھی خاصی تعداد مجاذیب کی بھی رہی ہے، اگرچہ زمانہ قدیم کی بہ نسبت حال میں ان میں کمی آئی ہے،لیکن ان کے وجود کا انکارنہیں کیا جاسکتا۔

دلی کے ایک مجذوب کا واقعہ

اسی سلسلہ گفتگو میں حضرت نے دلی کے ایک مجذوب کا واقعہ سنایا چوں کہ کسی زمانہ میں دلی علماء صلحاء اولیاء مشائخ سالکین مجاذیب کا مرکز رہا ہےاور جامع مسجد کے اردگرد ان کی اچھی خاصی تعداد رہا کرتی تھی جن کو سمجھنے والے سمجھ پاتے تھے، ہر شخص کی سمجھ سے ان کا مقام وراء ہوا کرتا تھا، عام طور پر لوگ ان کو دیوانہ و پاگل سمجھتے تھے۔

اسی زمانہ میں جب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی گنگوہ میں باحیات تھے ایک مجذوب جامع مسجد کی سیڑھی پر اپنے ہاتھ میں سیب لئے ہوئے اچھال رہا تھااور یہ کہہ رہا تھا کہ یہ سیب مولوی رشید احمد گنگوہی کھائے گا، ایک صاحب نظر کا گزر اس کے پاس سے ہوا، انہوں نے ٹھہر کر اس کی بات توجہ کے ساتھ سنی اور یہ کہا کہ یہ سیب مجھ کو دے دو اس نے یہ کہتے ہوئے دینے سے انکار کر دیا کہ یہ تو مولوی رشید احمد گنگوہی کا ہے، وہی کھائے گا، کسی طرح صرف دیکھنے کے لئے وہ صاحب اس سیب کو اپنے ہاتھ میں لینے میں کامیاب ہوگئے، وہ کہنے لگے کہ وہ سیب اتنا گرم تھا کہ ہاتھ میں رکھنے کے قابل نہیں تھا، ہاتھ اس کی حرارت کو برداشت نہیں کر پایا اور فوراً اس مجذوب کو وہ

سیب واپس کر دیا۔ جب اس واقعہ کی اطلاع اور خبر ایک باخبر اور صاحب نسبت بزرگ کو ہوئی تو انہوں نے فرمایا اس مجذوب کے ہاتھ کا سیب اگر وہ کھا لیتے تو وہ خود بھی مجذوب ہو جاتے۔

سہارنپور کے ایک مجذوب کا واقعہ

مجاذیب کی حرکتیں عموماً ایسی ہوتی ہیں جو عام لوگوں کی فہم سے بالاتر ہوتی ہیں۔ سہارنپور میں جس وقت حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ قیام پذیر تھے اس وقت ایک مجذوب سڑک پر اس حال میں چلتا ہوا نظر آیا کہ اس کی حرکت لوگوں کی سمجھ سے باہر تھی، اس کے باوجود ہر طرح کے لوگ اس کے گرد و پیش تماشائی بن کر جمع تھے۔

وہ مجذوب پراگندہ حال پراگندہ بال، انتہائی خستہ و بوسیدہ کپڑوں میں اپنے آلہ تناسل کو ہاتھ میں پکڑے ہوئے یہ کہتا چل رہا تھا کہ یہ اللہ کا الف ہے۔

تماشہ بینوں میں سے ایک صاحب نے کچے گھر میں جا کر پوری صورتحال کی خبر حضرت شیخ کو دی۔ حضرت نے سنانے والے سے یہ کہا کہ اس سے جا کر کہہ دو کہ اللہ کے الف کے نیچے کوئی نقطہ نہیں ہے اور تمہارے الف کے نیچے دو نقطے ہیں۔

چنانچہ انہوں نے حضرت کی یہ بات جا کر اس مجذوب سے کہہ دی مجذوب نے یہ جواب سننے کے بعد فوراً ہاتھ نیچے کر لیا اور زبان بند کر لی اور اس کے بعد دوبارہ

یہ جملہ اپنی زبان سے نہیں نکالا۔

عام طور پر مجاذیب کی باتیں اور حرکتیں اسی انداز کی ہوتی ہیں کہ عام لوگ اس کو پاگل و دیوانہ سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں لیکن اہل دل اہل نظر اصحاب نسبت اس کو سمجھ جاتے ہیں کہ مجنوں و دیوانہ ہے، پاگل و باولا ہے یا یہ مجذوب اور اللہ والا ہے۔

ولایت کے مختلف درجات

ایک سلسلہ گفتگو میں حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ حضرات صوفیاء و اولیاء کے یہاں ولایت کے مختلف مراتب و درجات ہیں اور ہر درجہ کے ولی کا اپنا مقام و منصب ہے جس کا سلسلہ تصوف میں الگ اہمیت وعظمت ہے اور جس کے تقدس کو ہر زمانہ میں مشائخ واولیاء نے ملحوظ ومحفوظ رکھا ہے۔

عربی کا مقولہ ہے: **لولا الاعتبارات لبطلت الحكمة** اور فارسی کا مقولہ ہے: گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی اس لئے مراتب اور مقامات اور اس کے فرق کو بھی ملحوظ رکھنا اور سمجھنا چاہئے۔ حضرات صوفیاء کی تحقیق کے مطابق ولایت میں سب سے اونچا درجہ غوث کا ہوتا ہے اور غوث پوری دنیا میں ایک ہی ہوا کرتا ہے، اس کے بعد دوسرے نمبر پر قطب کا درجہ ہوتا ہے اور یہ غوث کے تابع ہوتے ہیں اور دنیا کے چاروں کونوں پر یہ مامور ہوتے ہیں، ان کی باگ ڈور اور لگام غوث کے قبضہ اور ہاتھ میں ہوتی ہے۔ غوث ہی کے حکم کے مطابق ان کا عزل ونصب ہوتا ہے اور یہ مسلسل

غوث کے تابع ہوتے ہیں۔اس کے بعد تیسرا نمبر نجیب کا ہوتا ہے جو قطب کے نیچے ہوتا ہے اور یہ ایک شہر میں ایک ہی ہوتے ہیں۔

چوتھے نمبر پر ابدال ہوتے ہیں اور پانچویں نمبر پر جو اولیاء ہوتے ہیں، ان کا نام نقیب ہے، ان میں سب سے اونچا منصب غوث کا ہوتا ہے اور سب سے آخری منصب نقیب کا ہوتا ہے اور باقی مناصب ان کے درمیان کے ہیں۔

بعض حضرات صوفیاء کی رائے یہ ہے کہ ان سب کا ہیڈ کوارٹر غار حرا ہے جہاں یہ سارے حضرات جمع ہوتے ہیں۔

غوث، قطب، ابدال، نجباء ونقباء کی انسانوں سے ہمدردی

اسی سلسلۂ گفتگو میں حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا ایسا نہیں ہے کہ یہ اللہ والے صرف اللہ کے ہی تعلق میں لگے رہتے ہیں اور خلق کو بھول کر صرف خالق کی رضاء جوئی ہی ان کا مشغلہ ہوتا ہے، بلکہ خلق اور احوال خلق پر بھی ان کی نظر ہوتی ہے اور خلق خدا کو پریشان حال دیکھتے یا سنتے ہیں تو ان اللہ والوں کا دل بھی تلملا جاتا ہے اور امت کے لئے اور ان کی اصلاح حال کے لئے پریشان ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ جب اللہ کی مخلوق اور اللہ کے بندے کسی ابتلاء عام کے شکار ہوتے ہیں تو اس کے ازالہ کے لئے سب سے پہلے حضرات نقباء کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ

کے حضور میں دست بدعاء ہوتے ہیں، اگر ان حضرات کی دعاء قبول ہوگئی اور ابتلاء و مصیبت سے خلق خدا کو نجات مل گئی تو فبہا۔

ورنہ پھر نجباء کی جماعت دعاء گو ہوتی ہے، اگر ان حضرات کی دعاء قبول ہوگئی اور ابتلاء عام سے اللہ کی مخلوق کو نجات حاصل ہوگئی تو فبہا ورنہ تیسرے نمبر پر اخیار کی جماعت دعا گو ہوتی ہے، اگر ان کی دعاء قبول ہوگئی اور مصیبت عامہ کا ازالہ ہوگیا تو فبہا ورنہ پھر چوتھے نمبر پر اقطاب دست بدعاء ہوتے ہیں اور ازالہ مصائب وآلام کے لئے فکر مند ہوجاتے ہیں، اگر ان حضرات کی دعاء قبول ہوگئی اور ابتلاء عام کا ازالہ ہوگیا تو فبہا۔ ورنہ پانچویں نمبر پر غوث ہاتھ اٹھاتے ہیں، بالآخر ان کی دعاء قبول ہوتی ہے اور خلق خدا کو مصیبت عامہ سے راحت ملتی ہے، کبھی یہ سلسلہ دراز بھی ہوجاتا ہے اور کبھی جلدی ہی انتہاء کو پہونچ جاتا ہے۔

بہر حال حضرات اولیاء وصوفیاء ومشائخ دردمند دل رکھتے ہیں اور خلق خدا کے درد کو محسوس کرنے اور اس کے ازالہ ودفعیہ کے لئے پورے طور پر فکر مند ہوتے ہیں اور جب تک راحت نہ مل جائے فکر مند رہتے ہیں اور دعاء کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔

ولی اور ولایت کی تشریح

حضرات صوفیاء اور مشائخ کے یہاں جہاں بہت سے الفاظ رائج ہیں ان میں ایک لفظ ’’ولایت‘‘ بھی ہے۔ عام لوگوں کی زبان پر بھی عموماً یہ لفظ دوران گفتگو

جاری ہو جاتا ہے کہ فلاں تو اللہ کا ولی ہے۔

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سالکین و مسترشدین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ سالک کو یہ بھی جان لینا چاہئے کہ ولی اور ولایت کس کو کہتے ہیں اور یہ یاد رکھنا چاہئے کہ لفظ ''ولی'' اتنا عام لفظ نہیں ہے جتنا عام لوگ سمجھتے ہیں۔ لہٰذا ہر کس و ناکس کو ولی کہہ دینا بغیر اس کے مفہوم کے انطباق کے غلط ہے۔ خاص طور پر سالکین کو تو اس لفظ کے استعمال میں بہت احتیاط برتنا چاہئے۔

حضرت جنید بغدادی کبار مشائخ میں سے ہیں، وہ فرمایا کرتے تھے کہ ولی والی اسرار ہوتا ہے، ان کی نظر اسرار و رموز پر ہوتی ہے، جہاں دوسروں کی نظر نہیں ہوتی اور جب اس مقام پر پہونچ جاتے ہیں تو وہ خلعت ولایت سے سرفراز کر دیئے جاتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی کی یہ بات بہت اہم ہے جس سے بخوبی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ جو شخص والی اسرار نہ ہو اور اس کی نظر اسرار و رموز پر نہ ہو اس کو صفت ولایت کے ساتھ متصف نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس پر ولی کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے اس حقیقت کو ہر سالک کو چاہئے کہ ذہن نشین کر لے اور الفاظ کے اطلاقات میں عند المشائخ مفاہیم معتبرہ کی اعتباریت کا فقدان نہ ہونے دے جو انتہائی اہم و ضروری ہے۔

ولایت کی قسمیں

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلۂ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے سالکین سے فرمایا کہ حضرات صوفیاء کے یہاں ولایت کی دو قسمیں ہیں: (۱) ولایت

خاصہ (۲) ولایت عامہ۔

اگر چہ ان دونوں کے درمیان حضرات صوفیاء کے یہاں کوئی بڑا فرق نہیں ہے تاہم کچھ فرق ضرور ہے۔

اگر کشف و کرامت جیسی نعمت سے ولی کو سرفراز کیا گیا ہے جو اگر چہ اس طریق کا مقصود بالذات نہیں ہے تو اس کی تعبیر ولایت خاصہ سے کی جاتی ہے۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ ولایت خاصہ کے ساتھ اسی ولی کو متصف کیا جا سکتا ہے جو دیگر نوازشات کے ساتھ صاحب کشف و کرامت بھی ہو۔ اور اگر ولی بہت سے کمالات کا حامل ہو لیکن صاحب کشف و کرامت نہ ہو تو اس کی تعبیر حضرات صوفیاء کے یہاں ولایت عامہ سے کی جاتی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ ولایت عامہ کے اطلاق کے لئے ولی کا صاحب کشف و کرامت ہونا ضروری نہیں۔

یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ کشف و کرامت اگر چہ لوازمات میں سے نہیں ہے لیکن اس کے مناسبات ولایت میں سے ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بہت سے اولیاء کرام اس وصف کے ساتھ متصف رہے ہیں جن کے واقعات سے تاریخ تصوف کے اوراق لبریز ہیں۔

کشف و کرامت کی تشریح

ماسبق کی گفتگو کو دراز کرتے ہوئے حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے

سالکین سے فرمایا کہ کشف اور کرامت یہ وہ الفاظ ہیں جن کا استعمال بکثرت کتب تصوف کے ساتھ زبان صوفیاء پر رہتا ہے،لہٰذا یہ سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ کشف و کرامت کس کو کہتے ہیں۔آج کی گفتگو میں ان دونوں الفاظ کی تفہیم وتشریح کی سعی ہوگی۔

کشف کے معنی کھلنے کے آتے ہیں،لیکن صوفیاء کی اصطلاح میں کن اسرار و رموز کے کھلنے پر کشف کا اطلاق کیا جاتا ہے ان کے سمجھنے سے پہلے بنیادی بات سمجھنی ضروری ہے۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"**ان فی الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد كله، و إذا فسدت فسد الجسد كله**" اسی لئے نظام باطن میں اہل باطن نے بطن سے زیادہ قلب کی اہمیت کو سمجھا ہے،اس لئے بزرگوں کا مقولہ ہے: **قلب المومن بيت الله** ۔کہ مومن کا دل اللہ کا گھر ہے،یعنی اس کی ذات وصفات کی تجلی گاہ اگر اعضاء انسانی میں کوئی عضو ہے تو وہ قلب ہے،لیکن ہر قلب چونکہ حالات کے ساتھ مقلوب ہوتا رہتا ہے(**يقلب كيف يشاء**)اس لئے احوال بدو اعمال بد سے متاثر ہوکر زنگ آلود ہوجاتا ہے۔(کلا بل ران علی قلوبہم ما کانو یکسبون)۔قلب کو کسی کام کے لائق بنانے کے لئے تخلیہ،تجلیہ ،تصفیہ،تنقیہ کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ کام صرف ذکر اللہ ہی کے ذریعہ ہوسکتا ہے۔چنانچہ ارشاد نبوی ہے:"**لكل شئ صقالة و صقالة القلب ذكر الله**"۔اس لئے خانقاہوں میں جب لوگ بداعمالیوں کی وجہ سے قلب سیاہ لے کر پہونچتے ہیں جو کسی کام کے لائق نہیں ہوتا تو حضرات صوفیاء اس سیاہی کو

دور کرنے کے لئے ذکر ناسوتی، ملکوتی، جبروتی، لاہوتی، حدادی، قلندری، ارہ، سرمدی، سلطان الاذکار کی ضربیں لگواتے ہیں پھر وہ قلب دھیرے دھیرے مجلّی، مزکی، مصفی، منقح ہوجاتا ہے۔ پھر ایک دن وہ آتا ہے کہ یہی ذاکر کہنے لگتا ہے کہ: ؎

تو دل میں تو آتا ہے پر سمجھ میں نہیں آتا
اب جان گئے ہم تیری پہچان یہی ہے۔

پھر اس کا دل دَل دَل سے نکل کر دُل دُل ہوجاتا ہے اور قلب المومن بیت اللہ کا مصداق بن جاتا ہے اور اسرار و رموز کی تجلیات کا مہبط بن جاتا ہے اور مکنونات و مخفیات کا مظہر بن جاتا ہے پھر ایک دن وہ آتا ہے کہ وہ کہنے لگتا ہے: ؎

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

اسی کا نام کشف ہے اور اس مقام پر پہونچ کر صاحب مقام صاحب کشف کہلانے لگتا ہے، چونکہ اس کا دل آئینہ بن چکا ہے تو جس طرح ہر چیز کا عکس آئینہ میں آتا ہے اور آئینہ کے سامنے سے گزرنے والا آئینہ کی عکاسی سے اپنے کو بچا نہیں سکتا اسی طرح ایسا آئینہ دار اصحاب قلوب کے پاس پہونچنے والے یا گزرنے والے اعمال بد پر پردہ نہیں ڈال پاتے بلکہ ان کا حال ان پر منکشف ہوجاتا ہے، یہ وہ مقام ہے جہاں پھونچ کر اپنے کو سنبھالنے کی ضرورت پڑتی ہے اور اظہار سے زیادہ اخفاء و تستر سے کام لینا پڑتا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ کا واقعہ

حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ جو امام اعظم کے لقب سے معروف ہیں، وہ جہاں بہت بڑے تاجر تھے، فقہ کے امام بھی تھے، جتنی گہری نظر فن فقہ پر ان کی تھی اور کتاب وسنت اجماع وقیاس سے جس ورع وتقوی، خشیت واحتیاط کے ساتھ مسائل کا استنباط واستخراج کیا اس کی نظیر کم یاب ہی نہیں بلکہ کم یافت ہے۔

حضرت امام صاحب جہاں بہت بڑے فقیہ اور محدث تھے وہیں ایک عابد و زاہد، شب گزار، عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز تسلسل کے ساتھ پڑھنے والے صاحب کشف وکرامت ولی بھی تھے۔

چنانچہ آپ جس مسجد میں نماز ادا کیا کرتے تھے نماز سے پہلے مسجد میں آپ تشریف فرما ہوتے، لوگ نماز کے لئے مسجد میں آتے وضوء کرتے اور نماز کی تیاری کرتے تو وضوء کرتے ہوئے جب چہرہ اور ہاتھ اور پاؤں دھوتے تو ان اعضاء کو دھوتے ہوئے پانی کے قطرات کے ساتھ جن گناہوں کا اثر دھلتا وہ حضرت امام صاحب کو نظر آیا کرتا تھا کہ یہ شخص کونسا گناہ کر کے مسجد میں آیا ہے۔ لیکن حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس روئیت پر حیاء آنے لگی کہ اللہ کے بندوں کے عیوب و نقائص، ذنوب وکبائر میری نگاہ سے گزرتے ہیں، لہٰذا حضرت امام اعظمؒ نے اللہ سے گریہ وزاری کے ساتھ دعاء کی کہ اے اللہ مجھ سے یہ دولت چھین لی جائے، مجھے اچھا

نہیں لگتا کہ آپ کے بندوں کے عیوب میں دیکھوں، آپ کی ذات پاک ستار ہے اور حکم ہے: ''تخلقوا باخلاق الله'' ۔لہٰذا انسانوں میں بھی تستر کی صفت ہونی چاہئے۔ چنانچہ کچھ دنوں کے بعد اللہ نے دعاء قبول کی اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ اس کشف کی دولت سے محروم کر دیئے گئے اور کشف کی دولت سلب کر لی گئی، جس کشف کو حاصل کرنے کے لئے لوگ نہ معلوم کیا کیا زحمتیں اٹھاتے ہیں حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ نے دعاء کی طاقت کے ذریعہ اس دولت کو اپنی ذات سے دور کیا۔ ع

ببیں تفاوت ره از کجا تا بکجا

روم اور چین والوں کا واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سالکین سے گفتگو فرماتے ہوئے فرمایا:''لکل شئ صقالة وصقالة القلب ذكر الله'' کو مولانا روم کے بیان کردہ اس واقعہ سے سمجھئے۔

مولانا روم نے لکھا ہے کہ روم اور چین دونوں جگہ کے لوگ فن تصویر میں مہارت رکھتے تھے اور دونوں اپنے فن کے فنکار تھے، اس لئے دونوں میں پُھنکار بھی تھی، یعنی دونوں دعوے دار تھے کہ میں امام ہوں میں بڑا ہوں، چنانچہ دونوں کی بات بادشاہ تک پہونچی اور بادشاہ نے دونوں کی بات سننے کے بعد دونوں کا امتحان طے کیا۔

بادشاہ کے حکم سے ایک بڑا ہال مقرر کیا گیا اور بیچ میں پارٹیشن ڈال دیا گیا اور

ایک کو ایک دیوار دی گئی اور دوسرے کو دوسری۔ اور دونوں سے کہا گیا کہ اس دیوار پر اپنے فن کا مظاہرہ کریں، چنانچہ ایک نے رنگ برنگ کے بیل بوٹے اور اچھی سے اچھی تصویر سازی سے دیوار مزین کیا اور دوسرے نے اپنے حصہ کی دیوار کو گھس کر اور رگڑ رگڑ کر آئینہ کی طرح چمکدار بنا دیا، پھر دونوں نے جا کر بادشاہ سے کہا کہ ہم اپنا فن مکمل کر چکے ہیں، اب آپ چل کر دیکھ لیں۔ بادشاہ نے بیچ کی دیوار ہٹانے کا حکم دیا اس کے بعد بادشاہ اور اس کے ہمراہی بہت سے لوگ دیکھنے کے لئے آئے سب نے اس فنکار کی تعریف کی۔ جس نے دیوار کی گھسائی اور صفائی کر کے آئینہ کی طرح بنا دیا، جس کی وجہ سے سامنے کی طرف کی ساری محنت کا عکس زیادہ خوبصورت انداز میں اس کی دیوار میں نظر آ رہا تھا۔

اسی طرح جب قلب اذکار کی ضربوں کے ذریعہ گھس کر صاف ستھرا ہو جاتا ہے تو اس میں ہر چیز کا عکس نظر آنے لگتا ہے۔

کرامت کی تشریح

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ اب تک کی گفتگو تو کشف کے متعلق تھی اب کرامت کو سمجھئے۔

کرامت نام ہے خرق عادت کسی چیز کے ظہور کا۔ اگر نبی کے ذریعہ کوئی خرق عادت چیز وجود میں آئے تو اس کو معجزہ کہا جاتا ہے، جیسے ید بیضاء، عصاء موسیٰ کا

سانپ بن جانا، یہ وہ خوارق تھے جو حضرات انبیاء علیہ الصلوۃ والتسلیم کو دیئے گئے۔

اور اگر خوارق کا ظہور غیر نبی سے ہو لیکن وہ صاحب ایمان ہو تو اس کو کرامت کہتے ہیں جس کے سیکڑوں واقعات سے تاریخ کے صفحات لبریز ہیں اور زبان زد خاص و عام ہیں، اور اگر خرق عادت چیز کا ظہور کسی غیر مومن کافر و مشرک سے ہو تو اس کو استدراج کہتے ہیں۔

زمانہ قدیم میں بہت سے پنڈت مرتاض گزرے ہیں جن سے بہت سے خوارق کا ظہور ہوا ہے اس پر معجزہ یا کرامت کا اطلاق کرنا غلط ہے، بلکہ اس کے لئے استدراج کا لفظ استعمال کیا جانا چاہئے۔

عربی زبان میں جو الفاظ کتابوں میں پائے جاتے ہیں جو زبانوں پر جاری ہیں، ان کا ایک خاص مفہوم ہے، لہٰذا ان الفاظ کو ان کے مفاہیم کے تناظر میں استعمال کرنا چاہئے، اس کے مفہوم مرادی سے ہٹ کر دوسری جگہ استعمال کرنا اس لفظ کے ساتھ زیادتی اور اس پر ظلم ہے جس کو ہر حال میں ملحوظ رکھنا چاہئے، تا کہ لفظ کا معنی مرادی ضائع نہ ہو۔

لفظ حضرت اور شہید کا مفہوم

ماسبق کی گفتگو کو دراز فرماتے ہوئے حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ الفاظ کے استعمال کے سلسلہ میں آج کل عوام کے ساتھ خواص میں بھی

بہت کوتاہی دیکھی جارہی ہے۔ جیسے لفظ حضرت جس کا ایک خاص مفہوم ہے، اس کا اطلاق انہیں شخصیات پر کیا جاسکتا ہے جو اصحاب فضل وکمال ہوں اور علم وفن کے ماہر ہوں، علم ظاہر کے ساتھ علم باطن پر بھی نظر ہو اور عوام کے یہاں ان کا ایک خاص مقام ہو اور عوام وخواص کی ان کے یہاں علمی وروحانی استفادہ کے لئے آمد ورفت ہو۔

لیکن آج کل اس مفہوم کو بالاتر رکھ کر ایسا بے جا و بے محل لوگ استعمال کر رہے ہیں کہ سن کر افسوس وحیرت کے ساتھ وحشت ہوتی ہے، الفاظ کے مفاہیم اور ان کے اطلاقات کا اعتبار بہت ضروری ہے۔ بے جا و بے محل الفاظ کا استعمال بھی ایک طرح کا ظلم ہے جس سے خاص طور پر علماء کو گریز کرنا چاہئے۔

اسی طرح لفظ شہید کا ایک مفہوم مرادی ہے۔ شہید اس موحد کو کہا جاتا ہے جس کی جان حالت جنگ میں اقدام یا دفاع میں گئی ہو۔

لیکن اس مفہوم مرادی سے ہٹ کر اخبارات ومیڈیا پر پڑھے لکھے لوگوں کی زبان وقلم سے بے محل و بے جا استعمال قابل استعجاب ہی نہیں بلکہ لائق صد افسوس ہے۔ اخبارات ومیڈیا کی دیکھا دیکھی سمجھدار دین دار، اہل علم طبقے کی زبان پر بھی ارادی وغیر ارادی طور پر اس کا بے جا استعمال شروع ہوگیا ہے جو قابل افسوس ہے۔

پیر کیسا ہونا چاہئے

سالکین ومسترشدین سے خطاب کرتے ہوئے حضرت حبیب الامت

دامت برکاتہم نے فرمایا کہ:

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء فرمایا کرتے تھے پیر ایسا ہونا چاہئے جو شریعت، طریقت، حقیقت کا علم رکھتا ہو۔ اسی وجہ سے حضرت خواجہ صاحب غیر عالم کو اپنی اجازت سے سرفراز نہیں فرماتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ تصوف مذہب کی روح اخلاق کی جان اور ایمان کا کمال ہے اور اس کا سرچشمہ قرآن وحدیث ہے۔

اسی لئے حضرت امام مالک فرمایا کرتے تھے: ”**من تصوف ولم یتفقه فقد تزندق**“۔ جس نے تصوف تو سیکھا لیکن قرآن وحدیث کے علم سے ناآشنا رہا وہ زندقہ کے قریب جاسکتا ہے، بددینی کو دین سمجھ سکتا ہے۔

اسی لئے حضرات صوفیاء نے ہمیشہ اپنے مریدین کو اس کی ہدایت کی کہ کسی شخص کی روحانی عظمت کا اندازہ لگانے کے لئے اس کی زندگی کو قرآن وسنت کے آئینہ میں دیکھنا ضروری ہے۔ بلکہ حضرات صوفیاء کا یہ عقیدہ رہا کہ جس کا عمل قرآن و سنت کے خلاف ہو وہ زندقہ ہے۔

بیعت کی حقیقت

سالکین ومسترشدین سے گفتگو کرتے ہوئے حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ بیعت واجب اور فرض نہیں ہے، البتہ اصلاح نفس فرض ہے، بیعت صرف سنت ہے لیکن عموماً دیکھا یہی گیا ہے کہ بغیر کسی اللہ والے کے دامن

سے ہم رشتہ ہوئے اصلاح نہیں ہو پاتی۔اور یہ مقولہ بھی بہت مشہور ہے ’’جس کا کوئی پیر نہیں ہوتا اس کا پیر شیطان بن جاتا ہے‘‘ اور انگلی پکڑ کر ایسے راستہ پر چلانا شروع کرتا ہے کہ اپنے مرید کو جہنم رسید کر کے ہی دم لیتا ہے۔اسی لئے اپنے بڑوں کے بڑوں نے بھی اس چیز کو خوب سمجھا اور حضرت مولانا قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی جیسے اکابرین امت اساطین ملت علوم وفنون کے بحر ذخار، فقہ وفتاوی کے بے تاج بادشاہ علم و ہنر کے تاج محل حدیث وتفسیر کے قطب مینار نے بھی حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی علیہ الرحمہ سے ہم رشتہ ہونا ضروری سمجھا، بیعت ہوئے، روحانیت سے مستفیض ہوئے، سلاسل اربعہ سے فیوض و برکات کے حامل بنے اور علوم ظاہرہ کے ساتھ علوم باطنہ کے جامع بنے۔

بیعت میں ایک نفسیاتی حقیقت پوشیدہ ہے جب انسان اپنے ماضی کا تنقیدی نگاہ سے جائزہ لیتا ہے تو بہت سی باتیں اس کو اخلاق و مذہب کے خلاف نظر آتی ہیں، پھر اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کا ضمیر اس کو ملامت کرنے لگتا ہے اور اپنے اندر ایک خاص قسم کا اضطراب محسوس کرنے لگتا ہے۔ پھر اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ دل ہی دل میں اپنے گناہوں پر نادم ہونے لگتا ہے، لیکن اس کے باوجود اس کو طمانینت حاصل نہیں ہوتی بلکہ قلب میں ایک اضطراب سا محسوس کرتا ہے، ماضی کے گناہوں کا تصور اس کے لئے سوہان روح بن جاتی ہے، دل ہی دل میں گناہوں سے کی ہوئی توبہ اس کے اس تصور پر غالب نہیں آپاتی۔لیکن جب وہ کسی نیک طینت پاک باطن صاحب دل اللہ والے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اپنے ماضی کے گناہوں

سے توبہ کرتا ہے اور آئندہ ان گناہوں کو نہ کرنے کا عہد کرتا ہے اور جب دل کی زبان سے یہ سنتا ہے: "التائب من الذنب کمن لا ذنب له"۔ تو اس سے اس کے دل کے زخموں پر ایک طرح کا پھایہ سا لگ جاتا ہے اور ماضی کے گناہوں کا تصور جو کبھی اس کے لئے سوہان روح بنا ہوا تھا اس سے اس کا ذہن ہٹ جاتا ہے، پھر وہ نئے عزم وحوصلہ کے ساتھ اپنی برباد زندگی کو سنوارنے میں مصروف ہو جاتا ہے، یہ وہ حقیقت ہے جس کا تعلق تجربہ سے ہے۔ لاکھوں انسانوں نے اس حقیقت کو اپنا کر شریعت وطریقت کی راہ سے حقیقت تک اپنے کو پہونچایا اور پھر وہ ایک دن شریعت، طریقت، حقیقت کا مجموعہ بن گئے۔

انسان کے اندر کی دو قوتیں

سالکین ومسترشدین سے گفتگو کرتے ہوئے ایک مرتبہ حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ انسان کے اندر اللہ نے دو قوتیں رکھی ہیں (۱) قوت بہیمی جس کی تعبیر نفس سے کی جاتی ہے (۲) قوت ملکوتی جس کی تعبیر قلب سے کی جاتی ہے۔

نفس میں حسد، بغض، عناد، کبر، غرور، خودرائی، خودبینی، خودغرضی، عداوت، شر، فتنہ، جیسی چیزیں عموماً ہوتی ہیں۔

اس کے بالمقابل قلب میں سکون، صموت، توکل، قناعت، رضا بالقضاء،

صبر،شکر، ملاطفت اور دوسرے خصائل حمیدہ عموماً ہوتے ہیں۔

نفس کا رجحان ہمیشہ برائی کی طرف ہوتا ہے اور قلب کا رجحان ہمیشہ اچھائی اور بھلائی کی طرف ہوتا ہے۔

ہر سالک کو ان دونوں قوتوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے اور اس سے پیدا ہونے والے صفات پر نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔

نفس کا علاج

اسی سلسلۂ گفتگو کو دراز فرماتے ہوئے حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ: حضرات صوفیاء کا یہ ماننا ہے کہ برائی کا سد باب نفس کو کچلنے اور مارنے سے نہیں ہوتا بلکہ برائی کو دور کرنے کا سب سے مؤثر طریقہ یہ ہے کہ خفتہ دل کو بیدار کیا جائے، جب قلب بیدار ہو جائے گا اور ذکر اللہ کے ذریعہ وہ توانا اور طاقتور ہو جائے گا تو نفس کے تقاضے خود بخود دب جائیں گے اور اس کی بہیمی قوت خود کمزور پڑ جائے گی۔

اسی لئے خانقاہوں میں اللہ والے ذکر کی تلقین کرتے ہیں اور ذکر کی مداومت پر زور دیتے ہیں اور بالتدریج ذکر کے مختلف انواع واقسام سے گزارتے ہیں تاکہ قلب بیدار ہو جائے، طاقتور ہو جائے، قوت ملکوتی مضبوط ہو جائے تاکہ نفس کے تقاضوں کو اور قوت بہیمی کو دبایا جاسکے۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خانقاہوں میں گردن ہلانے سے کیا فائدہ ان کو یہ

حقیقت سمجھ لینی چاہئے کہ یہ دل کو تناور اور طاقتور بنانے کا ایک اہم ذریعہ ہے، یہ صرف چُڑیا بیگم کی پُڑ یانہیں ہے۔

نفس کے علاج کا ایک دوسرا طریقہ

اسی سلسلۂ گفتگو کو دراز فرماتے ہوئے حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ:

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہر انسان میں جہاں کچھ برائیاں ہوتی ہیں اسی کے ساتھ کچھ اچھائیاں بھی ضرور ہوتی ہیں، کتنا بھی گیا گزرا انسان ہو وہ خوبیوں سے بالکلیہ خالی نہیں ہوتا بلکہ کچھ نہ کچھ خوبی ہر ایک میں ضرور ہوتی ہے۔

حضرات صوفیاء کرام کا ماننا ہے کہ برائیوں کو دور کرنے کے لئے جہاں قلب کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے اور یہ بیداری ذکراللہ کے ذریعہ پیدا ہوتی ہے اسی کے ساتھ اس کی اچھائیوں کو اچھالنے اور بار بار تذکرہ میں لانے کی ضرورت ہے جس کا اثر نفسیاتی طور پر اس کی طبیعت پر ایسا مرتب ہوگا کہ وہ ازخود برائیوں سے گریز کرنے لگے گا اور ان چند اچھائیوں کے طفیل جس کا ذکر بار بار کیا جارہا ہوگا دوسرے اچھائیوں کو اپنے اندر پیدا کرنے کی شروعات کردے گا۔

حضرات صوفیاء کا بیان کردہ یہ وہ نسخہ کیمیاء ہے جس کا تعلق تجربہ سے ہے یہ ہر مُربّی تربیت کی لائن سے اس کو اپنا کر مُربّی کو مُربّی بنا سکتا ہے۔

نظام ربوبیت سے ہم آہنگ کرنے والی چیز

سالکین ومسترشدین سے گفتگو کرتے ہوئے حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک بار فرمایا کہ حضرات صوفیاء کا ماننا ہے کہ قلب انوارات الٰہیہ کا مرکز و محل ہے، اللہ کی معرفت اسی کے ذریعہ ممکن ہے، انسان کے جسم میں گوشت کا یہی وہ ٹکڑا ہے جس کی صلاح وفساد پر دوسرے سارے اعضاء کا صلاح موقوف ہے، اور یہی وہ حصہ ہے جو انسان کو مبدء فیاض سے ملاتا ہے اور وہاں تک پہونچنے کی راہیں دکھاتا ہے۔ اور اس جسد خاکی کو نظام ربوبیت سے ہم آہنگ کراتا ہے، اسی وجہ سے رب العالمین نے اس کو اپنا دارالسلطنت بتلایا ہے اور ارشاد ہے: "قلوب احبائی دار ملکی"۔ اور ارشاد نبوی ہے "القلب بيت الله"۔

لیکن ہر انسان کا دل انوار ربانی کا محل نہیں ہوتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ دل ایک آئینہ کی طرح ہے جس کو علامہ اقبال نے یوں کہا ہے:

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

جب اس آئینہ پر معاصی اور ذنوب کے حجابات پڑ جاتے ہیں تو وہ نظارہ جمال کے قابل نہیں ہوتا۔

جیسا کہ اس سے پہلے یہ بات آچکی ہے کہ ہر انسان میں دو قوتیں کام کر رہی

ہیں (۱) قوت بہیمی (۲) قوت ملکوتی۔ایک قوت انسان کو نیچے کی طرف کھینچتی ہے اور دوسری قوت انسان کو اوپر کی طرف۔ پھر جو قوت توانائی حاصل کرلیتی ہے اسی سے قلب بھی متاثر ہوتا ہے، یعنی جب قوت بہیمی یعنی نفس کا غلبہ ہو جاتا ہے تو آئینہ دل غبار آلود ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اس میں انوارات ربانی کو جذب کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی اور نہ ہی وہ نظارہ جمال کے قابل رہتا ہے۔

اس وقت پھر اس کی دھلائی صفائی اور قلعی کی ضرورت پڑتی ہے:"لکل شئ صقالة و صقالة القلب ذكر الله"۔

لہٰذا ذکر اللہ کی ضربوں کے ذریعہ اہل اللہ دل کا غبار اور اس کی آلودگی دور کرواتے ہیں اور بالتدریج اس کو مہبط تجلیات ربانی کے قابل بنا دیتے ہیں۔ ؎

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

حضرات صوفیاء اور اغنیاء

سالکین و مسترشدین سے گفتگو کے درمیان حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرات صوفیاء کرام نے کبھی بھی اپنے کو امراء، حکام، سلاطین، اغنیاء کے در کا جانشین نہیں بنایا اور نہ بننا پسند کیا اور نہ بننے والوں کو پسند کیا بلکہ ہمیشہ ان کی اصلاح کی فکر میں رہے اور دعاء کے ساتھ ان کی اصلاح

بھی کرتے رہے۔

چنانچہ اسی وجہ سے ملاعلی قاریؒ نے یہ لکھا ہے:"**نعم الامیر علی باب الفقیر وبئس الفقیر علی باب الأمیر**"۔ماضی میں ہمارے مشائخ بہت شدت کے ساتھ اس پر کاربند تھے جس کی ایک دو نہیں سینکڑوں مثالیں ملتی ہیں۔

ایک بزرگ کا واقعہ

صاحب دل بزرگوں میں سے ایک بزرگ کے ایک نواب مرید نے جب سونا کے پترے پر ایک لمبی چوڑی خطہ اراضی کو نظام خانقاہ کی درستگی کے لئے بطور نذرانہ کے پیش کیا تو اس اللہ کے ولی نے اس کو دیکھنے کے بعد اسی پترہ کے پشت پر یہ شعر لکھوا کر اس اراضی کو قبول کرنے سے معذرت کر دی۔ ؎

ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم
بامیر خاں بگوئے کہ روزی مقدر است

کہ ہم فقر اور قناعت کی دولت سے مالا مال ہیں اس کو گنوانا نہیں چاہتے، میر خاں سے کہہ دو کہ روزی اللہ کی طرف سے طے شدہ ہے جو وقت پر مل کر رہے گی۔

اصحاب دل اللہ والے نہ کبھی دنیا کے گرویدہ ہوئے نہ دنیا داروں کے چکر میں پڑے نہ امراء واغنیاء کو ضرورت سے زیادہ لفٹ دیا نہ ان کی جاہ وحشمت مال و دولت پر نظر رکھی بلکہ ہمیشہ اس دولت کو عظیم تر سمجھتے رہے جس سے اللہ پاک نے ان کو

سرفراز فرمایا اور اسی کی اپنے احباب و رفقاء، محبین و متعلقین، متوسلین و مسترشدین کو تلقین بھی کرتے رہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے یہاں کچھ امراء و اغنیاء ملاقات وزیارت کے لئے آگئے حضرت گنگوہی نے "من کان یومن باللہ و الیوم الآخر فلیکرم ضیفه"۔ کے تحت ان کے اکرام میں ان کے شایان شان دسترخوان کا نظم کروایا۔ جب دسترخوان بچھ گیا، سارے مہمان بیٹھ گئے، مہمانوں کے اکرام میں روز کے خدام جو حضرت کے ساتھ کھانے میں شریک رہا کرتے تھے پیچھے ہٹ گئے، جب حضرت دسترخوان پر تشریف لائے تو خدام کو غیر حاضر پایا تو امراء و اغنیاء جو دسترخوان پر بیٹھے ہوئے تھے ان کے سامنے حضرت نے خدام کا نام لے کر بلایا اور فرمایا میاں کہاں ہو؟ خدام نے کہا کہ حضرت یہ بڑے حضرات ہیں اس لئے ہم پیچھے ہٹ گئے بعد میں ہم لوگ کھانا کھالیں گے۔

حضرت گنگوہی نے بلند آواز سے فرمایا کہ: میاں یہ تو مہمان ہیں ابھی ہیں چند گھنٹوں کے بعد چلے جائیں گے، ہمارا مرنا جینا تو تمہارے ہی ساتھ ہے، یہ فرما کر ان کو اپنے قریب بٹھایا اور خدام کو کھانے میں شریک کیا۔

حضرت گنگوہی نے اکرام کے باوجود مذکورہ بالا جملہ فرما کر امراء واغنیاء کو ان کی حیثیت بتلا دی۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی کا واقعہ

جمعہ کا دن تھا حضرت مولانا قاسم نانوتوی اپنے حجرہ میں جو مسجد چھتہ کے اتر طرف تھا تشریف فرما تھے کہ ایک نواب صاحب ملاقات کے لئے تشریف لائے، ملاقات کے بعد پیسوں کی ایک تھیلی حضرت کی خدمت میں پیش کی، لیکن پیش کرنے کا انداز اچھا نہیں تھا، نوابیت کی اکڑ کے ساتھ پیش کیا جس کو حضرت نانوتوی نے محسوس کرلیا اور جس کی وجہ سے اس ہدیہ کو قبول کرنے سے اعراض کیا اور اعراض کرتے ہوئے آپ نے رخ تبدیل کرلیا، نواب نے اس کو محسوس کیا بدلے ہوئے رخ کے سامنے پہونچ کر پیش کیا، حضرت نے تیسری طرف رخ کرلیا نواب جب اس طرف پہونچا تو حضرت نے اعراض کرتے ہوئے چوتھی طرف رخ کرلیا وہ اصرار کرتا رہا لیکن حضرت نے قبول نہیں کیا، اخیر میں نواب جب باہر نکلا تو حضرت کی جوتیوں میں پیسوں کی تھیلی ڈال کر چلا گیا حضرت کو اس کی خبر نہیں تھی جمعہ کے لئے تیار ہوکر جب جامع مسجد جانے کے لئے باہر نکلے تو جوتیوں میں پڑی ہوئی تھیلی کو دیکھا، آپ نے اس کو ہاتھ بھی نہیں لگایا بلکہ پاؤں کی دو انگلیوں سے تھیلی کو باہر نکال دیا، یہ فرماتے

ہوئے کہ یہ دنیا بھی عجیب ہے جب اس کو ٹھکرادو تو جوتیوں میں آ کے پڑ جاتی ہے، اس کے بعد جوتیاں پہن کر جامع مسجد جمعہ کے لئے تشریف لے گئے۔

حضرت تھانوی کا واقعہ

ایک مرتبہ ایک نواب صاحب کی دعوت پر حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کا سفر ہوا جب آپ نواب صاحب کے یہاں پہونچ گئے اور قیام پذیر ہو گئے تو نواب صاحب نے دوران گفتگو کوئی ایسی بات کہہ دی جس سے ان کی نوابیت کا غرور مترشح ہو رہا تھا، حضرت تھانوی اس کو برداشت نہیں کر پائے، آپنے اپنا تھیلا اور چھڑی اٹھائی اور واپسی کے لئے تیار ہو گئے، نواب نے بہت اصرار کیا لیکن آپ رکے نہیں، واپسی کیوقت یہ فرماتے ہوئے واپس ہو گئے کہ:

نواب صاحب دو چیزوں کے آپ بھی محتاج ہیں اور میں بھی (۱) دین (۲) دنیا۔ آپ کے پاس دنیا تو ہے لیکن دین سے بالکل کورے ہیں۔

اور الحمد للہ میرے پاس دین مکمل ہے اور دنیا بھی بقدر ضرورت ہے، لہٰذا آپ میرے محتاج ہیں، میں آپ کا محتاج نہیں۔

اس طرح حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے نواب صاحب کے غرور کا نشہ چور کر دیا اور اپنے کرایہ سے واپس آ گئے۔

حضرت تھانوی کا معمول

حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کا معمول یہ تھا کہ خواہ سفر ذاتی ہو یا غیر ذاتی ہر سفر میں واپسی کا کرایہ اپنے ساتھ لے کر جایا کرتے تھے، اور اپنے متعلقین وخواص کو بھی اس کی تلقین کیا کرتے تھے، اسی معمول کی برکت تھی کہ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کو واپسی کے کرایہ کے لئے نواب صاحب کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلانا پڑا اور کرایہ کی محتاجگی سے پوری خودداری کے ساتھ محفوظ رہتے ہوئے اپنے وطن واپس آ گئے۔

حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندوی کی نصیحت

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ کی رفاقت میں سفر کر رہا تھا، دوران سفر حضرت نے خادم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مفتی صاحب جب کبھی کہیں کا سفر ہو خواہ کسی کی دعوت پر ہو یا بغیر دعوت کے واپسی کے کرایہ کا بندوبست کر کے سفر کے لئے نکلا کریں، بارہا ایسا ہوا ہے کہ لوگوں نے دعوت دے کر بلایا لیکن واپسی کا کرایہ تک نہیں دیا۔

چنانچہ خادم سختی کے ساتھ اس نصیحت پر عمل پیرا ہوا اور وہ بات درجنوں مرتبہ خادم کے ساتھ بھی پیش آئی جس کا تذکرہ حضرت قاری صاحب نے فرمایا تھا، یعنی

لوگوں نے دعوت دے کر بلایا جلسہ کیا، تقریر کروائی لیکن بیرنگ واپس کر دیا، اگر واپسی کا پیسہ ہمراہ نہ ہوتا تو دست درازی کی نوبت آتی، لیکن بڑوں کی بات پر عمل کرنے کی وجہ سے اس سے درجنوں مرتبہ حفاظت ہوئی۔

ضلع اعظم گڈھ کے ایک گاؤں کا واقعہ

1983ء 1984ء کا واقعہ ہے کہ ان دنوں یہ خادم مدرسہ ریاض العلوم گورینی ضلع جونپور میں تدریسی خدمت انجام دے رہا تھا، نور پور میں ایک مکتب چلتا تھا جس میں ضلع بستی کے ایک صاحب مدرس تھے جن کا نام مولانا سجاد تھا، وہ ریاض العلوم گورینی آئے اور وہاں کے نائب ناظم سے نور پور میں ہونے والے جلسہ کے لئے ایک مقرر کا مطالبہ کیا، چونکہ ریاض العلوم میں اس وقت اس انداز کے جلسوں اور سمیناروں میں شرکت کے لائق خادم کے علاوہ کوئی نہیں تھا، اس لئے قرعۂ فال خادم کے نام نکلا اور اس کی اطلاع خادم کو کی گئی کہ فلاں تاریخ کو آپ کو نور پور کے جلسہ میں جانا ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ اس جلسہ میں مولانا عبدالمجید صاحب اصلاحی بھی آنے والے ہیں جو اصلاح کے صدر مدرس تھے، اور عظمت صحابہ کے موضوع پر انہوں نے مختلف فیہ گفتگو کر کے سرائے میر اور اس کے گردونواح کو گرما رکھا تھا، اس لئے معلوم ہوا کہ شاید اس جلسہ میں یہ موضوع بھی زیر بحث آ سکتا ہے اور مناظرہ کی نوبت بھی آ سکتی ہے، لہٰذا پوری تیاری کے ساتھ اس میں شرکت کرنی ہے۔

چنانچہ خادم نے کچھ طلباء کو اس موضوع پر تیار کیا اور خود بھی تیار ہو کر طلباء کے ہمراہ وقت مقررہ پر جمعرات کے دن ظہر کے بعد پہونچا، رات کی تقریر خادم کی تھی، دوسری تقریر دوسرے دن جمعہ سے پہلے تھی، جمعہ کی نماز پیدل جا کر بکھرا میں ادا کیا، تیسری تقریر رات میں تھی، عشاء کی نماز کے بعد علامہ نور محمد ٹانڈوی، علامہ طاہر گیاوی، مولانا افتخار احمد جگدیش پوری، امبیسیڑ سے جلوہ افروز ہوئے، کسی نے آدھا گھنٹہ کسی نے چالیس منٹ، کسی نے پینتالیس منٹ تقریر کی اور لفافہ کا مطالبہ کر کے امبیسیڑ کے ذریعہ واپس ہو گئے اور خادم رات میں نور پور ہی ٹھہرا۔ فجر کی نماز کے بعد تلاش بسیار کے بعد مولانا سجاد صاحب ملے، جب ان سے اپنی واپسی کا مطالبہ کیا تو انہوں نے معذرت کرتے ہوئے ایک پرانی سائیکل میرے سپرد کی اور واپسی کے کرایہ کا لفافہ جو رات میں جمع حاضر تھا صبح واحد غائب ہو گیا، اس پرانی سائیکل کو لے کر جب گورینی کے لئے روانہ ہوا تو کچھ دور کے بعد وہ پنچر ہو گئی، تمہا کے پاس کئی کیلومٹر پیدل چلنے کے بعد بمشکل تمام ایک پنچر بنانے والے کی دکان کھلی ہوئی ملی جس کے حوالہ سائیکل کیا، اس نے پنچر بنا کر جب واپس کیا تو میں نے اس سے مزدوری پوچھی تو اس نے مزدوری پچھتر پیسہ بتلایا، میں نے جب جیب میں ہاتھ ڈالا تو صرف ایک روپیہ نکلا اس پر میں نے اللہ کا شکر ادا کیا، اور ایک روپیہ سائیکل بنانے والے کو دیا، اس نے چار آنہ واپس کیا، اسی کے بغل میں ایک پان والے کی گومتی کھلی ہوئی تھی، چار آنہ میں ایک پان خرید کر پان کھاتا ہوا سائیکل چلاتا ہوا وایا جمدھاں، کھیتا سرائے یونس پور ریاض

العلوم گورینی پہونچ گیا۔ اس وقت حضرت تھانوی کا ارشاد اور حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندوی کی نصیحت بہت یاد آئی۔ جیب میں موجود ایک روپیہ نے عزت بچا دی ورنہ سائیکل کی طرح خود بھی پنچر ہونا پڑتا اور پنچر بنانے والے کے یہاں عزت کو گروی رکھ کر خاک آلود ہونا پڑتا۔

جب مدرسہ پہونچا تو مدرسہ کے دوست واحباب نے منھ لال دیکھ کر سمجھا کہ جلسہ سے مالا مال ہوکر آئے ہیں، حلوہ و پراٹھا کا ناشتہ دبا کر آئے ہیں، جبکہ چلتے وقت ایک پیالی چائے بھی نصیب نہیں ہوئی، اس وقت دارالعلوم دیوبند کے ایک موقر استاذ کی بات خوب یاد آئی۔

حضرت مولانا محمد حسین صاحب بہاری کا واقعہ

دارالعلوم دیوبند کے انتہائی اہم اور موقر اساتذہ میں جن کی حیثیت استاذ الاساتذہ کی بھی تھی ایک نام مولانا محمد حسین صاحب بہاری کا بھی ہے جو حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے تلامذہ میں سے تھے اور ضلع شیوہر بہار کے رہنے والے تھے اور دارالعلوم کے بہت سے نامور اساتذہ کے استاذ تھے، امام المنطق والفلسفہ کے نام سے مشہور تھے، علیا کے کامیاب مدرسین میں آپ کا شمار تھا، چمار چودس آپ کا تکیہ کلام تھا، سرمہ کی سنت پر پابندی سے عمل پیرا تھے۔

دارالعلوم دیوبند میں طلباء بہار کے مرجع و ماوی تھے، مٹھائی کے بہت شوقین

تھے، بالائی منزل کے کمرہ کے خلوت نشین تھے، خادم کے ترمذی شریف جلد اول کے استاذ تھے۔

ایک دن دوران درس فرمایا کہ جب تنخواہ میری بہت کم تھی اتنی گنجائش نہیں تھی کہ اہل وعیال کے اخراجات کی تکمیل کے بعد کچھ حصہ اپنے ناشتہ کے لئے بچاسکوں تو چند پیسوں کا ایک پان صبح کے وقت منگا تا اور ناشتہ کی جگہ وہی پان کھا کر احاطہ مولسری میں گھومتے ہوئے ہر طرف تھوکتا دیکھنے والے یہ سمجھتے کہ حضرت ناشتہ فرما کر لب دوز چائے نوش فرما کر پان تناول فرما کر احاطہ مولسری میں رونق افروز ہیں، جبکہ ناشتہ کے لئے ترستا ہوتا، چائے کے لئے منہ بہکتا ہوتا، لیکن صرف پان کھا کر میں مسکراتا رہتا اور پیٹ بھوک کی وجہ سے ناشتہ تلاش کرتا ہوا ہوتا تھا۔

حضرت علامہ کا ایک دوسرا واقعہ

جس سال یہ خادم دار العلوم دیوبند میں دورۂ حدیث میں تھا اس سال دار العلوم دیوبند کے دورۂ حدیث کے تمام اساتذہ حج بدل کے لئے تشریف لے گئے سواء حضرت مولانا محمد حسین صاحب کے، حضرت علامہ کا سفر نہیں ہوسکا، جب سارے اساتذہ سفر حج سے واپس آ گئے تو ایک روز احاطہ مولسری میں اپنے عصاء کے ساتھ چکر لگا رہے تھے، اسی دوران کچھ بڑے اساتذہ احاطہ مولسری سے گزرے جو ابھی ابھی حج سے واپس ہوئے تھے، ان میں سے چند کو اپنے پاس بلایا چونکہ حضرت علامہ ان کے

استاذ تھے اس لئے پکارنے پر سب جمع ہوگئے، کچھ طلباء بھی آگئے، حضرت علامہ نے فرمایا کہ اس سال تم لوگ حج کرنے گئے تھے؟ ان حضرات نے کہا جی، حضرت نے فرمایا وہاں تم لوگوں نے سارے ارکان تو ادا کر لئے لیکن ایک کام تم نہیں کر پائے ہوگے، ان حضرات نے کہا حضرت وہ کیا؟ حضرت علامہ نے فرمایا کہ حجر اسود کا بوسہ بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے نہیں لے سکے ہوگے، ان حضرات نے فرمایا جی سچ فرمایا آپ نے، حضرت علامہ نے بہت سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ ان حضرات کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اچھا آؤ مجھ ہی کو حجر اسود سمجھ کر کے بوسہ دے لو۔

اس ظریفانہ جملہ پر سب قہقہہ لگا کر ہنس پڑے اور مجلس برخاست ہوگئی۔

محبت کی حقیقت

سالکین و مسترشدین کو خطاب کرتے ہوئے حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک بار فرمایا کہ حضرات صوفیاء کرام کے یہاں لفظ محبت کا بھی استعمال بکثرت ہوتا ہے، لہٰذا ہر سالک کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ حضرات صوفیاء کے یہاں محبت کے معنی کیا ہیں۔ محبت کے معنی ہیں انسانی زندگی کا سمٹ کر ایک مرکز پر آجانا اس طور پر کہ اس کا بال بال پکار اٹھے "**إن صلوتی ونسکی ومحیای و مماتی لله رب العالمین**"۔

میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اسی اللہ کے لئے ہے جو سارے جہاں کا پالنہار ہے اس کے بعد سالک کا یہ حال ہوجائے کہ بغیر

ذکرالٰہی اور یادالٰہی کے اس کو چین نہ ملے اور بقول حضرت شبلی:

"الفقیر من لا یستغنی بشئ دون الله"

کہ فقیر سوائے اللہ جل شانہ کے کسی چیز سے آرام نہیں پاتا۔ اگر یہ کیفیت کسی سالک میں پیدا نہ ہو تو وہ شاہ اور فقیر کہلانے کے لائق نہیں ہے، اس کے نفس کے تقاضے خاموش ہو جائیں اور اللہ کے لئے وہ جینے لگے۔

اللہ کے لئے جینے کا مطلب

اللہ کے لئے جینا ارتقاء انسانیت کی آخری منزل ہے، نیت کا ایک زبردست انقلاب ہے، ایسا انقلاب جو انسانی زندگی کے مرکز ومحور کو بدل دیتا ہے، انسان کا ہر کام کسی اعلیٰ مقصد کی تکمیل کے لئے ہونے لگتا ہے، کرنے کو وہ ہر کام کرتا ہے، لیکن اس کی نیت عام انسانوں سے مختلف ہوتی ہے، اس دقیق مسئلہ کو اس واقعہ سے سمجھا جاسکتا ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ

ایک اللہ کے ولی دریا کے کنارے رہا کرتے تھے، ان کی اہلیہ بھی ساتھ میں تھیں، ایک دن اس اللہ کے ولی نے اپنی بیوی سے کہا کہ یہ کھانا لے کر دریا کے اس پار جاؤ اور اس فقیر کو دے کر آؤ جو اس پار بیٹھا ہوا ہے، بیوی نے کہا پانی بہت گہرا ہے، کشتی

بھی نہیں ہے، اس گہرے پانی والے دریا کو میں کس طرح پار کروں گی، اس اللہ کے ولی نے کہا کہ دریا کے کنارے جا کر کہنا کہ میرے شوہر کی عزت کی قسم جس نے کبھی مجھ سے صحبت نہیں کی، مجھ کو راستہ دے دے، بیوی یہ جملہ سن کر حیران و ششدر ہوگئی اور اپنے دل میں سوچا کہ اس سے میرے بطن سے اتنے بچے پیدا ہوئے، اور یہ کہتے ہیں میں نے صحبت ہی نہیں کی، لیکن شوہر کے حکم کے مطابق بیوی کھانا لے کر دریا کے کنارے پہونچی اور وہی جملہ کہا جو شوہر نے کہا تھا اور اس کے بعد دریا نے راستہ بھی دے دیا اور وہ پار بھی ہوگئی، دوسرے کنارہ پہونچ کر اللہ کے ولی کے سامنے کھانا رکھا، جب وہ کھانے سے فارغ ہوگئے تو وہ عورت سوچنے لگی کہ آنے کو تو میں شوہر کا بتلایا ہوا جملہ کہہ کر آ گئی اب واپس کس طرح جاؤں۔

عورت کی حیرانی و پریشانی کو دیکھ کر اللہ کے ولی نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کیوں پریشان ہو؟ اس نے پورا واقعہ سنایا، اس اللہ کے ولی نے عورت سے کہا کہ ٹھیک ہے واپسی پر جب دریا کے کنارے پہونچنا تو اس دریا کو مخاطب کر کے کہنا کہ اس درویش کی قسم جس نے تیس برس سے کھانا نہیں کھایا، مجھے راستہ دیدو، عورت یہ بات سن کر حیران رہ گئی کہ ابھی تو انھوں نے میرے سامنے کھانا کھایا ہے اور یہ کہہ رہے ہیں کہ تیس سال سے کھانا نہیں کھایا، لیکن اس عورت نے دریا کے کنارے پہونچ کر وہی جملہ دہرایا جو اس اللہ کے ولی نے کہا تھا۔ اور اس کے بعد دریا نے راستہ دیدیا۔

لیکن جب یہ اپنے شوہر کے پاس پہونچی تو اپنے شوہر کے سر ہوگئی کہ پہلے مجھے

ان دونوں باتوں کا راز بتلاؤ کہ تم سے میرے کئی بچے پیدا ہوئے اس کے باوجود تم نے یہ کہا کہ جس نے کبھی مجھ سے صحبت نہیں کی، اور دریا کے اس کنارہ والے اللہ کے ولی نے میرے سامنے کھانا کھایا اس کے باوجود کہا کہ میں نے تیس سال سے کھانا نہیں کھایا ہے، آخر ان دونوں باتوں کی حقیقت کیا ہے؟ میں جاننا چاہتی ہوں، اللہ کے ولی نے کہا میں نے تجھ سے صحبت ضرور کی لیکن کبھی بھی نفسانی خواہش کی تکمیل کی نیت نہیں رہی، اسی طرح دریا کے اس پار رہنے والے اللہ کے ولی نے کھانا ضرور کھایا لیکن کبھی نفسانی طبع سے کھانا نہیں کھایا بلکہ محض عبادت اور طاعت سمجھ کر کھایا، اس کے بعد وہ عورت خاموش ہوگئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والے جو کچھ کرتے ہیں وہ صرف اللہ ہی کے لئے کرتے ہیں، ان کے پیش نظر صرف اور صرف حکم کی تعمیل و تکمیل ہوتی ہے، نفسانی خواہش کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔

اللہ کے ایک ولی کا دوسرا واقعہ

شیخ عبداللہ خفیف اونچے بزرگوں میں سے ہیں، ایک صاحب نے ان کی ایک دن دعوت کی، جب داعی کے گھر پہونچے تو دسترخوان رنگ برنگ کے کھانوں سے بھرا ہوا تھا، ان کھانوں میں بادام کا حلوہ بھی تھا، جہاں آپ فروکش ہوئے آپ کے قریب تر بادام کا حلوہ ہی تھا، آپ نے ایک لقمہ نوش فرمایا، بہت لذیذ، بہت عمدہ لگا، اس لئے آپ نے دوسرا لقمہ لے لیا، لیکن معاً یہ خیال پیدا ہوا اس دوسرے لقمہ میں نفس کی لذت شامل ہوگئی ہے،

لہٰذا ابھی لقمہ نگلا بھی نہیں تھا کہ اپنی زبان کو دانتوں سے دبا کر کاٹنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ خون نکلنے لگا، شریک دسترخوان احباب یہ منظر دیکھ کر حیران و پریشان ہوئے، وجہ دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ پہلا لقمہ کھانے کے بعد دوسرا لقمہ خدا کے لئے نہیں بلکہ لذت نفس کے لئے میں نے کھایا، لہٰذا میں نے اس کی سزا زبان کو دی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب اللہ کے لئے جینا آ جاتا ہے تو زندگی کا پورا رُخ ہی تبدیل ہو جاتا ہے اور بندہ کا ہر کام عبادت بن جاتا ہے۔ بلکہ پوری زندگی ہی عبادت بن جاتی ہے۔ اسی لئے حضرات صوفیاء کہتے ہیں کہ زندگی صرف وہی ہوتی ہے جو یاد حق میں بسر کی جائے، باقی سب دھوکا ہے۔

ایک بزرگ کا ایک تیسرا واقعہ

شاہ میرک نامی ایک اللہ کے ولی تھے، اسی زمانہ میں ایک دوسرے اللہ والے کو ان کی زیارت کا شوق ہوا جن کے دل میں یہ شوق پیدا ہوا ان کو یہ کرامت حاصل تھی کہ وہ جو بھی خواب دیکھتے وہ سچ ہوتا تھا، اس کی تعبیر بعینہ وہی ہوتی تھی جو وہ دیکھتے تھے، جب شاہ میرک کی زیارت کا شوق غالب ہوا تو بغرض زیارت وہ گھر سے نکل پڑے کچھ دور سفر طے کرنے کے بعد دوران راہ خواب میں دیکھا کہ شاہ میرک کا انتقال ہو گیا ہے، صبح اٹھ کر وہ اللہ کے ولی بہت پریشان ہوئے اور افسوس ہوا کہ میں نے اتنا لمبا سفر ان کی زیارت کے لئے کیا اور اس سے بھی میں محروم رہ گیا۔

لیکن معاً یہ خیال پیدا ہوا کہ جب یہاں تک پہونچ گئے ہیں تو چلوان کی قبر ہی کی زیارت کر کے آجائیں، چنانچہ جب وہاں پہونچے تو پہونچ کر لوگوں سے شاہ میرک کی قبر پوچھنا شروع کیا، لوگوں نے حیرت سے کہا کہ تم ان کی قبر پوچھ رہے ہو حالانکہ وہ تو ابھی زندہ ہیں، یہ جواب سن کر وہ اللہ کے ولی بہت پریشان ہوئے اور حیران ہوئے کہ میرا خواب جھوٹا کیسے ہوگیا جبکہ ایسا کبھی نہیں ہوا۔

بہر حال حضرت شاہ میرک کے پاس پہونچ کر سلام کیا، قبل ازیں کہ یہ کچھ بتلاتے شاہ میرک ان کو دیکھ کر خود فرمانے لگے کہ اے خواجہ تیرا خواب سچا تھا جھوٹا نہیں، کیونکہ میں ہمیشہ یاد خداوندی میں مصروف رہتا تھا، لیکن آج کی رات یاد خداوندی کے بجائے کسی اور کام میں مشغول ہوگیا اس کی وجہ سے منادی کرادی گئی کہ میرک آج مرگیا۔ سچ ہے:

''نزدیکاں را بسیار بود حیرانی''

اور

''حسنات الأبرار سيئات المقربين''

اس سے سمجھ میں آگیا ہوگا کہ اللہ کے لئے جینے کا مطلب کیا ہے اور زندگی صرف وہی ہے جو یادِ حق میں بسر کی جائے اور جو لمحات یادِ حق سے غفلت میں گزرے وہ موت کے مترادف ہے، اس چیز کو ہمارے اسلاف اور مشائخ نے خوب سمجھا اور ان رموز کو ہر سالک کو سمجھنا چاہئے۔

محبت الٰہی کا اثر انسانی زندگی پر

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلۂ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے فرمایا کہ محبت خداوندی کا جذبہ جب انسان کے دل میں گھر کر جاتا ہے تو اس کے فکر وعمل کا کوئی بھی گوشہ اس سے اثر پذیر ہوئے بغیر نہیں رہتا، محبت الٰہی کا سب سے بڑا اثر انسانی زندگی پر یہ ہوتا ہے کہ انسانی زندگی میں مرکزیت پیدا ہوجاتی ہے، جو مرکزیت نظام ربوبیت کی ایک شان اور خدا کی وحدانیت پر کامل ایمان کا لازمی نتیجہ ہے۔ اس کے برخلاف شرک انسانی فکر وعمل کی مرکزیت کو فنا کر دیتا ہے، پھر جو چیز اس مرکزیت کو جو ایمان کی اصلی شان ہے پیدا کرتی ہے وہ محبت ہے، اسی وجہ سے اللہ سے سچی محبت کا رشتہ رکھنے والا انسان ہر وقت اپنے آپ کو اس کی بارگاہ میں پاتا ہے، خدا کی موجودگی کا یقین اس کو اس طرح ہوتا ہے گویا کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے، اسی لئے خواجہ نظام الدین اولیاء کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ خدا کی طرف اس محویت کے ساتھ متوجہ رہتے تھے گویا کہ اس کو دیکھ رہے ہیں اور یہی وہ فلسفہ ہے جس کو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا:

"أن تعبد الله كأنک تراه فان لم تکن تراه فانه یراک"۔

جب انسان ذات باری تعالیٰ کو اس طرح اپنے نزدیک محسوس کرنے لگتا ہے تو معصیت کی تمام راہیں اس کی زندگی میں مسدود کر دی جاتی ہیں پھر وہ اپنے محبوب میں اتنا محو ہو جاتا ہے کہ گناہ کرنے کی فرصت ہی اس کو نہیں ملتی۔

حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ صرف اس بات کا استحضار کہ خدا اس کو دیکھ رہا ہے، انسان کو بہت سے گناہوں سے روک دیتا ہے۔

بصرہ کے ایک رئیس کا واقعہ

بصرہ کا ایک رئیس ایک بڑے باغ کا مالک تھا، ایک دن وہ اپنے باغ میں گیا باغباں کی بیوی خوبصورت تھی، رئیس کی نظر جب اس پر پڑی تو وہ اس پر گرویدہ ہوگیا، رئیس نے اپنی خواہش نفسانی کی تکمیل کے لئے باغباں کو کسی کام سے باہر بھیج دیا اور عورت کو بلا کر دروازہ بند کرنے کو کہا، عورت نے رئیس کو جواب دیا کہ سارے دروازے تو بند کرسکتی ہوں، لیکن ایک دروازہ میں بند نہیں کرسکتی، رئیس نے پوچھا وہ کونسا؟ عورت نے جواب دیا ''درے کہ میان ما و خداوند است''، یعنی وہ دروازہ جو ہمارے اور خدا کے درمیان ہے، رئیس پر اس عورت کے اس جملہ کا ایسا اثر ہوا کہ اس نے فوراً اپنی حرکت سے توبہ کیا اور باہر نکل گیا۔

اللہ کے ایک ولی کا دوسرا واقعہ

اسی طرح کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ایک اللہ والے تھے، ان کے بہت سارے خدام تھے، لیکن ایک خادم ایسا تھا جو باؤلا ٹائپ دیکھائی دینے کے باوجود حضرت کا وہ منظور نظر تھا، اور حضرت سب سے زیادہ اسی کو چاہتے تھے جس کی وجہ سے

وہ محسود بن گیا تھا۔

حضرت کو ایک دن خیال آیا کہ اس باؤلے خادم کے منظور نظر ہونے کی علت خفیہ سب کے سامنے آجانی چاہئے، چنانچہ حضرت نے سب کو بلایا اور سب کے ایک ہاتھ میں ایک چاقو اور ایک ہاتھ میں ایک زندہ پرندہ دے دیا اور یہ کہہ کر سب کو رخصت کر دیا کہ جاؤ ایسی جگہ سے ذبح کر کے لاؤ جہاں کوئی نہ دیکھ رہا ہو، چنانچہ تمام خدام گئے، کوئی دس منٹ میں کوئی پندرہ منٹ میں، کوئی بیس منٹ میں کوئی آدھے گھنٹے میں پرندہ ذبح کر کے لے آئے، لیکن وہ باؤلا خادم کافی دیر کے بعد واپس آیا اور جب آیا تو ایک ہاتھ میں چاقو اور دوسرے ہاتھ میں زندہ پرندہ تھا۔

حضرت نے اس کے بعد ہر ایک سے پوچھا کہ تم نے کہاں ذبح کیا؟ ہر ایک نے جگہ بتائی، پھر پوچھا کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا تھا؟ ہر ایک نے جواب دیا حضرت کوئی نہیں، سب سے اخیر میں اس باؤلے خادم کی باری آئی جس کے ہاتھ میں زندہ پرندہ تھا، حضرت نے اس سے پوچھا کہ بیٹا تمہارے سب ساتھی اپنا اپنا پرندہ ذبح کر کے لے آئے، کیا تم کو کوئی ایسی جگہ نہیں ملی جہاں کوئی نہ دیکھ رہا ہو؟ اس باؤلے خادم نے کہا کہ حضرت آپ نے یہ فرمایا تھا کہ ایسی جگہ سے ذبح کر کے لاؤ جہاں کوئی نہ دیکھ رہا ہو اور مجھ کو کوئی جگہ ایسی نہیں ملی جہاں خدا نہ دیکھ رہا ہو۔

یہ جواب سن کر حضرت پر ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی اور سارے خدام ششدر و حیران رہ گئے اور سب کی سمجھ میں آگیا کہ یہ منظور نظر کیوں ہے۔

اللہ کے استحضار کا فائدہ

سابقہ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ جب معبود حقیقی کی ذات کا استحضار ہوجاتا ہے کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے اور میں اس کے کیمرے کے سامنے ہوں تو انسان کی زندگی میں ایک صالح انقلاب برپا ہوجاتا ہے اور دھیرے دھیرے وہ معاصی سے کنارہ کشی اختیار کرنے لگتا ہے اور ایک دن وہ آتا ہے کہ معاصی سے اس کو نفرت ہوجاتی ہے جس کے نتیجہ میں دھیرے دھیرے اس کی زندگی میں اللہ کا تعلق بڑھنے لگتا ہے اور قرب خداوندی میں اضافہ ہونے لگتا ہے، پھر ایک دن وہ آتا ہے کہ اس پر محبت الٰہی کا پوری طرح غلبہ ہوجاتا ہے، پھر اس کی نظر میں سونا اور پتھر برابر ہوجاتا ہے، مادی دنیا کی رعنائیاں وشادابیاں اس کے لئے بے اثر ہوجاتی ہیں۔

حضرت جنید بغدادی کا ایک واقعہ

حضرت جنید بغدادی کا شمار کبار مشائخ صوفیاء میں ہوتا ہے۔ اللہ والوں پر کبھی کبھار کسی چیز کا غلبہ ہوجاتا ہے اور اس غلبۂ حال میں یہ حضرات اللہ سے بے تکلفی کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں، جس طرح ایک دوست اپنے دوست سے بے تکلفی کے ساتھ ہر بات کرلیتا ہے۔

چنانچہ حضرت جنید بغدادی نے مناجات کرتے ہوئے اللہ سے یہ درخواست کی کہ اے اللہ جنت میں میرا ساتھی کون ہوگا؟ اس پر آواز آئی کہ اے جنید فلاں چرواہا۔

حضرت جنید بغدادی ایک خاص تصور کے ساتھ چرواہے سے ملاقات کے لئے نکل پڑے اور اس کے پاس پہونچ کر کئی روز قیام فرمایا، اس کے شب و روز کے معمولات دیکھے اس کے حالات اور باطنی کیفیات کا جائزہ لیا، اس کے بعد اجنبی بن کر ایک دن اس سے پوچھا کہ بھائی تمہارے اندر کون سا ایسا عمل ہے جس کی وجہ سے بارگاہ خداوندی میں تمہارا اتنا اونچا مقام ہے؟ حالانکہ میں کئی روز سے تمہارے شب و روز کو دیکھ رہا ہوں سوائے پنج وقتہ نماز کے اور کوئی خاص بات نظر نہیں آئی، اس لئے وہ خاص بات جاننا چاہتا ہوں۔ چرواہے نے کہا کہ جو تم نے دیکھا ہے واقعہ یہی ہے، اس کے علاوہ میرے اندر کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میں یہ نہیں جانتا کہ ریاضت و مجاہدہ کیا ہوتا ہے اور باطن کیا ہوتا ہے، البتہ مجھ میں دو باتیں ایسی ہیں جن کو میں محسوس کرتا ہوں اور بتاتا ہوں۔

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان سب پہاڑوں کو سونا کر دے اور میرے تصرف میں دیدے اور پھر وہ سارا سونا مجھ سے واپس لے لیا جائے تو اس کے جانے کا مجھ کو کوئی رنج و غم نہیں ہوگا۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مجھ پر احسان کرے یا ظلم کرے تو

میں اس کو اس کی طرف سے نہیں سمجھتا بلکہ اللہ کی طرف سے سمجھتا ہوں۔

یہ جواب سن کر حضرت جنید بغدادی حیران رہ گئے کہ یہ ایک چرواہے کی کیفیت ہے۔ سچ ہے یہ کیفیات محبت الٰہی سے پیدا ہوتی ہیں اور جب محبت اس درجہ کو پہونچ جائے کہ بندہ اپنے کو محبوب کے حوالہ کر دے خواہ وہ اسے زندہ رکھے یا مار دے تو اس میں توکل اور استغناء کی ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو دنیا کی جاہ وحشمت، دولت وثروت کو ہیچ در ہیچ بنا دیتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والتسلیم کا ایک واقعہ

سالکین ومسترشدین سے اسی سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ جس طرح حضرت جنید بغدادی نے جنت کے اپنے ہمنشین وساتھی کے بارے میں سوال کیا اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والتسلیم نے بھی اللہ سے یہی درخواست کی۔

اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا فلاں شہر میں چلے جاؤ وہاں پر ایک قصاب ہے، اس کا چہرہ ایسا ہے، وہی جنت میں تمہارا ہم نشیں اور ساتھی ہے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس شہر کی اس دکان پر گئے جس کی اللہ کی طرف سے نشاندہی کی گئی تھی، چنانچہ اس شخص کو وہاں موجود پایا لیکن وہ شخص گوشت کی فروختگی کے کام میں بہت زیادہ مصروف تھا، اس لئے غروب تک یعنی دکان کے بند ہونے تک اس کا انتظار کیا، دکان بند کرنے سے پہلے قصاب نے گوشت کا ایک ٹکڑا لیا اور ایک تھیلی میں اس کو رکھ لیا

جب وہ دکان بند کر کے گوشت کی تھیلی اپنے ساتھ لے کر گھر کے لئے روانہ ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والتسلیم نے اس سے کہا کیا میں تمہارا مہمان بن سکتا ہوں؟ اس نے کہا کیوں نہیں، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والتسلیم اس قصاب کے ہمراہ ہو لئے تا آنکہ وہ اپنے گھر پہونچا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام گھر کے اندر کے اس کے مشاغل اور کام کو بہت دھیان سے دیکھتے رہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ گھر میں جانے کے بعد وہ شخص کیچن میں گیا، گوشت نکالا اس کی بوٹی بنائی اس کے بعد اس کو بھون کر اچھا سالن اور شوربا تیار کیا، اس کے بعد اس نے ایک پیالہ میں گوشت کا شوربا لیا اور گھر کے ایک کونہ سے ایک تھیلا اتارا جس میں ایک انتہائی کمزور بوڑھی عورت بیٹھی ہوئی تھی، جیسے کبوتر کا کوئی بچہ ہو اس شخص نے بہت محبت اور پیار سے اس زنبیل سے بوڑھی عورت کو نکالا، اس کے بعد اس نے چمچہ سے گوشت کا شوربا اس کو پلایا ایک ایک چمچہ کر کے اس کے منھ میں ڈالتا رہا یہاں تک کہ وہ شکم سیر ہوگئی، اس کے بعد اس شخص نے اس کے کپڑے لئے اس کو دھویا اور سکھایا اور پہنایا پھر اسی زنبیل میں اس کو رکھ دیا۔

اس بوڑھی عورت کے دونوں ہونٹ ہلے حضرت موسی علیہ السلام فرماتے ہیں میں نے اس کے ہونٹ کے ہلنے کو دیکھا تو میں قریب گیا کہ سنوں وہ کیا کہہ رہی ہے، میں نے سنا وہ کہہ رہی تھی: "**اللھم اجعل ابنی جلیس موسی فی الجنة**" کہ اے اللہ میرے بیٹے کو جنت میں موسی کا ہم نشین اور ساتھی بنا، اس کے بعد اس شخص

نے زنبیل اٹھائی اور اس کو کھونٹی سے ٹانگ دیا۔

حضرت موسی علیہ السلام نے اس قصاب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس خدمت کے علاوہ کوئی اور خدمت یا عمل تمہارے پاس ہے؟ اس نے کہا نہیں۔

قصاب نے کہا کہ یہ میری امی جان ہے، یہ اتنی ضعیف و کمزور ونحیف ولاغر ہو چکی ہیں کہ بیٹھنے پر قادر نہیں ہیں، ان کے ساتھ یہ خدمت وسلوک و برتاؤ میرا ایک زمانہ سے ہے۔

حضرت موسی علیہ السلام نے فرمایا کہ بشارت ہو تمہارے لئے میں ہی موسی ہوں اور تم میرے ہم نشین وساتھی ہو جنت میں، اور تم کو یہ سعادت عظمی اس بوڑھی وکمزور وضعیف والدہ کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک اور اچھے برتاؤ کے ثمرہ ونتیجہ میں ملی ہے۔

یقیناً بوڑھے ماں باپ کی خدمت ضائع نہیں ہوتی، آخرت کے ساتھ دنیا میں بھی اس کا بہترین اجر اور صلہ ملتا ہے، کاش آج کے نوجوانوں کی سمجھ میں یہ بات آجائے تو اسی بلکہ نوے فیصد گھروں میں ماں باپ کس مپرسی کی حالت میں جو ہیں اور صبح وشام ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی لگی رہتی ہے، وہ بند ہو جائے اور ہر جوان خوشگوار زندگی گزارنے کا مستحق بن جائے۔

دعاء ہے اللہ پاک نئی نسل کو صحیح سمجھ عطا فرمائے اور بوڑھے ماں باپ کی خدمت اطاعت دلجوئی اچھے برتاؤ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

ایں دعاء از من و از جملہ جہاں آمین باد

حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی کا واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سالکین سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت جنید بغدادی کے واقعہ کے ضمن میں یہ بات آچکی ہے کہ اللہ والوں پر کبھی کبھار کسی چیز کا غلبہ ہوجاتا ہے اور اس غلبۂ حال میں یہ حضرات اللہ سے بے تکلفی کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں۔

چنانچہ حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی جو دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین بھی تھے اور حضرت تھانوی جیسے کبار مشائخ کے اساتذہ میں سے تھے، صاحب جذب اولیاء کاملین میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ شب بیداری کے لئے بیدار ہوئے، سارے معمولات سے فارغ ہونے کے بعد دعاء شروع کی اور دعاء میں غلبہ حال کی بنیاد پر جس طرح لجاجت و اصرار کے ساتھ چھوٹا بچہ باپ کے سر ہوجاتا ہے اور کچھ مانگنا شروع کردیتا ہے اور اتنا اصرار کرتا ہے کہ خلاف مصلحت ہونے کے باوجود باپ کو وہ چیز دینی ہی پڑ جاتی ہے، اسی طرح حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی بھی اللہ سے تین سو روپے مانگنے لگے اور تسلسل کے ساتھ کافی دیر تک دعاء میں یہ کہتے رہے، یا اللہ مجھ کو تین سو روپیہ چاہئے، دعاء کرتے کرتے آپ کی آنکھ لگ گئی، خواب میں یہ دیکھا کہ ایک بہت خوصورت تاحد نظر لمبا چوڑا باغ ہے اور اس میں ایک شاندار عالیشان دلکش جاذب نظر

محل ہے جس کو دیکھنے کے لئے جب آپ قریب پہونچے اور اندر جانا چاہا تو باہر کھڑے ہوئے دربان نے اندر جانے سے منع کردیا، لیکن دروازہ کے باہر ہی سے جھانک تانک کر اندر کا جب دلفریب منظر دیکھا تو آپ حیران ہوگئے، رنگ برنگ کی روشنی، رنگ برنگ کے قمقمے اور ہیرے وجواہرات سے اندر کا ماحول جگمگا رہا تھا لیکن اس محل کا ایک گوشہ تاریک تھا، اس تاریکی کو دیکھ کر آپ حیران ہوئے، آپ نے دربان سے پوچھا کہ یہ محل کس کا ہے؟ دربان نے کہا یہ مولوی یعقوب نانوتوی کا ہے، دوسرا سوال کیا کہ یہ ایک کونہ تاریک کیوں ہے؟ دربان نے جواب دیا کہ مولوی یعقوب بہت اصرار کے ساتھ اللہ سے تین سو روپے مانگ رہے تھے اللہ کا حکم ہوا کہ اس کے لئے جنت میں جو محل بنایا گیا ہے اس کی موتی توڑ کر اس کو بھیج دو اس کی وجہ سے یہ گوشہ تاریک ہے۔

اس کے بعد حضرت مولانا یعقوب صاحب کی آنکھ کھل گئی اور اپنی طلب پر بہت ندامت ہوئی اس کے بعد آپ نے یہ دعاء شروع کردی کہ یا اللہ نہ مجھ کو تین ہزار چاہئے نہ تین سو چاہئے، نہ تین روپیہ چاہئے بلکہ میرے محل کا جو گوشہ تاریک ہے اس کو روشن کردے، چنانچہ یہی دعاء بہت دیر تک مانگتے رہے تا آنکہ پھر آنکھ لگ گئی اور خواب میں پھر وہی باغیچہ اور وہی محل دیکھا، لیکن اس مرتبہ اس کا تاریک گوشہ روشن ملا، جب دربان سے اس کی وجہ پوچھی تو دربان نے بتلایا کہ مولوی یعقوب نے اپنا مطالبہ چھوڑ دیا ہے، اس لئے اللہ نے وہ موتی اسی جگہ پر لگانے کا حکم دے دیا جس کے بعد تاریکی ختم

ہوگئی اور پورا محل روشن ہوگیا، اس کے بعد جب آنکھ کھلی تو صبح کا وقت ہو چکا تھا۔

سچ ہے اللہ پاک اپنے بعض بندوں کو اخروی نعمتوں میں سے بعض نعمتوں سے دنیا ہی میں سرفراز فرما دیتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کا واقعہ

چنانچہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اخیر عمر میں اس خادم نے کئی بار یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ کی نعمتوں کی بارش دیکھ کر کبھی کبھی یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ آخرت کی نعمتیں ہمیں دنیا ہی میں دی جا رہی ہوں، اس لئے بہت بیدار مغزی کے ساتھ ہر سالک کو زندگی گزارنا چاہئے۔

حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی کا دوسرا واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سالکین سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا جیسا کہ ابھی یہ بات آچکی ہے کہ حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی مجذوب صفت صاحب حال بزرگوں میں سے تھے، ایک مرتبہ دار العلوم دیوبند سے غائب ہو گئے اور کئی روز تک غائب رہے، طویل غیبوبت کی وجہ سے تلامذہ اساتذہ اور منتظمین کو فکر لاحق ہوئی کہ حضرت کہاں چلے گئے، سارے حضرات اپنے اپنے اعتبار

سے تلاش کرتے رہے، لیکن کسی کو پتہ نہیں لگا، بالآخر چند روز کے بعد از خود حضرت مولانا دارالعلوم دیوبند میں جلوہ افروز ہو گئے، طلباء، اساتذہ، منتظمین والہانہ ومشتاقانہ انداز میں قدم بوس ہوئے، حاضرین نے حضرت کی طویل غیبت پر اپنے اندیشوں کے ساتھ اظہار حقیقت کی خواہش ظاہر کی۔

حضرت نے فرمایا کہ ایک رات کی بات ہے عبادت سے فارغ ہونے کے بعد یہ خیال پیدا ہوا کہ گنگا جل کا انسانوں کے دلوں میں اس قدر احترام کیوں ہے؟ چنانچہ صبح ہو کر اسی کی تحقیق کے لئے میں نکل پڑا، چلتے چلتے گنگوتری پہونچ گیا جہاں سے گنگا نکلی ہے، وہاں پہونچ کر کئی روز قیام کیا اور عبادت وذکر اور مراقبہ میں مصروف رہا، کئی دنوں کے بعد یہ معلوم ہوا کہ جہاں سے گنگا نکلی ہے وہاں اللہ کے کسی نبی یا ولی نے بیٹھ کر وضوء کیا ہے، اسی وضوء کے پانی سے گنگا جل کی شروعات ہوئی ہے، اسی لئے لاکھوں کروڑوں انسانوں کے دلوں میں گنگا جل کا احترام ہے اور ان کے دلوں میں اس کے پوتر ہونے کا یقین ہے۔

حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی کا تیسرا واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سالکین سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ جب حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی کا تذکرہ آ ہی چکا ہے تو ان کا ایک اور واقعہ سناتا چلوں۔

حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی کے زمانہ میں ایک گھسیارہ تھا جس کا پیشہ جنگلوں سے گھاس کاٹ کرلانا اور بازار میں فروخت کرنا اور انہی پیسوں سے اپنا گزر بسر کرنا تھا۔لیکن اس کا معمول یہ تھا کہ روزانہ کی آمدنی سے ایک پیسہ نکال کر ایک جگہ جمع کرتا اور جب معتد بہ مقدار ہو جاتی تو اس سے دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ واکابرین کی دعوت کرتا۔لیکن دعوت کے پیسے وہ لے جا کر صرف حضرت مولانا یعقوب صاحب کے دست مبارک ہی میں دیا کرتا تھا اور جب وہ پہونچتا تو حضرت اس کے پیسوں کو کھڑے ہو کر دونوں ہاتھوں سے لیا کرتے تھے اور بہت ادب واحترام کے ساتھ اس کو رکھتے اور بہت عزت کے ساتھ اس سے کھانے کی چیزوں کو خریدلاتے اور کھانا تیار ہونے کے بعد بہت اہتمام کے ساتھ اساتذہ کو بلاتے اور وہ کھانا پیش کرتے۔

ایک مرتبہ ایک صاحب نے اسقدر اہتمام کی وجہ دریافت کی تو حضرت نے فرمایا کہ اس کی کمائی اتنی پاکیزہ اور حلال وطیب ہوتی ہے کہ اس کے پیسوں سے جو کھانا تیار کر کے میں کھاتا ہوں اس کے انوارات میں چالیس دن تک محسوس کرتا ہوں، یہ جواب سن کر سائل حیران رہ گیا۔

سچ ہے کہ پاکیزہ اور حلال روزی ایک مومن کے تحفظ ایمان واعمال اور بقاء جلاء باطن وقلب کے لئے بنیادی عنصر ہے،اس سے صرف نظر کی کسی حال میں گنجائش نہیں۔اس لئے کہ جہاں حلال و پاکیزہ کمائی کے لقمہ سے نورانیت پیدا ہوتی ہے جس کا ثمرہ اعمال میں تقویت اور باطنی کیفیات میں ازدیاد اور روحانیت میں

تازگی اور اعمال کا شوق ہے اسی طرح حرام لقمہ کا اثر ایمان و اعمال کا اضمحلال باطنی وقلبی ظلمت اعمال واشغال کے جذبہ شوق میں غفلت ہے، اس لئے ہر سالک کو اس پر خصوصی نظر رکھنی چاہئے کہ منھ میں جانے والا لقمہ حلال وطیب ہی ہو، حرام وغلیظ و پلید نہ ہو۔

اللہ کے ایک ولی کا واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سالکین سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے پہلے کی مجلس میں یہ بات آچکی ہے کہ اللہ والے محبت الٰہی سے جب سرشار ہوجاتے ہیں تو دنیا کی محبت اور اس کی عظمت ان کے دلوں سے نکل جاتی ہے، پھر نہ دنیا کے آنے پر خوشی اور نہ جانے پر کوئی غم ہوتا ہے۔

چنانچہ شیخ عبدالقادر جیلانی کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ایک بار وعظ کی مجلس میں بیٹھے وعظ فرمارہے تھے، دوران وعظ ایک صاحب آئے کان میں کچھ کہا، آپ نے زور سے فرمایا الحمدللہ تھوڑی دیر کے بعد وہ شخص پھر آیا اور کچھ کہا، آپ نے پھر زور سے فرمایا الحمدللہ۔

مجلس ختم ہونے کے بعد خدام نے پوچھا کہ حضرت آج آپ نے دوران وعظ دومرتبہ خلاف معمول الحمدللہ کہا، اس کی کیا وجہ تھی؟ حضرت نے فرمایا آنے والے شخص نے میرے کان میں کہا آپ کا سامان تجارت جس کشتی پر آرہا تھا وہ کشتی ڈوب

گئی، یہ سن کر میں نے اپنے دل کا حال جاننا چاہا کہ اس کو اس خبر سے کوئی صدمہ تو نہیں ہوا، تو میں نے دیکھا دل پر ذرہ برابر اس کا کوئی اثر نہیں ہے۔ اس پر میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور الحمدللہ کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد پھر اسی شخص نے آکر دوسری خبر سنائی کہ وہ کشتی آپ کی نہیں تھی بلکہ کسی دوسرے کی تھی، آپ کا مال صحیح سالم اور محفوظ ہے۔ اس خبر کے بعد میں نے پھر دل کی خبر لی تو دیکھا دل میں کسی طرح کا کوئی اثر نہیں ہے، اس پر میں نے زور سے الحمدللہ کہا۔

مجھے اس پر خوشی ہوئی کہ میرا دل اس حال پر پہونچ چکا ہے کہ اس کو نہ دنیا کے جانے کا غم ہے نہ آنے کی خوشی۔

جب اللہ والے اس مقام پر پہونچ جاتے ہیں تو پھر ان کا یہی حال ہوتا ہے، چونکہ ان کا قلب بیت اللہ بن چکا ہوتا ہے، وہ تو انوارات وتجلیات ربانی میں غرق ہو چکا ہوتا ہے، پھر اس کا دنیا ومافیہا سے کچھ لینا دینا نہیں ہوتا۔

حضرت مفتی محمد شفیعؒ صاحب کا ایک ملفوظ

اس لئے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس دنیا کو اگر تم حلال اور جائز طریقہ پر حاصل کرو تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس کو حاصل کرنے کے بعد جہاں رکھنا چاہو رکھو۔ جیب میں رکھو جائز ہے، صندوق میں رکھو جائز

ہے، پرس میں رکھو جائز ہے، الماری میں رکھو جائز ہے۔لیکن اس دنیا کو دل میں نہ رکھنا،اس لئے کہ مومن کا دل اللہ کا گھر ہوتا ہے(قلب المومن بیت الله)۔اگرتم دنیا کو دل میں رکھو گے تو اللہ کا گھر ناپاک ہوجائے گا، چونکہ دنیا کی حیثیت اللہ کی نگاہ میں بکری کے مرے ہوئے کن کٹے بدبودار بچے کے برابر بھی نہیں ہے۔

جب سے اللہ نے دنیا کو پیدا فرمایا محبت بھری نگاہ سے کبھی نہیں دیکھا، اسی لئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"لو كانت الدنيا عند الله جناح بعوضة لما سقى كافراً شربة ماء"۔

اگر دنیا کی حیثیت اللہ کی نگاہ میں لنگڑے مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اس دنیا میں اپنی ذات وصفات سے انکار کرنے والوں کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔

لیکن مشاہدہ یہ ہے کہ یہ دنیا اپنوں سے زیادہ اللہ نے غیروں کو دی ہے، اور یہ فرمایا ہے:

"ولو لا أن يكون الناس أمة واحدة لجعلنا لمن يكفر بالرحمن لبيوتهم سقفاً من فضة و معارج عليها يظهرون و لبيوتهم ابواباً و سرراً عليها يتكئوون"۔

اگر ایمان والوں کے ایمان میں تذبذب اور تزلزل نہ پیدا ہوتا تو جو اللہ کی ذات وصفات کے انکار کرنے والے ہیں ان کے گھروں کو اور ان کے گھروں کی چھتوں کو اور چھتوں پر چڑھنے والی سیڑھیوں کو اور ان کے سونے والی مسہریوں کو چاندی کی بنا

دیتے اور سونے اور چاندی کا ڈھیر ان کے گھروں میں جمع کردیتے، چونکہ ''ومالہ فی الآخرۃ من نصیب''، آخرت اور وہاں کی نعمتوں میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے اور اصل عیش تو آخرت ہی کا ہے: ''اللهم لا عيش إلا عيش الآخرة''۔

اسی لئے آقا نے فرمایا کہ یہ دنیا اور دنیا کی نعمتیں اللہ اس کو بھی دیدیتے ہیں جس سے کوئی پیار نہیں ہوتا جیسے ان کو بھی دیتے ہیں جن سے پیار ہوتا ہے، لیکن اپنا تعلق اپنی محبت اپنی رضاء اپنی معرفت اپنی معیت، اپنائیت اور دین اسی کو دیتے ہیں جس سے پیار ہوتا ہے (إن الله تبارک و تعالیٰ يعطى الدنيا لمن يحب و لمن لايحب، و لا يعطى الدين إلا لمن يحبه)۔

اور ہر سالک کو یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ دنیا اور آخرت کا آپسی رشتہ دو سوکنوں جیسا ہے، ایک خوش ہوگی تو دوسری ناراض (إن الدنيا و الآخرة كلاهما ضئرتان إذا رضيت إحدهما سخطت الأخرى)۔

اس لئے آخرت کو راضی کرنے کی فکر کرنی چاہئے، دنیا ناراض ہو یا راضی اس کی فکر نہیں ہونی چاہئے، چونکہ دنیا اس کو بھی ملتی ہے جو ہر وقت دنیا کے چکر میں پڑا رہتا ہے، لیکن بقدر مقدر اور اس کے پاس بھی آتی ہے جو دنیا سے نگاہ پھیر لیتا ہے۔

لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ جو دنیا کے چکر میں پڑا رہتا ہے اس کو دنیا ذلیل کر لیتی ہے، تب اس کے پاس آتی ہے اور جو دنیا سے منھ پھیر لیتا ہے دنیا اس کے پاس پہونچ کر قدم بوس ہو کر خوشامد کر کے اس کی دامن گیر ہوتی ہے۔

(من كان لله و لرسوله اتت الدنيا وهى راغمة)

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کا بیان کردہ ایک واقعہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک صاحب سفر پر نکلے، سفر بہت لمبا تھا، راستہ کا توشہ ختم ہوگیا، بھوک سے پریشان ہوگئے، چلتے چلتے ایک مسجد نظر آئی، اس مسجد میں یہ سوچ کر داخل ہوگئے کہ نماز کے وقت میں کوئی نہ کوئی تو یہاں ضرور آئے گا، اس کے ذریعہ کھانے کا انتظام ہو جائے گا، جب مسجد میں گئے تو دیکھا مسجد کے تین گوشوں میں تین آدمی سر جھکائے بیٹھے ہیں، انہوں نے ایک گوشہ جو خالی تھا اپنے لئے اختیار کیا اور یہ سوچ کر ان کی نقل اتارتے ہوئے گردن جھکا کر بیٹھ گئے کہ وقت پر ان کا جو کھانا آئے گا مجھ کو بھی مل جائے گا۔

چنانچہ تھوڑی دیر میں ایک حسین وجمیل خوبصورت نوجوان لڑکی مسجد میں داخل ہوئی جس کے ایک ہاتھ میں چاندی کا ایک طباق تھا وہ طباق مرغ بریانی سے بھرا ہوا تھا اوپر سے وہ بریانی کپڑے سے ڈھکی ہوئی تھی اور دوسرے ہاتھ میں ایک چاندی کا جگ تھا، اس میں ٹھنڈا پانی بھرا ہوا تھا، اوپر سے ایک کٹورا رکھا ہوا تھا، قریب کے گوشہ میں بیٹھے ہوئے شخص کے پاس وہ لڑکی پہونچی بہت دیر تک اس کے پاس کھڑی رہی اور کھانے کے لئے خوشامد کرتی رہی، بڑی مشکل سے انھوں نے سر اٹھایا اس کو دیکھا بھی نہیں کراہت کے ساتھ چند لقمے لئے اس میں جو ہڈی نکلی اس لڑکی کے چہرہ پر مار دیا۔ اس سے فارغ ہو کر دوسرے گوشہ میں گئی وہاں بھی وہی سارا ماجرا میں دیکھتا رہا جو

پہلے شخص کے یہاں ہوا، پھر وہ وہاں سے فارغ ہوکر تیسرے شخص کے پاس گئی، وہاں بھی وہی ہوا جو دونوں جگہ ہو چکا تھا، میں بھوک سے بے قرار تھا، بار بار بے صبری کے ساتھ کھانے کو دیکھ رہا تھا اور بے چینی کے ساتھ انتظار کر رہا تھا اور اندر اندر ان لوگوں کی تاخیر اور اس حرکت پر غصہ بھی آرہا تھا، تاآنکہ وہ لڑکی میرے پاس آئی میں نے بھی ان کی نقل اتارنی چاہی اور گردن جھکا کر ٹال مٹول کرنا چاہا لڑکی نے جواب دیا میاں کھانا ہو تو جلدی کھاؤ ورنہ میں چلی۔ چنانچہ فوراً گردن اٹھالی طباق کی طرف ہاتھ بڑھایا اور یہ سوچ کر جلدی جلدی کھانا شروع کر دیا کہ کہیں یہ کھانا لے کر بھاگ نہ جائے، کھاتے ہوئے ایک ہڈی نکلی اس ہڈی کو ان تینوں کی نقل اتارتے ہوئے میں نے بھی اس جوان لڑکی کے چہرہ پر مار دیا، اس کے جواب میں اس لڑکی نے اتنا زوردار طمانچہ میرے رُخ انور پر رسید کیا کہ میرا چہرہ انار کے دانے کی طرح کھل گیا۔ جلدی جلدی کسی طرح سے میں نے اپنا پیٹ بھرا، پانی پیا، جب وہ مقصد حاصل ہو گیا جس کے لئے میں مسجد میں آیا تھا، اس کے بعد اس لڑکی سے میں نے یہ سوال کیا کہ یہی حرکت ان تینوں نے تمہارے ساتھ کی لیکن تم نے ان تینوں کی خوشامد کر کے ان کو کھانا کھلایا اور انہوں نے ہڈی تمہارے چہرہ پر مارا تو تم کچھ نہیں بولی لیکن میرے پاس آکر تمہارا انداز بھی بدل گیا اور ہڈی مارنے پر طمانچہ بھی رسید کر دیا، آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

اس لڑکی نے کہا تم جس حال میں مجھ کو دیکھ رہے ہو میں وہ نہیں ہوں، بلکہ میں دنیا کی صورۃ مثالیہ ہوں، یہ تینوں مجھ سے ناراض ہوکر یہاں گوشہ نشیں ہیں، اس

لئے میں ان کی خوشامد کررہی ہوں، اورتم تو میری جستجو اور تلاش میں یہاں آئے ہواس لئے ان کے ساتھ میرا سلوک وہ ہے جوتم نے دیکھا اور تم جس سلوک کے قابل ہو وہ تم نے خود دیکھ لیا، اور بھوگ لیا۔ اسی لئے ماقبل میں یہ عرض کیا گیا کہ جو دنیا سے بھاگتا ہے منھ پھیرتا ہے دنیا اس کا پیچھا کرتی ہے اور اپنے کو ذلیل کرکے اس کے پاس پہونچتی ہے۔ اور جو دنیا کے پیچھے بھاگتا ہے دنیا سے دل لگاتا ہے دنیا کے فریب کا شکار بنتا ہے دنیا بقدر مقدر اس کو ملتی ہے، لیکن ملنے سے پہلے اس کو ذلیل کردیتی ہے، رسوا کردیتی ہے۔

اس لئے اللہ والے دنیا سے اپنے کو ہمیشہ دور رکھتے ہیں، اس کے دام فریب میں نہیں آتے، اگرچہ ضرورتیں ان کی بھی پوری ہوتی ہیں۔

اس لئے ہر سالک کو ان امور کا خاص دھیان ولحاظ چاہئے تاکہ سلف کے وہ خیر خلف کے مصداق بن سکیں اور کامیابی وکامرانی سے ہمکنار ہوسکیں۔

لکھنؤ کا ایک واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلۂ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے فرمایا کہ ماسبق کے واقعہ میں انار کے دانے کی طرح کھلنے کی بات آئی ہے اس پر ایک واقعہ یاد آیا سناتا چلوں۔

لکھنو کی زبان جس وقت فصاحت وبلاغت کے اونچے معیار پر پہونچی ہوئی

تھی اور ہر خورد وکلاں جوان و بوڑھا، مرد وعورت کی زبان انتہائی شائستہ، مہذب اور مؤدب تھی۔ حتی کہ وہاں کی زبان اور خوش اسلوبی اور شیرینی اور لطافت کی مثال دیا کرتے تھے، اسی زمانہ کی بات ہے کہ ایک گاؤں میں رہنے والے بڑے میاں جو زبان کی شائستگی اور شگفتگی سے نا آشنا تھے، ان کو لکھنؤ کی زبان وادب سننے اور دیکھنے کا شوق ہوا، اس شوق میں وہ گاؤں سے چلے اور لکھنؤ پہونچے، لکھنؤ کی آبادی میں جس گوشہ سے داخل ہوئے ان کی اچانک نظر دو بچوں پر پڑی۔ یہ دونوں بچے کسی معاملہ میں الجھ کر انتہائی مہذب اور مؤدب ایک دوسرے کے سامنے ایک دوسرے کی آنکھ میں آنکھ ڈالے ہوئے کھڑے تھے، بڑے میاں بھی وہیں ٹھہر گئے، تھوڑی دیر میں دیکھتے کیا ہیں کہ ایک بچہ دوسرے بچہ کو مخاطب کر کے اسی سنجیدگی اور متانت کو برقرار رکھتے ہوئے گویا ہوتا ہے کہ حضور والا میں کچھ گوش گزار کرنا چاہتا ہوں امید کہ آپ بہ سماع قبول سماعت فرمائیں گے۔ اگر حضور والا کی زبان اطہر سے میری والدۂ مطہرہ کی شان اطہر میں کوئی پلید جملہ نکلا تو حضور والا کے لئے بہتر نہیں ہوگا۔

دوسرا بچہ اسی سنجیدگی اور وقار کو برقرار رکھتے ہوئے ناطق و گویا ہوا کہ حضور والا میں بھی آنجناب سے کچھ گوش گزار کرنا چاہتا ہوں امید کہ آنجناب بھی بہ سماع قبول سماعت فرمائیں گے، اگر آنجناب کی زبان اقدس سے میری والدۂ مقدسہ کی شان اقدس میں کوئی نازیبا اور پلید جملہ نکلا تو میرے ان حنائی دستوں سے آنجناب کے رخسار انور پر ایسا طمانچہ رسید ہوگا کہ انار کے دانے کی طرح کھل جائیں گے۔

جب بڑے میاں نے ان دونوں بچوں کی یہ شائستہ گفتگو سنی تو ششدر و حیران رہ گئے اور یہ سوچ کر الٹے پاؤں اپنے گاؤں واپس ہو گئے اور یہ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ جب یہاں کے بچوں کی زبان کی شیرینی کا عالم یہ ہے تو بڑوں کی زبان کا عالم کیا ہوگا، لیکن دیہاتی کہاوت ہے مری ہاتھی بھی سوالاکھ کی ہوتی ہے۔

آج سے چالس سال پہلے کا ایک واقعہ

کسی بھی تہذیب وثقافت کو مٹنے میں وقت لگتا ہے، ایک دم سے جس طرح کوئی چیز وجود میں نہیں آتی، اسی طرح جس چیز کو بنانے میں ایک مدت لگی ہو اس کو بگاڑنے اور بگڑنے میں بھی مدت درکار ہوتی ہے۔ چنانچہ آج سے چالیس سال پہلے کی بات ہے، آپ کا یہ خادم گرمی کے موسم میں دہرہ دون ایکسپریس سے شاہ گنج سے سہارنپور کے لئے روانہ ہوا، رات میں جب ٹرین لکھنؤ اسٹیشن پر پہونچی تو ٹرین کے جنگلہ کے پاس سے ایک بڑے میاں گزرے جو ٹھیلے کو دھیرے دھیرے آگے بڑھا رہے تھے جس پر باریک اور لمبی ککڑیاں تھیں اور وہ کچھ گنگناتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے، جب خادم نے دھیان سے سنا تو وہ یہ کہہ رہے تھے اور یہ کہنا اس کا ترنم کے ساتھ تھا:

لیلیٰ کی پسلیاں ہیں مجنوں کی انگلیاں ہیں
لکھنؤ کی ککڑیاں ہیں لیتے تو جاؤ بھائی

خادم نے جب بڑے میاں کا یہ ترنم سنا تب ان کے اس استعارہ وتمثیل اور تشبیہ پر حیرت کی انتہا نہیں رہی اور فوراً لکھنؤ کی زبان وادب کا وہ زمانہ گردش کرنے لگا جس زمانہ میں لکھنؤ کی زبان ضرب المثل تھی۔

ایک نواب صاحب کا واقعہ

لیکن ایک زمانہ وہ بھی آیا کہ لکھنؤ کی زبان وادب کو نوابیت کا گھن لگ گیا۔

حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکثر یہ واقعہ سنایا کرتے تھے جس کو حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری کی زبان سے خادم نے بارہا سنا۔ لکھنؤ میں ایک نواب صاحب تھے جو ہر وقت عورتوں میں بیٹھے رہا کرتے تھے، بیگمات ان کی ہم نشیں تھیں، ایک مرتبہ محل سرائے میں ایک سانپ نکل آیا، ایک بیگم کی نظر اس پر پڑ گئی وہ دیکھ کر چیخ پڑی اور شور مچایا کہ سانپ، سانپ، سانپ۔ اس آواز میں آواز ملا کر ساری بیگمات نے بھی سانپ، سانپ، سانپ، کہنا شروع کر دیا، جب نواب صاحب نے سنا تو آنجناب نے بھی سانپ، سانپ، سانپ، کہنا شروع کر دیا۔

اسی دوران ایک بیگم صاحبہ بولی باہر سے کسی مردوا کو بلاؤ جو اس کو آکر مارے، یہ سن کر ساری بیگمات نے اسی جملہ کو دہرایا، جب نواب صاحب کے صماخ اذنین تک گردش کرتے ہوئے یہ جملہ پہونچا تو آنجناب نے بھی ارشاد فرمایا کہ ہاں، ہاں، باہر سے کسی مردوا کو بلاؤ جو اس کو آکر مارے۔

اس پر ایک بیگم صاحبہ کھڑی ہوئیں اور نواب صاحب کے مقدس کان میں دھیرے سے ناطق و گویا ہوئی:

کہ حضور والا آپ بھی تو مرد ہیں۔

اس پر نواب صاحب نے فرمایا واللہ کیا خوب یاد دلایا، لاؤ لاٹھی میں ہی ماروں، جب تک سانپ کہیں رخصت ہو گیا۔

اس واقعہ کو سنا کر حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہنستے اور فرماتے کہ دیکھتے ہو بیگمات اور عورتوں میں رہتے رہتے نواب صاحب اپنی مردانگی بھی بھول گئے۔

اس لئے ہر سالک کو چاہئے کہ اجانب اور غیر محارم سے مکمل پرہیز اور احتیاط رکھے کہیں ایسا نہ ہو کہ ذکر وفکر کی بنی بنائی گٹھری چند سکنڈ کی صحبت بد کی وجہ سے ضائع ہو جائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے مردوا میں الف یہ تصغیر وتحقیر کی ہے، بیگمات نے تحقیراً مرد کو مردوا کہہ کر پکارا اور یہ مزاج عام عورتوں کا ہے کہ شوہر چاہے کتنا ہی طرم خاں بنتا ہو لیکن عورتوں کی نظر میں ہر مرد کی حیثیت دوسرے نمبر کے شہری جیسی ہوتی ہے جس کی شہادت **زوجی العشنق أن أنطق أطلق و أن أسکت أعلق** سے ہوتی ہے، پوری حدیث خرافہ اس کی مؤید ہے۔

جب چند عورتیں جمع ہوتی ہیں اور کبھی مردوں کا تذکرہ آ گیا تو وہ اسی انداز کی گفتگو کرتی ہیں جیسے مرد، ان سے کمتر ہوں اور اکثر ان کی گفتگو کا محور مردوں کی تنقیص و تحقیر ہوتی ہے، اِلا ماشاءاللہ۔

کانپور کے شاہ رسول نما کا واقعہ

کانپور کے ایک بزرگ تھے جن کا نام کچھ اور تھا لیکن وہ رسول نما کے نام سے مشہور تھے، چونکہ وہ بیداری میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرا دیا کرتے تھے، ان کے اس عمل کی وجہ سے وہ رسول نما کے نام سے مشہور ہو گئے، اس کی برکت سے ان کی مقبولیت میں بہت اضافہ ہوا، ہر کس و ناکس ان کو عزت کی نظر سے دیکھتا تھا اور دور و قریب میں ان کا بہت چرچا تھا۔ لیکن ان کی بیوی ان کی معتقد نہیں تھی اور نہ ہی ان کے اس عمل کو مانتی تھی، بلکہ اس کو ڈھونگ اور مکاری کہا کرتی تھی۔

بزرگوں نے لکھا ہے کہ اللہ والوں کے فیوض و برکات سے تین لوگ محروم رہتے ہیں (۱) بیوی (۲) اولاد (۳) خادم۔

چونکہ یہ تینوں بہت زیادہ قریب ہونے کی وجہ سے بہت دور چلے جاتے ہیں، اسی لئے کہا گیا ہے: **زرغباً تزدد حباً** ۔ روز کی ملاقات اور بہت زیادہ قربت کبھی ایسی دوریاں پیدا کر دیتی ہیں جن کو قربت سے تبدیل کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی شئ کی حقیقت کو جاننے کے لئے بین بین قریب اور بین بین بعید رہنا پڑتا ہے، اگر آنکھوں سے بہت قریب کسی چیز کو کر دیا جائے تو اس کو دیکھنا اور اس کی حقیقت کو پہچاننا ممکن نہیں ہوتا، اسی طرح اگر آنکھوں سے بہت دور کر دیا جائے تب بھی اس کو دیکھنا اور پہچاننا ناممکن ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر

رائی اور مرئی کے درمیان حد اوسط کے معیار کو باقی رکھا جائے تب اوسط ساقط نہیں ہوگا اور نتیجہ مثبت برآمد ہوگا۔

بہر حال شاہ رسول نما کی بیوی نے ایک دن یہ کہہ ہی دیا کہ پوری دنیا میں شور مچا رکھا ہے اپنے رسول نما ہونے کا، میں جب سمجھوں کہ تم سچے ہو جب مجھے اللہ کے رسول کی زیارت کروادو۔

شاہ رسول نما نے وعدہ کرلیا اور وقت و تاریخ اور دن متعین کر دیا، اور شرط لگادی کہ اس کے لئے اس طرح سے تیار ہوکر بیٹھنا ہوگا، جس طرح سج ڈھج کر اور رنگ برنگ کے لباس میں میرے پاس پہلی رات میں آئی تھی۔

چنانچہ اہلیہ نے لال کپڑے منگوائے، سل کر تیار کیا، زیب و زینت کی چیزیں منگوائی اور تاریخ مذکور پر مکمل دلہن بن کر تیار ہوکر گھر میں بیٹھ گئی، عشاء کی نماز کے بعد زیارت کا وقت طے کیا گیا تھا، لہذا مکمل تیار ہوکر وہ انتظار میں بیٹھی ہوئی تھی۔

شاہ رسول نما عشاء کی نماز پڑھنے کے لئے گئے، اسی مسجد میں اہلیہ کا بھائی بھی یعنی ان کا سالا بھی نماز ادا کیا کرتا تھا، سالے بہنوئی دونوں بوڑھے ہو چکے تھے، بہنوئی نے عشاء کے بعد اپنے سالے کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ لے کر گھر پہونچے اور سیدھے اس کمرے میں داخل ہوگئے جس میں ان کی بڑھیا بیوی دلہن بن کر بیٹھی ہوئی تھی، اس کے بھائی کو بہن کے سامنے لاکر کھڑا کر دیا اور اس کے سامنے کہا اپنی بہن کو دیکھو ''بوڑھی گھوڑی لال لگام''۔ بڑھاپے میں دلہن بننے کا شوق سوار ہوا ہے۔ یہ

سنتے ہی بڑھیا کو ایسی چوٹ لگی کہ زار و قطار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، اس کے بعد اپنے سالے کو اشارہ کیا، وہ گھر سے باہر چلا گیا، تھوڑی دیر کے بعد شاہ رسول نما نے اپنے کندھے پر سے چادر اتاری اور بڑھیا کے سر پر اوڑھا دیا، اس کے بعد توجہ کی اور حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے بڑھیا سرفراز ہوگئی۔

کل ہو کر بڑھیا نے کہا میں مان گئی واقعۃً تم رسول نما ہو، لیکن یہ بتاؤ تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ یعنی میرے بھائی کو بلا کر مجھ کو رسوا کیوں کیا؟ چونکہ میاں بیوی کے تعلقات میں بہت سی باتیں اور چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کے سلسلے میں زوجین کو سراپا راز بننا پڑتا ہے، وہ نہ تو شوہر اپنے گھر والوں کو بتا سکتا ہے نہ بیوی اپنے گھر والوں کو بتا سکتی ہے۔ لیکن یہاں وہ بات جو صرف میاں بیوی کے درمیان کی تھی بھائی کے سامنے افشاں ہوگئی جس کی چوٹ بہن نے ایسی محسوس کی کہ وہ برداشت نہیں کر پائی، بے قابو ہو کر بے ساختہ رو پڑی۔

شاہ رسول نما نے فرمایا کہ یہ سب کچھ تمہارے لئے رسول نمائی کا سامان تھا، اس کے بغیر تمہاری زیارت ناممکن تھی، چونکہ بیوی ہونے کی وجہ سے تمہارے دل و دماغ پر قربت کی ایسی دبیز چادر پڑی ہوئی تھی جس کا ہٹنا اس کے بغیر ممکن نہیں تھا جب تمہارے دل کو چوٹ لگی، جس کی وجہ سے تم نے رونا شروع کیا، اس کی وجہ سے وہ دبیز چادر ہٹ گئی اور تمہارا دل اس قابل ہوگیا کہ تم زیارت کر سکو اور تم کو زیارت بھی ہوگئی۔

ایک دوسرے بزرگ کی بیوی کا واقعہ

عموماً اللہ والوں کی بیویاں ایسی ہی ہوتیں ہیں جو اللہ والوں کی عقیدت مند نہیں ہوتیں بلکہ ان کے ناک میں دم کر کے رکھتی ہیں۔

چنانچہ ایک بزرگ تھے جن کی بیوی بھی کچھ اسی انداز کی تھی، ایک مرتبہ اللہ کے ولی نے ساگ سبزی دریافت کروانے میں تاخیر کر دی جس کی وجہ سے اہلیہ تپ گئی اور غصہ میں بپھری بیٹھی رہی، اسی دوران تاخیر سے اللہ کے ولی کا قاصد ساگ سبزی پوچھنے کے لئے پہونچ گیا، غصہ سے تپی ہوئی بڑھیا نے جواب دیا جاؤ کہہ دو خاک پکے گا، خادم واپس آیا اور خاموش ہو کر بیٹھ گیا، حضرت نے مجلس ہی میں اس کو بلایا اور پوچھا کہ کیا کہا ہے؟ آج کیا پکے گا؟

خادم کو جواب بتلانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی بسیار اصرار کے بعد خادم نے کہا کہ حضرت پیرانی صاحبہ نے فرمایا ہے ''خاک پکے گا''۔

حضرت نے یہ جواب سن کر فوراً ایک روپیہ نکالا اور فرمایا جاؤ گوشت لا کر کے دیدو حضرت نے محسوس کیا کہ اہلیہ کے جواب سے حاضرین میں کہیں غلط میسیج نہ جائے اس لئے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

کبھی کبھی میری اہلیہ بہت اونچا جملہ بول جاتی ہے، اصل آج ان کو گوشت چاہئے تھا، لیکن گوشت کے بجائے انہوں نے خاک کہا، اس لئے کہ خاک کا الٹا کاخ

ہوتا ہے اور کاخ کے معنی محل کے آتے ہیں اور محل کا الٹا لحم ہوتا ہے اور لحم کے معنی گوشت کے آتے ہیں۔

اس طرح اس جواب کی نئی تعبیر رقم کر کے حضرت نے اپنی ولایت کی رداء تقدس کو بچالیا اور اہلیہ کی عظمت کو بھی محفوظ کر دیا۔

ایک نواب صاحب کے درباری کا واقعہ

کبھی کبھی مقربین و حاشیہ نشینوں کو اس انداز کی تشریح کرنی پڑتی ہے کہ عظمت و تقدس برقرار رہے۔

چنانچہ ایک نواب صاحب مجلس آرائی کے شوقین تھے اور مجلس میں ڈینگ و ڈپاٹ بھی خوب کیا کرتے تھے جس کو اہل خرد سمجھتے تھے اور مجلس میں زیر لب مسکراتے تھے، دھیرے دھیرے نواب صاحب نے جب اس کو محسوس کر لیا تو اسی ڈینگ اور الٹی سلٹی باتوں کو سیدھی کرنے کے لئے ایک منطقی صاحب کو ملازم رکھا جن کا کام مجلس میں شرکت کرنا اور نواب صاحب کی ہر ٹیڑھی کو سیدھی کر کے بیان کرنا تھا، چنانچہ ایک دن نواب صاحب نے ڈینگتے ہوئے یہ فرمایا کہ آج میں شکار میں گیا ایک نیل گائے پر میری نظر پڑی اس پر جو میں نے نشانہ فٹ کیا، میری گولی ہرن کے کھر میں لگی اور اس سے نکل کر ناک میں گھسی اور ناک سے نکل کر دماغ میں گئی، اور سر سے باہر نکل گئی اور ہرن وہیں گر گیا۔ نواب صاحب کی یہ ڈینگ سن کر حاضرین مجلس میں سے بعض

نے خوب شاباشی دی اور بعض زیرلب مسکرا کر رہ گئے۔

اب منطقی صاحب کا نمبراس ٹیڑھی کو سیدھی کرنے کا آیا تو انہوں نے فرمایا کہ نواب صاحب کی بات پر آپ حضرات کو حیرت نہیں ہونی چاہئے اور یہ خیال نہیں آنا چاہئے کہ کھر کہاں اور ناک کہاں، آخر یہ بے تکی بات نواب صاحب کیسے فرما رہے ہیں۔

ہوا یہ کہ جب نواب صاحب نے نشانہ فٹ کیا اس وقت ہرن اپنے کھر سے ناک کھجلا رہا تھا اسی حال میں نواب صاحب نے گولی چلادی، وہ گولی کھر سے نکلی ناک میں گئی اور ناک سے دماغ میں گئی اور دماغ سے باہر نکل گئی۔

منطقی صاحب نے نواب صاحب کی بات کی اچھی تطبیق تو دے دی، جو تطبیق ہر ایک کے لئے قابل قبول بن گئی، لیکن مجلس ختم ہونے کے بعد منطقی صاحب نواب صاحب کی خلوت گاہ میں پہونچے اور یہ کہتے ہوئے اپنا استعفیٰ نامہ پیش کردیا کہ حضور اب میرے بس سے باہر ہے کہ آپ کی خدمت کرسکوں اس لئے میں اپنی سبکدوشی کا خواہش مند ہوں، میری معذرت قبول کی جائے۔

کانپور کے ایک مقرر کا واقعہ

کچھ لوگ ایسی باتیں کرنے کے عادی ہوتے ہیں جن کی تصحیح و تطبیق سامعین کے لئے بہت مشکل ہوتی ہے۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نے فرمایا کہ کانپور میں ایک صاحب

آئے اور نماز کے بعد انہوں نے خود ہی اعلان فرمایا دوستو! بجرگو، دعاء کے بعد سبھی حجرات تصریف رکھیں انساءاللہ واج ہوگا۔

سمجھدار لوگ اعلان ہی سے بیان تک پہونچ گئے کہ بیان کیسا ہوگا، تاہم کچھ دیر رکے رہے کہ شاید کوئی کام کی بات ہاتھ آجائے جب واج کے لئے بیٹھے تو فرمایا امام نودی نے مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ سے روایت نقل کیا ہے، یہ سن کر سمجھ میں آ گیا کہ حضرت واعظ کتنے پانی میں ہیں اور سامعین یکے بعد دیگرے اٹھ کر جانے لگے۔

بعض لوگوں کو اونچے الفاظ کے استعمال کا شوق ہوتا ہے

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی ہی نے یہ واقعہ بھی سنایا کہ ایک صاحب تھے جن کو اونچے اور بھاری بھرکم الفاظ کے بولنے کا اور واہ واہی لوٹنے کا بڑا شوق تھا، ایک مرتبہ انہوں نے کسی کو یہ بولتے ہوئے سن لیا کہ خدا میرا بھی رزاق ہے، یہ جملہ ان کو بہت پسند آیا اور اس کو محفوظ کرلیا اور موقعہ کی تلاش میں رہے کہ کوئی موقعہ ہاتھ آئے تو میں اس کو استعمال کروں اور لوگوں سے داد حاصل کروں، لیکن اسکا موقعہ ان کو نہیں مل سکا تو بالآخر ایک مرتبہ کسی تقریب میں کہیں جانا ہوا، جہاں شرکاء کی تعداد اچھی خاصی تھی، رات کا قیام بھی وہیں تھا، صبح ہوئی قضاء حاجت کے لئے جب گئے تو میزبان کے یہاں بیت الخلاء ایک ہی تھا، اس میں بھی لائن لگی ہوئی تھی، پہلے تو انہوں نے دیر تک انتظار کیا، جب باری آ گئی تو ان سے پہلے جو بیت الخلاء میں گیا ہوا تھا وہ شاید قبض کا مریض تھا اس لئے وہ ان

کی خواہش کے مطابق جلدی نہیں نکل سکا، باہر سے یہ دستک دیتے رہے، اخیر میں مجبور ہوکر یہ کہہ کر وہاں سے واپس ہوگئے کہ اچھا نہ نکلو خدا میرا بھی رزاق ہے۔

حضرت مولانا علی میاں صاحب کا ایک ملفوظ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سالکین سے بات کرتے ہوئے فرمایا کہ ماسبق کی مجلس میں لکھنؤ کے ادب تہذیب وثقافت کے ضمن میں یہ بات آئی تھی کہ کسی چیز کے بننے میں ایک زمانہ لگتا ہے۔اس پر حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ یاد آیا وہ بھی سن لیں۔ایک مرتبہ حضرت مولانا جونپور تشریف لائے، جونپور کا ایک محلّہ ملاٹولہ کے نام سے موسوم ہے جس میں حضرت مولانا شاہ کرامت علی صاحب، ہادی بنگال کا خانوادہ مقیم ہے،اس خانوادہ کے بہت سے بچے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے بھی فیض یافتہ ہیں، انہی کی خواہش پر حضرت مولانا جونپور تشریف لائے اور ملاٹولہ میں قیام فرمایا، قیام کے دوران حضرت کا خطاب بھی ہوا۔

حضرت نے خطاب کے دوران یہ فرمایا کہ کسی شخص کو شخصیت بننے میں ایک زمانہ لگتا ہے، لیکن جب شخصیت وجود میں آجاتی ہے تو اس کی حیثیت تناور درخت کی بن جاتی ہے جس کے سایہ میں کئی نسلیں پرورش پاتی ہیں، اس لئے شخصیات کی عظمت و تقدس کو ہر حال میں ملحوظ رکھنا چاہئے اور ان کے بتلائے ہوئے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان کے فیوض وبرکات اور ثمرات سے مستفیض ہوتے رہنا چاہئے۔

حضرت مولانا علی میاں صاحب کا دوسرا ملفوظ

حضرت مولانا علی میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک دوسرا ملفوظ یاد آ گیا وہ بھی سنتے چلیں۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا نے حضرات علماء کی مجلس میں علماء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''**المعلم لایکون معلماً حتی یکون ملهما**'' کہ کوئی بھی مدرس اس وقت تک کامل مدرس نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ ملہم نہ ہو۔ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''**من عمل بما علم اورثه الله تبارک تعالیٰ علم مالم یعلم**''۔ جب کوئی شخص معلومات کو معمولات بنا لیتا ہے، تو مجہولات کا علم اللہ پاک اس کو خزانہ غیب سے عطا فرما دیتے ہیں۔

پھر اس کو ''**ترتیب امور معلومة لیتادی إلی المجهول**'' کی ضرورت نہیں پڑتی اور بغیر اشکال اربعہ میں گئے اور بغیر حد اوسط کو ساقط کئے نتیجہ تک پہونچ جاتے ہیں، یہی مطلب ہے مدرس کے ملہم ہونے کا۔ اگر اساتذہ معلومات کو معمولات بنا لیں تو ان کو من جانب اللہ مجہولات کا علم حاصل ہوتا چلا جاتا ہے، اس کے لئے ان کو مطالعہ شاقہ کی ضرورت نہیں پڑتی، فی البدیہ جواب خواہ الزامی ہو یا تحقیقی اللہ کی طرف سے القاء ہوتا ہے، جو سائل کے لئے مسکت بن جاتا ہے، چاہے وہ عارضی ہو یا دائمی۔

حضرت مولانا اعزاز علی صاحب کا واقعہ

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب درس دے رہے تھے، دوران درس ایک طالب علم نے سوال کیا کہ حضرت اس کی کیا وجہ ہے کہ بعض لوگ ہاتھ سینہ پر باندھتے ہیں؟

حضرت نے برجستہ بلاتکلف فرمایا ؎

حاولن تفدیھن و خفن مراقباً

ووضعن ایدیھن فوق ترائباً

یہ جواب سن کر درسگاہ میں قہقہہ لگ گیا اور سائل خاموش ہوگیا، اور درس کا تسلسل باقی رہا۔ حضرت نے اگلی بات شروع کردی۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کا ایک واقعہ

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی بخاری شریف کا درس دے رہے تھے، دوران درس ایک طالب علم نے سوال کیا کہ حضرت کیا بات ہے کہ حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ، حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا نام نہیں لیتے بلکہ ان کا تذکرہ قال بعض الناس سے کرتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب نے فی البدیہ جواب دیتے ہوئے فرمایا: دیورانی

جٹھانی کا نام نہیں لیا کرتی ہیں، اس جواب کو سن کر دارالحدیث میں قہقہہ لگ گیا اور اس استعارہ اور تشبیہ کو طلباء سمجھ گئے اور سائل خاموش ہو گیا، حضرت آگے بڑھ گئے۔

شاہ عبدالعزیز دباغ کا واقعہ

شاہ عبدالعزیز دباغ ان شخصیات میں سے ہیں جن کو اللہ نے علم وہبی سے سرفراز فرمایا تھا اور علم میں اتنا کمال حاصل تھا کہ بڑے بڑے علماء و مشائخ و محدثین حیران و انگشت بدنداں تھے، بہت سے علماء و محدثین اپنے تلامذہ کے ذریعہ آپ کا امتحان لیا کرتے تھے لیکن امتحان میں کبھی آپ فیل نہیں ہوئے۔

ایسا بھی ہوا کہ قرآن کریم کی آیت کا کچھ حصہ اور حدیث پاک کے کچھ اجزاء اور انسانی کلام کا کوئی جملہ ملا کر کسی کو بھیجا کہ جاؤ اور پوچھو کہ یہ حدیث ہے یا قرآن؟

حضرت شاہ صاحب کا معمول یہ تھا کہ اس انداز کا کوئی سوال لے کر آتا تو اس کو پڑھنے کو فرماتے جب وہ پڑھتا تو سن کر آپ فرما دیتے کہ اتنا حصہ قرآن کریم کا ہے اور یہاں سے یہاں تک حدیث پاک ہے، اور فلاں جگہ سے فلاں جگہ لوگوں کا کلام ہے، لوگ اس تحقیقی جواب پر حیران و پریشان ہو جاتے اور تسلیم و قبول کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہوتا۔ ایک مرتبہ خادم نے تخلیہ میں حضرت سے دریافت کیا کہ حضرت یہ کیسے آپ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ قرآن ہے اور یہ حدیث اور یہ لوگوں کا کلام ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ قرآن کریم کا نور الگ ہے اور حدیث پاک کا نور الگ ہے، دونوں کے انوارات میں فرق ہے اور ان دونوں انوارات سے میں واقف ہوں، اس کے برخلاف انسانوں کے کلام میں کوئی نور نہیں ہوتا بلکہ ظلمت ہی ظلمت ہوتی ہے۔

جب پڑھنے والا میرے سامنے کلام پڑھتا ہے تو اگر قرآن کی آیت ہوتی ہے تو اس کے انوارات نکلتے ہیں، میں سمجھ جاتا ہوں کہ یہ قرآن کریم اور کلام الٰہی ہے۔

اور جب حدیث پڑھتا ہے تو حدیث پاک کے انوارات الگ ہوتے ہیں، جب پڑھنے والے کی زبان سے وہ انوارات نکلتے ہیں تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ یہ حدیث ہے اور جب ان دونوں انوارات میں سے کوئی نور نہیں نکلتا بلکہ ظلمت اور تاریکی شروع ہو جاتی ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ یہ انسانوں کا کلام ہے۔

اس راز سربستہ کو سن کر خادم حیران رہ گیا، یہ اللہ کا خصوصی فضل اور اس کا انعام ہے جس سے وہ اپنے جس بندہ کو چاہے نواز دے، اس میں کسی کا کوئی دخل نہیں ہے۔

لیکن کمال تو بہر حال کمال ہے، جب آدمی کسی لائن میں درجۂ کمال کو پہونچ جاتا ہے تو جہاں اس کی مقبولیت وشہرت میں اضافہ ہوتا ہے وہیں اس کے حاسدین بھی کچھ پیدا ہو جاتے ہیں اور خواہ مخواہ کچھ لوگوں کے حسد کی ہانڈی میں ابال شروع ہو جاتا ہے اور حسد کی ہانڈی جوش مارنے لگتی ہے جس کے نتیجہ میں وہ خود جل بھن کر خاک ہو جاتا ہے اور محسود کا کوئی نقصان نہیں ہوتا (**الحسد كصداء الحديد لايزال به حتى ياكله**)۔

محبت اور عشق میں فرق

محبت کہتے ہیں میلان نفس کو یعنی کسی چیز کی طرف دل کا مائل ہونا، جھک جانا، راغب ہو جانا اور اس کے چار اسباب ہیں:

(۱) جمال (۲) کمال (۳) احسان (۴) قرابت۔

عموماً ان چار اسباب میں سے کسی ایک سبب یا کئی اسباب کے پائے جانے کی وجہ سے قلبی میلان و جھکاؤ اس کی طرف ہو جاتا ہے۔ وہ میلان اور جھکاؤ اگر ابتدائی درجہ میں ہو تو اس کو محبت کہتے ہیں اور اگر یہ جھکاؤ اپنی انتہاء کو پہونچ جائے اور اس درجہ محبوب کی قربت پیدا ہو جائے کہ بغیر محبوب کے محبّ کے لئے زندگی گزارنا مشکل ہو جائے اور اس کے ساتھ ایک خاص قسم کی سوزش اور جلن محبوب کی عدم یافت پر محسوس کرنے لگے تو اس مقام پر پہونچ کر محبت عشق سے تبدیل ہو جاتی ہے، جس کو کسی نے یوں کہا ہے ؎

عاشق کو خدا زر دے یا زیر زمیں کردے
معشوق کو خدا پر دے یا پردہ نشیں کردے

اور جب عاشق اپنے معشوق کو پالیتا ہے تو اپنی ہر چیز اس پر نچھاور کر دیتا ہے بلکہ اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ کتنا زیادہ سے زیادہ مجھے مل جائے جسے میں اپنے معشوق پر لٹا سکوں اور وہ پھر اپنی فکر نہیں رکھتا بلکہ ہر آن ولمحہ معشوق کی رضا جوئی

راحت رسانی کی فکر میں پڑا رہتا ہے۔

لیکن یہاں یہ نقطہ بھی سمجھنے کے قابل ہے کہ عشق کس کے دل میں پہلے پیدا ہوتا ہے، عاشق یا معشوق۔ یہ شعر یہ بتاتا ہے کہ معشوق کے دل میں عشق پہلے پیدا ہوتا ہے ۔

عشق اول در دل معشوق پیدا می شود

تانسوزد شمع کے پروانہ شیدا می شود

اس شعر میں شاعر نے پہلے مصرعہ میں جو دعویٰ پیش کیا ہے اس کی دلیل اس نے دوسرے مصرعہ میں بیان کردی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عشق پہلے معشوق کے دل میں پیدا ہوتا ہے تب اس کا کوئی عاشق پیدا ہوتا ہے۔

لہٰذا دنیاوی عشق میں قابل احتساب عاشق سے زیادہ معشوق کو بنایا جانا چاہئے، حالانکہ عموماً عاشق پہلے نمبر پر زیرِعتاب آتا ہے اس کے بعد معشوق کا نمبر آتا ہے۔

خواجہ نظام الدین اولیاء کا ایک واقعہ

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء جو سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے اونچے مشائخ میں سے ہیں جن کے نام پر دلی میں آج بھی پوری بستی، بستی حضرت نظام الدین کے نام سے موسوم ہے اور ریلوے اسٹیشن بھی ان کے نام سے موسوم ہے، اور اسی بستی حضرت نظام الدین میں حضرت خواجہ صاحب کا مزار ہے جہاں لاکھوں انسانوں کی آمدورفت کے ساتھ آپ کا روحانی فیضان جاری وساری ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء جب سلوک کے مراحل طے فرما رہے تھے اس وقت غیب سے ایک آواز آئی کہ نظام الدین! عاشق بننا چاہتے ہو یا معشوق اور یہ آواز کئی روز تک مسلسل آتی رہی۔ حضرت کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کا کیا جواب میں دوں، اس کے جواب کے لئے اس وقت دلی میں موجود سارے بزرگوں کا چکر لگایا لیکن ہر ایک نے سوال سن کر دوسرے پر ٹال دیا۔ بالآخر ایک بزرگ ملے جنہوں نے یہ کہا کہ دلی میں اس کا جواب تم کو نہیں مل پائے گا فلاں گاؤں میں جاؤ، وہاں ایک بھڑ بھونجا ملے گا جو بھاڑ جھونک رہا ہوگا۔ اور اس کا حلیہ ولباس دیکھنے کے قابل نہیں ہوگا، پراگندہ بال و پراگندہ حال ہوگا، وہی تمہارے سوال کا جواب دے سکتا ہے، لیکن یہ یاد رکھنا کہ جب تم وہاں پہونچو گے اور سوال کرو گے تو وہ بہت ڈانٹیں گے، خفا ہوں گے اور بھگائیں گے، لیکن بھاگنا نہیں بلکہ جم جانا، اس لئے کہ تمہارا جواب وہیں سے مل سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء تلاش کرتے ہوئے اس بستی میں گئے اور بھڑ بھونجے کو پا گئے، جب قریب پہونچ کر ان کو سلام کیا اور سوال پیش کیا تو انہوں نے ڈانٹنا اور بھگانا شروع کر دیا، لیکن خواجہ صاحب کو دلی کے بزرگ کی نصیحت ووصیت یاد تھی۔ ع

کوئے جاناں میں جب جانا دل جاناں تو جم جانا

بہت ڈانٹ و پھٹکار کے بعد جب انہوں نے دیکھ لیا کہ یہ بھاگنے والا نہیں ہے تو جواب ملا کہ جاؤ کل آنا۔

چنانچہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء پُر امید ہوکر خوشی خوشی واپس آ گئے کہ میرے دیرینہ سوال کا جواب کل مل جائے گا، لیکن جب کل ہوکر آپ وہاں پہونچے تو نہ وہاں ان کی دکان تھی نہ وہ خود تھے بلکہ ان کی جگہ میں تالا پڑا ہوا تھا، پڑوس والوں سے جب معلوم کیا کہ ایک اللہ کے ولی بزرگ یہاں رہتے تھے وہ کہاں گئے؟ تو لوگوں نے کہا کہ ولی کہتے ہو یہاں کوئی ولی بزرگ نہیں تھا، بلکہ ایک بھڑ بھونجا تھا کل وہ مر گیا۔ حضرت خواجہ صاحب کو بہت افسوس ہوا کہ یہی ایک بزرگ تھے جو میرے خواب کی تعبیر بتانے کی اہلیت رکھتے تھے، یہ بھی دنیا سے چلے گئے، اب میرے سوال کا جواب کون دے گا، اس کے بعد خیال آیا کہ جب آ ہی گئے ہیں تو چلو ان کی قبر پر پہونچ کر فاتحہ پڑھ لیں۔

چنانچہ حضرت خواجہ صاحب نے لوگوں سے پوچھا کہ ان کا مزار کہاں ہے؟ جہاں وہ دفن کئے گئے ہیں، لوگوں نے جواب میں کہا مزار کی بات کرتے ہو کیا وہ کوئی بزرگ تھے، ارے وہ ایک بھڑ بھونجا تھا، زندگی بھر بھاڑ جھونکتا رہا، مر گیا لوگوں نے پہاڑ کی کھائی میں لے جا کر پھینک دیا، حضرت خواجہ صاحب یہ جواب سن کر حیران ہو گئے اور فرمایا وہ جگہ ہی بتادو جس کھائی میں لوگوں نے ان کو پھینکا ہے، یہ کہنے پر بڑی مشکل سے ایک صاحب تیار ہوئے اور انہوں نے جا کر کھائی بتائی جہاں وہ مردہ حالت میں پڑے ہوئے تھے۔

حضرت خواجہ صاحب ان کی یہ حالت دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے۔ فاتحہ خوانی اور ایصال ثواب کے بعد وہیں سوچنے لگے کہ یہی ایک بڑے میاں تھے جو میرے سوال کا

جواب دیتے، یہ بھی چلے گئے۔اب میرے سوال کا جواب کون دے گا۔

اتنے میں اس اللہ کے ولی کے بدن میں حرکت شروع ہوئی، آنکھ کھلی اور بولے میاں جاؤ، جاؤ، معشوق بننا عاشق مت بننا، ورنہ زندگی بھر بھاڑ جھونکوائیں گے اور جب مر جاؤ گے تو کھائی میں پھینکوا دیں گے اس کے بعد پھر آنکھ بند ہوگئی اور پرانی حالت پر لوٹ گئے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء یہ جواب سن کر واپس آئے پھر جب غیب سے آواز آئی کہ نظام الدین! عاشق بننا چاہتے ہو یا معشوق۔آپ نے جواب میں فرما دیا معشوق بننا چاہتا ہوں۔

چنانچہ پوری زندگی معشوق بنے رہے اور مرنے کے بعد بھی اللہ نے لاکھوں انسانوں کے لئے معشوق کی حیثیت سے زندہ وجاوید بنا رکھا ہے۔

آج بھی ان کے مزار پر چلے جائیں تو ان کی معشوقیت کا رنگ نظر آتا ہے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا دوسرا واقعہ

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا جب انتقال ہوگیا اور خلفاء مریدین متوسلین و متعلقین نے غسل دے کر کفن پہنا دیا اور قبرستان لے جانے کی تیاری تھی کہ اتنے میں آپ کے متوسلین میں سے ایک صاحب دل نے بہت ہی خاص جذب و

کیف کے ساتھ یہ شعر پڑھا ؎

اے تماشہ گاہ عالم روئے تست

تو کجا بہر تماشہ می روی

یہ شعر پڑھنا تھا کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے داہنے ہاتھ میں حرکت ہوئی اور کفن کے اندر ہاتھ اس طرح دراز ہو گیا جیسے مصافحہ کے لئے ہاتھ دراز کیا جاتا ہے، یہ منظر دیکھ کر سارے خلفاء و مریدین حیران رہ گئے اور فوراً شعر پڑھنے والے شخص کو آغوش میں لے کر خاموش کیا اور حاضرین نے فوراً جنازہ اپنے کندھوں پر اٹھا لیا تا کہ آگے مزید کوئی عجیب وغریب بات پیش نہ آئے۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلۂ گفتگو دراز کرتے ہوئے آگے فرمایا:

جس وقت میں ریاض العلوم گورینی میں تھا، اس وقت جلاپور جو ضلع فیض آباد کا ایک معروف اور صنعتی قصبہ ہے، جہاں کے تجار عموماً علماء نواز ہیں، وہاں اکثر آنا جانا ہوتا تھا۔

قصبہ جلاپور میں ایک دینی ادارہ بھی ہے جو مدرسہ کرامتیہ کے نام سے مشہور ہے اس ادارہ کے صدر المدرسین اور ذمہ دار اعلیٰ حضرت مولانا ضمیر احمد صاحب تھے جو

دارالعلوم دیوبند کے پرانے فضلاء میں سے تھے اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے خصوصی تلامذہ میں ان کا شمار ہوتا تھا اور تاحیات مدنی خاندان سے وابستہ رہے، بہت اچھے اور مقبول مقرر بھی تھے اور باصلاحیت مدرس بھی۔ ضلع اعظم گڑھ کے حاجی پور کے رہنے والے تھے، لیکن ہجرت کر کے جلالپور میں مقیم ہو گئے تھے، پوری زندگی جلالپور میں گزاردی اخیر عمر میں بیمار ہو کر دہلی کے ایک ہاسپٹل میں زیر علاج ہوئے اور انتقال کے بعد دیوبند کے مزار قاسمی میں سپرد خاک ہو گئے۔

جلالپور آتے جاتے ان سے اکثر ملاقات ہوتی تھی اور قاسمی نسبت کی وجہ سے خادم سے مانوس بھی تھے۔ چنانچہ خادم ہی کے اصرار و دعوت پر پہلی مرتبہ مدرسہ ریاض العلوم گورینی تشریف لائے اور مدرسہ کو ایک عرصہ کے بعد اپنی آنکھوں سے قریب سے دیکھا، ایک مرتبہ انھوں نے ہی اپنا چشم دید واقعہ سنایا، فرمانے لگے جب ملک کی تقسیم کے بعد حضرت قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ پاکستان ہجرت کر گئے اور دوبارہ ہندوستان آنے کی خواہش ظاہر کی تو واپسی کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے اور قانونی راہ ہموار کرنے کے لئے حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے جواہر لال نہرو سے ملاقات کی اور پوری بات ان کے سامنے رکھی، سننے کے بعد جواہر لال نہرو نے کہا، مولانا صاحب چھوڑو نا جو چلا گیا چلا گیا، اس کو بھول جاؤ، ایسے مولانا طیب بہت ملیں گے، اس کے جواب میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے جواہر لال نہرو سے ایسی بات کہی جس کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا، حضرت نے فرمایا کہ ویسے مولانا طیب تو بہت ملیں گے لیکن مجھکو وہ مولانا طیب

چاہئے جومولانا قاسم نانوتوی کا پوتا ہے اور یہ نسبت ان کے سواء کسی میں نہیں ہے۔

حضرت مدنی کا یہ جواب سن کر جواہر لال نہرو ششدر و حیران رہ گیا اور اس نے ان کی واپسی کی راہ ہموار کردی تا آنکہ حضرت قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی واپسی دیوبند کے لئے طے ہوگئی۔ جب دیوبند آپ تشریف لائے اور ٹرین سے اترے تو وہاں استقبال میں انسانوں کا ایک بڑا ہجوم تھا جس میں شہر کے علاوہ دارالعلوم دیوبند کے تمام منتظمین واساتذہ وطلباء بھی موجود تھے، استقبال کرنے والوں میں سب سے آگے حضرت مولانا حسین احمد مدنی تھے، جب ٹرین سے حضرت قاری طیب صاحب اترے تو سامنے سب سے پہلے ملاقات کے لئے حضرت مدنی کو موجود پایا، مارے خوشی کے حضرت قاری طیب صاحب حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے قدم کو بوسہ دینے کے لئے جھکے۔ حضرت مدنی نے فوراً گود میں اٹھالیا، مصافحہ معانقہ ہوا، اپنے ہمراہ لے کر دارالعلوم پہونچے، مغرب کے بعد جلسہ استقبالیہ رکھا گیا، اس جلسہ استقبالیہ میں حضرت قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اعزاز واستقبال میں سب سے پہلی تقریر حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے فرمائی اور تقریر کا آغاز اس شعر سے فرمایا۔

اے تماشہ گاہ عالم روئے تست
تو کجا بہر تماشہ می روی

اس کے بعد حضرت قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خطاب ہوا جس میں انہوں نے ہجرت اور واپسی کے اسباب وعلل کو تفصیل سے بیان فرمایا اور پورا خطاب

حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی ممنونیت سے لبریز تھا۔

پوری مجلس میں جہاں ایک طرف طلباء اساتذہ پر گریہ و بکاء کا غلبہ تھا وہیں ایک قیمتی اثاثہ کی یافت پر غیر معمولی مسرت بھی تھی، اس کے اظہار کے لئے الفاظ کے دامن تنگ تھے۔

حضرت تھانوی کا ایک ملفوظ

لیکن حضرت تھانوی علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے بڑوں نے ہمیں جتنا پہچانا اور قدر کی ہمارے چھوٹے نہ ہمیں پہچان سکے اور نہ قدر کر سکے۔ اسی طرح حضرت قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بڑوں نے جس طرح پہچانا اور قدر کی اور عزت دیا چھوٹے نہ پہچان سکے نہ قدر کر سکے نہ عزت دے سکے۔ فالی اللہ المشتکی۔

حضرت مولانا ضمیر احمد صاحب کا ایک ملفوظ

حضرت مولانا ضمیر احمد صاحب جلالپوری سے ایک سفر میں فجر کی نماز میں ملاقات ہوگئی، نماز مکمل ہونے کے بعد مدرسہ ریاض العلوم کی خیر خیریت خادم سے دریافت کرنے لگے، خادم نے بہت بشاشت کے ساتھ وہاں کے پُرسکون ماحول کی جب ان کو خبر دی تو انہوں نے ایک ٹھنڈی آہ لی، چونکہ ان ایام میں اہل قصبہ کی طرف سے مدرسہ کرامتیہ کے سلسلہ میں کچھ ایسی پیچیدگیاں پیدا کر دی گئیں تھیں جس سے اہل

مدرسہ بالخصوص مولانا ضمیر صاحب کئی سال تک پریشان رہے، انہی ایام کی یہ بات ہے جب راقم کی ان سے ملاقات ہوئی ایک ٹھنڈی آہ بھرنے کے بعد حضرت مولانا نے فرمایا کہ انہی مدارس میں آج عافیت ہے جو مدارس کسی شخصیت کی ماتحتی میں چل رہے ہیں، باقی جن مدارس میں کمیٹی کمیٹیاں ہیں وہاں سواء چھینٹی چھینٹا کے اور کچھ نہیں ہے۔

حضرت مولانا کی یہ بات مبنی بر حقیقت وصداقت تھی، یہ حق اور سچ ہے کہ آج بھی انہی مدارس میں عافیت ہے جو کسی شخصیت کی ماتحتی میں چل رہے ہیں، چاہے لوگ شخصیت پرستی کا اس پر الزام کیوں نہ لگاتے ہوں، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اداروں کا تحفظ اور اس کی بقاء اور کام کا عروج شخصیات ہی کی ماتحتی میں ہے۔

ایک صحرا نشیں بزرگ کا واقعہ

ایک سلسلۂ گفتگو میں حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ یہ بات ماسبق کی مجلس میں آچکی ہے کہ اللہ والے دنیا سے بے نیاز ہوکر زندگی گزارتے ہیں نہ دنیا کے آنے پر ان کو خوشی ہوتی ہے نہ جانے پہ غم، دنیا میں رہتے ہوئے دنیاوی آلائشوں سے اس طرح پاک وصاف رہتے ہیں جیسے کوئی سمندر میں ہو اور اس کا کپڑا نہ بھیگے۔

کچھ اسی انداز کے ایک اللہ والے صحرا میں رہتے تھے، لیکن ان کی شہرت و مقبولیت اور ولایت کا چرچا عوام وخواص میں بہت تھا، ایک صاحب کو ان کی ملاقات کا شوق ہوا، چنانچہ وہ اپنے گھر سے نکلے اور ملاقات کی راہ پر چل پڑے، چلتے چلتے جب

کچھ قریب پہونچے تو دیکھا شاندار محل ہے، جھاڑی ہے، باغ ہے، جانور ہیں، عیش کا سارا سامان نظر آیا۔

بس دل میں خیال آیا اور ایک مصرع بن گیا۔ ع

نہ مردانست کہ دنیا دوست دارد

یہ سوچتے ہوئے اور گنگناتے ہوئے وہ صاحب اللہ کے ولی کے یہاں پہونچ گئے، وہاں جب پہونچے تو خانقاہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور حضرت مسند لگائے جلوہ افروز تھے۔

اس کے پہونچتے ہی حضرت نے خوش آمدید کہا، سلام کے بعد جب مصافحہ کیا، حضرت نے ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا بیٹا کیا کہا تم نے جو کچھ تم نے کہا ہے وہ ادھورا ہے، اس کو مکمل کرلو، یہ سنتے ہی اس کے پاؤں کے نیچے سے زمین سرک گئی کہ میرے ساتھ کوئی تھا بھی نہیں میں اکیلا تھا اور عالیشان محل کو دیکھ کر ایک خیال پیدا ہوا جو مصرع بن گیا آخر اس کی خبر یہاں کیسے پہنچ گئی؟ بہت پریشان ہوا، حضرت بار بار اصرار کرتے رہے لیکن زبان پر لانے کی اس کو ہمت نہیں ہوئی۔

بالآخر حضرت نے ہی اپنی زبان سے دہرایا فرمایا بیٹا تم نے یہی کہا تھا نا۔

نہ مردان است کہ دنیا دوست دارد

دوسرا مصرع میں لگا دیتا ہوں، شعر مکمل ہوجائے گا ابھی یہ شعر ناقص ہے، اس لئے کہ شعر جب مکمل ہوتا ہے جب دو مصرع ہوں۔ ؎

اگر دارد برائے دوست دارد

یہ جواب سن کر وہ نو وارد شخص پانی پانی ہو گیا۔

اللہ والوں کا دل جب ذکر اللہ کی ضربوں کے ذریعہ آئینہ کی طرح ہو جاتا ہے تو اسی طرح چیزوں کا عکس آنے لگتا ہے جس کی تعبیر کشف سے کی جاتی ہے، جس پر تفصیلی گفتگو اس سے پہلے ہو چکی ہے۔

اللہ کے ولی نے سچ فرمایا کہ تم نے جو یہ سوچا کہ یہ کیسے اللہ والے ہیں؟ یہ تو دنیا دار لگتے ہیں، یہ عالی شان محل، یہ جھاڑی یہ جانور یہ سب تو دنیا داری ہے اور اللہ والے تو دنیا سے دور رہتے ہیں۔

لیکن یہ جو کچھ ہے اپنے لئے نہیں بلکہ تمہارے جیسے آنے جانے والے دوستوں کی راحت کے لئے دوستوں نے بنا دیا ہے۔ نہ میں نے بنایا ہے اور نہ میرا ہے اور نہ اپنے لئے سوچا۔

جس طرح اہل مدارس نے آج کل مدارس میں کموڈ لگا دیا ہے اور میز کرسی کا انتظام کر دیا ہے ان بوریہ نشین مولویوں کو میز کرسی سے کیا مطلب، لیکن مدارس میں آنے والے مہمانوں کی راحت کے مدنظر یہ سارا نظم وانتظام ہے۔

بہر حال اس واقعہ سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ والوں کے یہاں بہت سنبھل کر پاک و پوتر تصورات و خیالات کے ساتھ حاضری دینا چاہئے ورنہ غیر حاضری کی باتیں بھی حاضری سے قبل اللہ والوں کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتی ہیں اور اپنا نقش چھوڑ جاتی ہیں۔

اسی طرح اللہ والوں سے گفتگو بھی بہت سلیقہ سے کرنا چاہئے، ناپ تول کر

الفاظ بولنا چاہئے۔اور جب تک رہے باسلیقہ ومؤدب اور باقرینہ رہنا چاہئے ورنہ اس کا بھی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

ایک بزرگ کے ایک خادم کا واقعہ

چنانچہ ایک بزرگ تھے جو دس سال میں ایک بار بولا کرتے تھے،لیکن وہ بھی صحرا نشیں تھے،لوگوں کی آمد ورفت تھی، دعاء کی درخواست کرنے لوگ آیا جایا کرتے تھے۔

ایک صاحب کو شوق ہوا کہ چلیں اللہ والے ہیں ان کی خدمت کر کے کچھ حاصل کرلیں، چنانچہ پہونچ کر خدمت میں لگ گئے اور طویل زمانہ تک خدمت کرتے رہے،ایک دن کسی بات سے بد دل ہو کر خادم سر جھکائے بیٹھا تھا اتنے میں حضرت کا وقت پورا ہو گیا، خادم کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا مانگو کیا مانگتے ہو؟

چونکہ وہ دلبر داشتہ غصہ میں بیٹھا تھا،اس نے یہ نہیں سوچا کہ میں کس سے بات کر رہا ہوں، اس نے اپنی شرم گاہ کی طرف اشارہ کر کے کہا یہ چاہئے۔حضرت نے دعاء کر دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پورے بدن میں ایک کے بجائے سیکڑوں شرم گاہ پیدا ہو گئے۔ یہ دیکھ کر بہت پریشان ہوا لیکن اس کا علاج وحل اس کے پاس نہیں تھا، چونکہ دس سال کے بعد ہی حضرت بولتے تھے ایک موقعہ تو خادم نے گنوا دیا، اب اس نے دس سال پھر خدمت کی، دس سال کے بعد پھر جب حضرت کے بولنے کا وقت آیا تو اتفاق سے خادم چہار زانوں بیٹھا ہوا تھا حضرت نے پوچھا مانگو کیا مانگتے ہو،اس نے

اپنی شرمگاہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا حضرت اس کو ختم کرا دیجئے، اللہ کے ولی نے مستجاب دعاء کر دی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ زوائد کے ساتھ اصل چیز بھی حذف ہوگئی اور اصل شرم گاہ سے محروم ہوگیا۔ اب کیا کرے، بہت پریشان ہوا، بالآخر دس سال پھر خدمت کی جب مدت پوری ہوئی حضرت نے پھر سوال کیا مانگو کیا مانگتے ہو جواب میں خادم بولا حضرت میرا اصل واپس کروا دیجئے، چنانچہ حضرت نے دعاء کر دی اور اصل واپس آ گیا۔

اس کے بعد خادم فوراً وہاں سے رفو چکر ہوگیا، بھاگ نکلا۔ جب اپنے شہر پہونچا تو لوگ اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے، لوگوں نے بہت اکرام کیا، بہت عزت دی کہ ایک اللہ کے ولی کے یہاں تیس سال کا لمبا وقت گزار کر اور بہت کچھ حاصل کر کے آیا ہے، لوگوں نے اس کے اعزاز میں استقبالیہ جلسہ کا اہتمام کیا، جب خادم کی باری آئی اور لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے کہ دیکھیں حضرت کے یہاں سے کیا لے کر آیا ہے، ضرور سننا چاہئے۔ تو اس نے اپنے بیان میں ایسی بات کہی جس سے لوگوں کو بہت زیادہ مایوسی ہوئی۔

اس نے پورا واقعہ سنایا اور کہا لوگو تیس سال میں بڑی مشکل سے اپنی اصل چیز واپس لے کر آیا ہوں۔ باقی میرے ہاتھ کچھ نہیں لگا۔

حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے اس میں اس اللہ کے ولی کا کوئی قصور نہیں ہے وہ تو مستجاب الدعوات ولی تھے، قصور خادم اور اس کے فہم کا ہے۔

اس لئے اللہ والوں کے یہاں بہت سوچ سمجھ کر رہنا چاہئے اور بولنا چاہئے ورنہ پوری کمائی پر منٹوں سکنڈوں میں پانی پھر جاتا ہے۔ بولنے میں مکمل احتیاط رکھنا چاہئے۔

ایک بزرگ کا واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلۂ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے فرمایا:

ایک اللہ کے ولی کو ایک صاحب نے دیکھا کہ تعمیر میں لگے ہوئے ہیں، تو دیکھنے والے نے حیرت واستعجاب سے پوچھا حضرت یہ کیا کر رہے ہیں؟ اللہ والے تو ان چیزوں سے دور رہتے ہیں تو حضرت نے جواب میں وہی بات کہی جو اس سے پہلے واقعہ میں آپ حضرات سن چکے ہیں۔

ساختم کاخے کہ در وے دوستے منزل کند
ورنہ عاقل عمر خود کے صرف آب وگل کند

یہ آشیانہ اس لئے بنا رہا ہوں تاکہ اللہ کے دوستوں کا ایک مستقر بن جائے، تھکے ہارے کہیں سے آئیں تو وہ سکون کے ساتھ کچھ روز یہاں قیام کرسکیں، ورنہ بھلا کوئی دانا اور عقلمند اور اللہ والا کہیں اپنی زندگی کے قیمتی لمحات گارے ومٹی (تعمیر) میں گنوائے گا، کتنی قیمتی بات اللہ کے ولی نے کہی۔ سچ ہے اللہ والے اگر کچھ کرتے ہیں تو دوسروں کی راحت اس میں مضمر ہوتی ہے، خود اپنے لئے کچھ نہیں کرتے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کا ملفوظ

اسی لئے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی مہمان آتا ہے تو بہت خوشی ہوتی ہے، اس لئے کہ مہمانوں کے طفیل ہمیں بھی اچھا اچھا کھانے کو مل جاتا ہے، اس لئے کہ مہمان پر جو خرچ کیا جاتا ہے وہ بے حساب ہوتا ہے، اس کا حساب نہیں ہوتا اور ذاتی کھانے پر تکلفات کا حساب ہوگا، **ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم۔**

لیکن حساب و بے حساب انہی کی سمجھ میں آتا ہے جن کے قلوب یوم الحساب کے خوف سے لبریز ہوتے ہیں جو دنیا کے تنعّمات و تعیّشات کو ہی زندگی کا ماحصل سمجھتے ہیں ان کو اس کی کیا پرواہ وہ تو بلا خوف و خطر بے حساب من چاہی زندگی گزارتے ہیں۔

کانپور کا ایک واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا حساب پر کانپور کے ایک خطیب کا واقعہ یاد آ گیا، سناتا چلوں، حضرت مفتی حسن صاحب گنگوہی نے ایک مرتبہ سنایا کہ کانپور میں ایک مشہور مقرر آتے تھے ان کی تقریر میں بڑا مجمع ہوتا تھا عوام و خواص، ہندو مسلم کی ایک اچھی خاصی بھیڑ جمع ہو جاتی تھی۔

دوران تقریر ایک دم سے رُخ بدلا اور کہنے لگے جانتے ہو یہ مسلمان حساب

میں بہت کمزور ہوتا ہے اور ان کے مقابلہ میں ہمارے ہندو بھائی حساب میں بہت مضبوط ہوتے ہیں اور اگر یقین نہ آئے تو دیکھوابھی تمہارے سامنے امتحان لے کر دکھا دیتا ہوں۔ چنانچہ انھوں نے میتھ کا ایک سوال پیش کیا اور ہندؤوں سے کہا آپ لوگ خاموش رہیں یہ سوال میرا صرف مسلمان بھائیوں سے ہے پورے مجمع میں سے کوئی بھی کھڑا ہوکر اس کو حل کر دے پانچ منٹ کا وقت دیتا ہوں۔ پانچ منٹ کا جب وقت گزر گیا اور کوئی مسلمان اس کو حل نہیں کر سکا تو خطیب صاحب نے مسلمانوں کی خوب چٹکی لی سب کا سر نیچا ہو گیا۔

اس کے بعد ہندؤوں کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا مسلمان بھائیوں کا وقت ختم ہو گیا اب ہندو بھائیوں میں سے کوئی اس کا جواب دے اس کے بعد فوراً ایک کم عمر بچہ کھڑا ہوا اور اس نے فٹافٹ سوال کا صحیح صحیح جواب بتلا دیا۔

اس پر خطیب صاحب نے اس بچہ کو خوب شاباشی دی اور کہا اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ مسلمان حساب میں کمزور ہوتا ہے۔

لیکن اس کے بعد خطیبانہ اسٹائل میں انھوں نے فوراً رُخ تبدیل کیا اور کہنے لگے۔

میاں سنو تم یہاں بھی حساب کے چکر میں ہو وہاں بھی حساب کے چکر میں رہو گے۔

اور مسلمان یہاں بھی بے حساب ہے وہاں بھی بے حساب ہے، یعنی یوم

الحساب کو بھی یہ بے حساب و کتاب جنت میں جائے گا اور تم حساب و کتاب کے چکر میں پھنس کر جہنم رسید ہو جاؤ گے۔

کانپور ہی کا ایک دوسرا واقعہ

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نے ہی اس کے بعد فرمایا کہ کانپور ہی میں ایک مرتبہ چند نوجوان جمع ہوئے جن میں مسلم و غیر مسلم دونوں ہی تھے، غیر مسلم دوستوں نے اپنے مسلم دوستوں سے ازراہ مذاق کہا، مسلمان حساب میں بہت کمزور ہوتا ہے اس پر اس کا ایک غیر مسلم دوست بولا ڈاکٹر ذاکر حسین تمہارا باپ تھا؟ یعنی وہ بھی تو مسلمان ہی تھا جس کے حساب دانی کا لوہا پورا ہندوستان مانتا ہے۔

غیر مسلم بطور طنز یہ بھی کہتے ہیں کہ حساب کی ایک رگ ہوتی ہے جو مسلمانوں کی مسلمانی (ختنہ) کے وقت کٹ جاتی ہے جس کی وجہ سے مسلمان حساب میں کمزور ہوتا ہے۔لیکن ایسا نہیں سلب کلی کے ابطال کے لئے اثبات جزئی کافی ہے۔

اورنگ زیب کی بیٹی کا واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلۂ گفتگو کے دوران فرمایا اس سے قبل کی ایک مجلس میں اللہ والے کے واقعہ میں یہ بات آئی تھی کہ ایک مصرعہ سے شعر مکمل نہیں ہوتا جب تک دو مصرع نہ ہوں۔

چنانچہ ایک شاعر تھا، اس کا ایک مصرع بنا دوسرا مصرع بن ہی نہیں رہا تھا کہ شعر مکمل ہو، بیچارہ بہت پریشان تھا مصرع کیا تھا؟ ع

در ابلق کسے کم دیدہ موجود

ایسا موتی جو سفید ہو لیکن سیاہی مائل ہو یعنی سرمئی کلر کا موتی کم یاب ہے کم یافت ہے۔

اس کی خبر کہیں سے زیب النساء کو لگ گئی جو اورنگ زیب عالمگیر کی بیٹی تھی کہ ایک شاعر ہے جو بہت پریشان ہے اس کے شعر کا دوسرا مصرع نہیں بن رہا ہے۔ اس نے دوسرا مصرع بنا کر کسی کے ذریعہ شاعر کے پاس بھجوا دیا۔ ع

ولے اشک بتان سرمہ آلود

اب شعر اس طرح مکمل ہو گیا۔ ؎

در ابلق کسے کم دیدہ موجود
ولے اشک بتان سرمہ آلود

یعنی ایسا نہیں ہے کہ در ابلق نایافت ہے بلکہ اس کی یافت بہت آسان ہے، وہ اس طور پر کہ اپنے محبوب کی آنکھوں میں وہ سرمہ لگوا دو جو لگنے والا ہو اس کے بعد اس کی آنکھوں سے جو پانی گرے گا وہ سفید سیاہی مائل یعنی سرمئی کلر کا ہوگا۔ یہی تو در ابلق ہے۔

جب شاعر کا شعر اس مصرع سے مکمل ہو گیا تو اتنا خوش ہوا کہ پوچھو مت، اگر اس کو دو چار لاکھ ملتا تو اتنا خوش نہ ہوتا اور مصرع بھی بامعنی اور مکمل طور پر پہلے مصرع کا

جواب تھا۔

اب اس کے بعد اس شاعر میں اس کی ملاقات کی بے قراری بڑھی جس نے اس کے ناقص کلام کو مکمل کر دیا، لیکن یہ معلوم نہیں کہ وہ کون ہے اور کہاں ملے گا۔

شاعر کی اس بے قراری کی خبر زیب النساء کو لگی اس نے اس کے جواب میں ایک ایسا شعر لکھ کر بھیج دیا جس نے جلتے پر پٹرول کا کام کیا، اس نے لکھا ۔

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

میں اپنی باتوں میں اپنے کلام میں اسی طرح مخفی اور چھپی ہوں جیسے گلاب کی خوشبو گلاب کی پنکھڑیوں میں چھپی رہتی ہے، جو مجھے دیکھنے کا خواہشمند ہو وہ میرے کلام کو دیکھ لے۔

اس شعر کے بعد شاعر ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا، لیکن دیدار نصیب نہیں ہو سکا۔

سچ ہے:

’’قدر جوہر شاہ داند یا بداند جوہری‘‘

ہیرے کی قدر بادشاہ جانتا ہے یا جوہری جانتا ہے، عام آدمی کیا جانے۔

اس کی مثال ایسی ہی ہے:

’’بھینس کے سامنے بین بجائے وہ بیٹھی پگرائے‘‘

حضرت مولانا قاسم نانوتوی کا واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کسی زمانہ میں جب حضرت مولانا قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی باحیات تھے اور ان کے علم وفضل کا چرچا پورے ہندوستان میں تھا تو ایک صاحب ملاقات کے لئے آئے لیکن پہلے وہ گنگوہ پہونچے، وہاں کئی روز قیام کیا، حضرت گنگوہی کا مزاج بڑا نفیس تھا، کھانے پینے رہنے سہنے، لباس وغیرہ میں بھی پوری نظافت ولطافت ہوا کرتی تھی۔ حضرت کے یہاں مہمانوں کی خاطرداری کا بھی شاہانہ انداز تھا، یہ صاحب وہاں کی ملاقات سے فارغ ہوکر دیوبند حضرت مولانا قاسم نانوتوی کی ملاقات کے لئے آئے۔ دارالعلوم پہونچ کر کسی سے حضرت کے بارے میں معلوم کیا تو انہوں نے حضرت کی قیام گاہ تک پہونچادیا۔

دیکھا انتہائی سادہ کپڑے میں ملبوس کھدر کا کرتا کھدر کی لنگی پہنے ہوئے ایک سادی چٹائی پر بیٹھے ہوئے ہیں، دیکھ کر حیران ہوگئے، خیر خیریت کے بعد حضرت نے فرمایا شام کی روٹی ہمارے ساتھ کھالیں، انھوں نے قبول کرلیا، جب پہونچے تو دسترخوان پر دال روٹی ہی پایا، اس کے علاوہ صرف چٹنی تھی، حضرت نے فرمایا چٹنی کا اضافہ آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔

اس شخص نے کھانا تو کھالیا لیکن اس سے رہا نہیں گیا، بالآخر اس نے حضرت

سے سوال کر ہی ڈالا کہ حضرت آپ کی اور مولانا رشید احمد گنگوہی کی شہرت علم وفضل و بزرگی کے اعتبار سے ہمارے علاقہ میں برابر ہے، لیکن آپ میں اور مولانا رشید احمد میں بہت فرق ہے۔

حضرت نے جواب میں فرمایا:

میاں مولانا رشید احمد کی بات کرتے ہو وہ تو اپنے نفس کو مار چکے ہیں، اب وہ خواہ مرغ پلاؤ کھائیں یا چٹنی روٹی ان کے نفس پر کوئی فرق پڑنے والا نہیں ہے۔

اور میں تو ابھی اپنے نفس کو مار رہا ہوں۔

یہ جواب سن کر سائل حیران ولا جواب ہو گیا۔

ہمارے بڑوں میں یہی وہ باتیں تھیں جو آج کل ختم ہو گئی ہیں، ہمارے بڑوں میں ایک دوسرے کی عظمت وتقدس کا لحاظ اس قدر تھا کہ دوسرے پر ذرہ برابر آنچ نہ آئے، آج یہ باتیں عنقاء ہوتی جارہی ہیں، آج تو ہر ایک اپنے ہی کو سب کچھ بتلانے اور جتلانے کے چکر میں دوسروں کو جہنم رسید کر دیتا ہے۔ الامان الحفیظ۔

حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی کا واقعہ

حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی مرکزی اکابرین میں سے ہیں، پوری زندگی بے مثال خلوص اور بے نظیر قربانی کے ساتھ مرکز میں گزار دی، مرکز کے قد آور علماء واکابرین میں آپ کا شمار تھا، بے نفس خورد نواز، ہر دلعزیز بزرگ تھے، اس کام

کے پیچھے اپنی جان و مال، اولاد سب کو قربان کر دیا۔

جب حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کا اعتکاف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے دارِ جدید میں شروع ہوا تو آپ کو اہتمام سے مرکز نظام الدین دہلی سے بیان کے لئے بلایا جاتا اور ظہر سے قبل ۱۰/ سے ۱۱/ بجے تک آپ کا بیان ہوتا تھا، بیان میں روز نئے نئے حقائق و معارف سے علماء و مشائخ محظوظ ہوتے تھے۔

ان ایام میں پہلی مرتبہ بھائی طلحہ کی دعاء شروع کرائی گئی جو ظہر کے بعد ختم خواجگان کے بعد ہوا کرتی تھی، جس کے الفاظ ماشاءاللہ سورۂ فاتحہ کی طرح بھائی طلحہ کو از بر تھے، سرمو اس میں انحراف نہیں ہوتا تھا، ایک دن ایک صاحب جو حضرت مولانا عبیداللہ صاحب بلیاوی کے معتقد تھے اور ظہر کے بعد والی دعاء میں شرکت کر کے آئے تھے، کہنے لگے حضرت بھائی طلحہ کی دعاء ایک ہی روزانہ ہوتی ہے، اس میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں ہوتی، ایک آپ ہیں کہ روزانہ نیا نیا بیان سننے کو ملتا ہے۔

حضرت مولانا نے فوراً فرمایا میاں یہ تو ان کے قوتِ حافظہ کی مضبوطی کی بات ہے کہ جو بات آج کہتے ہیں بعینہ وہی ترتیب وہی الفاظ کل بھی یاد رہتے ہیں۔

اور ہمارا حال تو یہ ہے کہ ابھی کیا کہ کر آئے پوچھو تو یاد نہیں۔ یہ ہمارے بڑوں کی شان تھی اور ان کے نباہ کا انداز تھا، ہمارے خردوں کو اللہ ان باتوں سے عبرت لینے کی توفیق عطاء فرمائے اور ہر ایک کی قدر دانی کی توفیق دے اور تنقیص و تحقیر سے حفاظت فرمائے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا واقعہ

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے بارہ میں حضرت مولانا قاسم نانوتی کا یہ جملہ آپ نے سنا کہ ''وہ تو اپنے نفس کو مار چکے ہیں''۔ اس پر حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک بار حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کا مکہ مکرمہ سے خط آیا کہ میاں مولوی رشید احمد ایک زمانہ ہوا تمہاری خیر خیریت نہیں معلوم ہوسکی، کوئی حال نہیں معلوم ہوسکا، دل لگا رہتا ہے، پتہ نہیں کس حال میں ہو۔

اس کے جواب میں حضرت مولانا رشید صاحب گنگوہی نے جواب تحریر فرمایا اس سے حضرت نانوتوی کی بات کی تائید ہوتی ہے۔

حضرت نے کہا حضرت آپ کا والا نامہ ملا، پڑھ کر مسرت ہوئی، آپ نے خادم کے حال کے بارے میں دریافت فرمایا ہے، حضرت حال تو وہ لکھے جو صاحب حال ہو، مجھ جیسا بے حال بلکہ بدحال اپنا حال کیا لکھے۔ البتہ آپ کی جوتیوں کے طفیل چند باتیں حاصل ہوگئی ہیں۔

۱- مادح وذام میرے نزدیک برابر ہیں کسی کے مدح سے میرا نفس خوش نہیں ہوتا اور کسی کی مذمت سے نفس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

۲- نصوص میں الحمدللہ کبھی بھی کہیں بھی کوئی تعارض نہیں ملتا۔

۳-امور شرعیہ امور طبعیہ بن چکے ہیں، بھوک و پیاس کی شدت کے وقت جیسے کھانے و پانی کی اضطراری طور پر طلب ہوتی ہے۔

اسی طرح امور شرعیہ کی انجام دہی کے لئے بھی اضطراری کیفیت پیدا ہو جاتی ہے بغیر اس کو انجام دیئے سکون نہیں ملتا۔

جب یہ جواب حضرت حاجی صاحب کے پاس پہونچا اور حضرت نے پڑھا تو حضرت پر حال طاری ہو گیا۔ اور جواب میں لکھا مولوی رشید احمد جب بد حالی و بے حالی میں یہ حال ہے تو اگر صاحب حال ہوتے تو پھر کیا حال ہوتا۔

جو تم نے لکھا ہے یہ تو وہ صفات ہیں جو حضرات صحابہ کو حاصل تھے اور یہ نور نبوی کی برکت تھی۔

"**ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء**"۔

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہی کی اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی

حضرت گنگوہی کی خدمت میں ایک جاسوس

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ اللہ والوں کی فکر میں یہ دنیادار ہمیشہ پڑے رہتے ہیں کہ ان کو دنیا سے مطلب نہیں دنیا ان کے پاس ہے نہیں تو ان کی دنیاوی ضرورت کیسے پوری ہوتی ہے۔

چنانچہ انگریزوں کو بھی اس کی فکر لاحق ہوئی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی خانقاہ میں ایک مسلم نما شخص کو جاسوس بنا کر بھیج دیا کہ دیکھو اتنا لمبا چوڑا خرچ اتنی بڑی خانقاہ کا خرچ کہاں سے چلتا ہے، کون فنڈنگ کرتا ہے، جاسوس مہمان بن کر آیا، کئی روز رہا لیکن اس کو کوئی سراغ نہیں لگ سکا، مجبور ہو کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے سارا راز کھول دیا۔

حضرت نے فرمایا کچھ دن اور رہ جاؤ شاید پتہ لگ جائے، چنانچہ حضرت کے کہنے پر کئی روز اور رکا لیکن پھر بھی کچھ اندازنہیں لگا، بالآخر مجبور ہو کر حضرت کی خدمت میں آ کر معافی مانگی اور رخصتی کی اجازت چاہی، حضرت نے معذرت قبول کرتے ہوئے اجازت دیدی، چلتے وقت اس جاسوس کو خیال آیا کہ اتنے دنوں میں رہا اور حضرت کے دسترخوان سے فائدہ اٹھاتا رہا، حضرت کو کچھ پیش کرنا چاہئے، چنانچہ اس نے جیب سے کچھ پیسے نکالے اور حضرت کی خدمت میں پیش کیا، حضرت نے قبول نہیں کیا، بالآخر اس نے اتنا اصرار کیا کہ حضرت کو قبول کرنا پڑا۔

اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ اب سمجھ میں آیا کہ یہ نظام کیسے چلتا ہے، اس نے کہا نہیں، اس پر حضرت نے فرمایا اب بھی سمجھ میں نہیں آیا، تو کبھی بھی سمجھ میں نہیں آئے گا۔

اس کے بعد حضرت نے فرمایا اللہ پاک اسی طرح تمہارے جیسے بندوں کے ذریعہ یہ نظام چلاتا ہے۔

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری کا واقعہ

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری فرمایا کرتے تھے کہ جب میں مانی کلاں میں تھا تو وہاں کی بگڑی ہوئی برادری کے لوگ یعنی خاں صاحب، چونکہ خاں صاحب کو حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادی فرمایا کرتے تھے کہ یہ خان لوگ بگڑی ہوئی برادری ہے چونکہ خود حضرت شاہ صاحب بھی خان تھے اس لئے ”صاحب البیت ادری بما فیه“ کے تحت ان کو مالہ وما فیہا کی خبر تھی اس لئے ان کو یہ کہنے کا حق تھا۔

بہر حال اسی جملہ کو حضرت مولانا بھی نقل کر کے فرماتے کہ یہ کہتے تھے کہ عبد الحلیم کے پاس کھیت تو ہے نہیں پھر یہ کھاتا کہاں سے ہے، بمبئی سے مدرسہ کا چندہ کر کے لاتا ہے اور سب کھا جاتا ہے، جبکہ مانی کلاں کا مکتب حضرت ہی کی محنت سے ضیاء العلوم نام سے مدرسہ بن گیا، درجنوں کمرے، مسجد، مطبخ بنے، تعلیم کا معیار بڑھا اور جب حضرت نے ضیاء العلوم کو خیر باد کہا، اس کے بعد وہ ضیاع العلوم بن گیا، پھر ”کل شئ یرجع إلی أصله“ کے تحت پھر مکتب کی طرف عود کر آیا اور کمرے سنسان ہو گئے، سب کچھ ویران ہو گیا۔ ایک صاحب نے مانی کلاں کا نام روشن اور ناک اونچی کرنے کے لئے ایک اونچا مینار بنایا لیکن وہ بھی روشنی کا مینارہ نہیں بن سکا، حضرت مولانا فرماتے تھے مانی کلاں میں خاں صاحب لوگ صبح سے شام تک زمین پر

محنت کرتے تھے، تب ان کو زمین سے کچھ حاصل ہوتا تھا، تب وہ اپنی زندگی گزارتے تھے، اس لئے اپنا رزاق وہ زمین اور کھیتی کو سمجھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ جس کے پاس زمین نہ ہو اس کا کوئی رازق نہیں ہے، تو کھائے گا کہاں سے اور وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ جو اللہ پر محنت کرے گا اللہ کے کام پر محنت کرے گا کیا وہ بھوکا رہے گا۔

اس کے بعد فرمایا مفتی صاحب آج میں مانی کلاں چھوڑ کر گورینی آ گیا تو کیا میں زندہ نہیں ہوں، کیا میرے پاس مکان نہیں ہے، گاڑی نہیں ہے، گھر نہیں ہے، کیا میں کھاتا نہیں ہوں، بھوکا ہوں کہ ننگا ہوں۔ بس دنیا والوں کا یہی حال ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کا واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ ایک بار ایک صاحب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے پاس تشریف لائے اور کئی روز قیام فرمایا اور بہت غور سے ہر چیز دیکھتے رہے، اس کے بعد ایک دن کہنے لگے حضرت میں کئی روز سے یہاں مقیم ہوں، آپ کے اخراجات یومیہ اور مہمانوں کی آمد و رفت اور دیگر خرچ بھی دیکھ رہا ہوں، اور منی آرڈر اور ڈاک پر بھی نظر ہے۔ آخر اتنا بڑا خرچ چلتا کس طرح ہے، چونکہ وہ صاحب حضرت سے بے تکلف تھے اس لئے حضرت نے فرمایا آپ کو پتہ نہیں ہمیں دست غیب حاصل ہے، اس کے بعد حضرت نے اس دست غیب کی تشریح فرمائی کہ جب کوئی ضرورت پڑتی ہے تو کسی صاحب کے یہاں رقعہ

بھیجتا ہوں کہ مجھے اتنے پیسوں کی ضرورت ہے، فلاں دن فلاں تاریخ کو میں ادا کردوں گا، اس طرح اپنی ضرورت پوری کرلیتا ہوں، اگرانتظام ہوگیا تو وقت مقررہ پر قرض ادا کردیتا ہوں اور اگرانتظام نہیں ہوسکا تو اسی طرح دوسرے سے قرض لے کر پہلے کا قرض وقت پرادا کردیتا ہوں، اسی طرح کرتا رہتا ہوں۔

لیکن ادائیگی میں تاخیر نہیں کرتا، وقت پرادا کردیتا ہوں چاہے اس کے لئے قرض لینا پڑے، اس لئے وقت پر مجھ کو آسانی سے قرض مل جاتا ہے، اور میری ضرورت پوری ہوجاتی ہے۔

یہ سن کروہ صاحب حیران ہوگئے اور یہ نسخہ ان کو پسند آیا۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کا واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ اسی طرح کا واقعہ ایک مرتبہ حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کے ساتھ بھی پیش آیا۔ ایک بار حضرت کی خدمت میں ملاقات کے لئے جامع العلوم کانپور میں ایک صاحب آئے چندروز انہوں نے قیام کیا، ایک دن کہنے لگے مفتی صاحب کئی روز ہوئے مجھے آپ کے پاس آئے ہوئے، آپ کی ڈاک بھی دیکھ رہا ہوں اور آپ کا خرچ بھی آپ کی تنخواہ کتنی ہے؟

حضرت نے فرمایا مت پوچھو تمہاری سمجھ سے باہر ہے، لیکن بہت اصرار کے بعد حضرت نے فرمایا مجھ کو مدرسہ سے 60 روپے ملتے ہیں، 50 روپے تو ہر مہینہ بیوی

بال بچوں کے خرچ کے لئے گھر بھیج دیتا ہوں، دس روپے ایک صاحب کو دیتا ہوں، ان کے گھر سے ایک وقت کا کھانا آتا ہے، اور کچھ بچ جاتا ہے تو ناشتہ کا انتظام کر لیتا ہوں اور کچھ بچ جاتا ہے تو مہمانوں پر خرچ کر دیتا ہوں اور کچھ بچ جاتا ہے تو دو چار جوڑے کپڑے سلوا لیتا ہوں اور کچھ بچ جاتا ہے تو طلباء کو دے دیتا ہوں اور کچھ بچ جاتا ہے تو حج، عمرہ کر لیتا ہوں۔

یہ جواب سن کر مہمان حیران ہو گئے اور کہنے لگے حضرت آمد و خرچ میں کوئی جوڑ نہیں ہے۔

حضرت نے فرمایا تم نے بے جوڑ بات کا سوال ہی کیوں کیا؟

اسی لئے تو منع کر رہا تھا کہ مت پوچھو تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا، لیکن تم مانے نہیں۔"**ومن يتق الله يجعل له مخرجا و يرزقه من حيث لا يحتسب**"۔

عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت امام ابوحنیفہ کے بارے میں جب حنفی بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام اعظم نے عشاء کے وضو سے چالیس سال تک فجر کی نماز ادا کی ہے تو سلفیوں کو یہ افسانہ لگتا ہے اور کہتے ہیں یہ حنفی سب امام ابوحنیفہ کو بغیر پر کے اڑاتے رہتے ہیں۔

لیکن یہ سلفی لوگ اس کا کیا جواب دیں گے کہ حضرت طاؤس بن کیسان نے

چالیس سال تک عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز ادا کی ہے۔

اسی طرح حضرت وہب بن منبہ اور یزید بن ہارون نے بھی عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز چالیس سال تک ادا کی ہے۔

حضرت منصور بن زاذان واسطی نے بیس سال تک عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز ادا کی ہے۔

اور حضرت ہشیم بن بشیر واسطی نے دس سال تک عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز ادا کی ہے۔

ابوالفرج ابن الجوزی نے اپنی کتاب صفۃ الصفوۃ میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

جن حضرات کو عبادت کا شوق ہوتا ہے وہ اس چیز کو سمجھتے ہیں اور ان باتوں کی حقانیت کا یقین رکھتے ہیں اور جن کو صرف فرض نماز سے مطلب ہو سنن ونوافل کے قائل نہ ہوں فرض کے بعد فوراً ان کے پاؤں میں جوتے نظر آتے ہوں ان کی سمجھ میں کیا آئے گا۔

روزانہ قرآن پاک ختم کرنے والے

اب ایسے لوگوں کی سمجھ میں یہ کیسے آئے گا کہ حضرت امام شافعیؒ سارے علمی مشاغل کے ساتھ روزانہ ایک قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے اور جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو دو ختم روزانہ کرتے تھے۔

حضرت سعید بن جبیر ایک رات میں ڈھائی قرآن ختم کرتے تھے۔ حج کے لئے تشریف لے گئے تو حرم پاک میں ایک رکعت میں پورا قرآن پاک مکمل کیا اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھ کر دوسری رکعت مکمل کی۔

اسی طرح حضرت منصور بن زاذان واسطی روزانہ دو قرآن ختم کیا کرتے تھے۔

حضرت کرز بن وبرہ روزانہ تین قرآن ختم کیا کرتے تھے۔

حضرت حسن بن صالح بن حی ایک رات میں ایک قرآن ختم کرتے تھے۔

حضرت اسود بن یزید بن قیس کوفی رمضان المبارک میں دو رات میں ایک قرآن اور باقی ایام میں چھ یوم میں ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ حضرت علقمہ بن قیس پانچ دن میں ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ حضرت معروف بن واصل التیمی تین روز میں ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ حضرت مسعر بن کدام ایک رات میں روزانہ پندرہ پارہ کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت علی بن صالح بھی ایک رات میں پندرہ پارہ اور ان کی والدہ ایک رات میں دس پارہ کی تلاوت کرتی تھیں۔ حضرت وکیع بن جراح رات میں روزانہ ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابو بکر بن عیاش کا بھی معمول یہی تھا۔ حضرت ابو بکر بن عیاش نے اپنی زندگی میں اٹھارہ ہزار قرآن ختم کیا اور حضرت عبد اللہ بن ادریس نے چار ہزار قرآن پاک ختم کیا۔ لیکن یہ سب اسی وقت ممکن ہے جب کسی کا تعلق قرآن سے ہو اور جس کا تعلق قرآن سے نہ ہو اس کو تو

یہ ساری باتیں افسانہ معلوم ہوتی ہیں، لیکن یہ سب واقعہ ہے جس کا تذکرہ کتابوں میں موجود ہے۔

کثرت سے حج وعمرہ

اسی طرح جن حضرات کو بیت اللہ سے محبت تھی ان کی حاضری کثرت سے ہوتی۔ چنانچہ حضرت اسود بن یزید بن قیس کوفی نے اسّی حج وعمرہ کیا۔ حضرت علی بن المؤفق نے ساٹھ حج کئے۔ حضرت مغیرہ بن حکیم صنعانی نے پچاس حج کئے۔ حضرت ابن المقری نے چالیس پیدل حج کئے۔ حضرت سعید بن جبیر نے ہر سال حج وعمرہ کیا۔

کثرت روزہ

اسی طرح ایسے بہت سے اکابر وصلحاء ملیں گے جو کثرت سے روزہ رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت منصور بن معتمر السلمی نے چالیس سال تک مسلسل روزہ رکھا۔ اسی طرح حضرت داؤد الطائی نے بھی چالیس سال تک مسلسل روزہ رکھا۔ حضرت عمر بن قیس الملائی نے بیس سال روزہ رکھا۔ حضرت وکیع بن جراح تو صائم الدہر تھے، یعنی مسلسل روزہ رکھتے تھے۔

اس کے باوجود رات کے اعمال میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ ”رھبان باللیل و فرسان بالنھار“ کے مصداق تھے۔

اللہ ان حضرات کی قبروں کو نور سے منور فرمائے اور اس کا کچھ حصہ ہمیں بھی نصیب فرمائے۔

زندگی میں قبر کی تیاری

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا ہمارے بعض اسلاف ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی میں ہی اپنی قبر تیار کروالی تھی۔

چنانچہ حضرت ضرار بن مرہ الشیبانی کے بارے میں ابن الجوزی نے صفۃ الصفوۃ میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنی موت سے پندرہ سال قبل اپنی قبر تیار کر لی تھی، روزانہ اس میں آکر بیٹھتے تھے اور قرآن پاک کی اس میں تلاوت کیا کرتے تھے۔ انتقال سے قبل اس تیار شدہ قبر میں کئی قرآن پاک ختم کیا۔ جن حضرات نے یہ سمجھا کہ اصل گھر تو قبر ہے اور ایک طویل مدت تک وہاں رہنا ہے، انہوں نے زمین سے اوپر والے گھر کے مقابلہ میں زمین کے نیچے والے گھر کو سنوارنے کی زیادہ فکر کی اور جن حضرات نے اس کی فکر کی وہ وہاں پہونچ کر آرام وسکون سے رہے اور جو اس کو بھول گئے وہ وہاں پہونچ کر پریشان ہوئے۔

ستر سال تک تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا۔ جن حضرات کو نماز سے

تعلق ہوجاتا ہے وہ تکبیر اولیٰ تک کا اہتمام کرتے ہیں۔تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز کی ادائیگی کی جو فضیلت ہے جب اس کی عظمت دل میں پیدا ہوجاتی ہے تو اس کا اہتمام بھی پیدا ہوجاتا ہے۔حضرت سلیمان بن مہران الاعمش الاسدی انہی بزرگوں میں سے ہیں جن کی ستر سال تک تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔

ہمارے اکابرین میں بھی بہت سے اکابر ایسے گزرے ہیں جو تکبیر اولیٰ کا بہت اہتمام فرماتے تھے بلکہ تجار میں ایسے بہت سے اللہ والے ہیں جن کی تجارت کی مصروفیت کے باوجود تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔ایک مرتبہ خادم کی ملاقات دبئی میں الرصاصی عطر کے مالک سے ہوئی، یہ سن کر میں حیران رہ گیا کہ میں نماز کی تیاری اذان کے وقت کے اعتبار سے کرنا شروع کردیتا ہوں اور اذان کے بعد فوراً مسجد پہونچ جاتا ہوں، جب نماز کا اس قدر اہتمام ہوگا تو اس کی تکبیر اولیٰ کہاں فوت ہوگی۔ کہنے لگے کہ میں جب سفر کرتا ہوں تو اس کی ترتیب ایسی بناتا ہوں کہ اذان کے وقت میری گاڑی مسجد پر پہونچ جاتی ہے۔اس طرح سفر میں بھی تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز ادا کرنے کی توفیق مل جاتی ہے۔

بڑی بات ہے جب اللہ کا تعلق بندہ کو حاصل ہوجاتا ہے تو کوئی بھی چیز اس کی راہ میں حائل نہیں ہوتی۔

لیکن اگر تو ہی نہ چاہے تو بہانے ہزار ہیں

ساٹھ سال امامت کی کبھی سجدۂ سہو پیش نہیں آیا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا نماز، تکبیر اولیٰ ہی کا اہتمام نہیں بلکہ ہمارے اسلاف میں سے معروف بن واصل التیمی نے ساٹھ سال تک اپنے محلّہ کی مسجد میں امامت کی لیکن اتنے استحضار کے ساتھ امامت کی کہ ساٹھ سال کی مدت میں کبھی سجدۂ سہو کی نوبت نہیں آئی، یہ اسی وقت ممکن ہے جب آدمی پورے خشوع وخضوع اور بیدار مغزی کے ساتھ نماز ادا کرے، اگر نماز میں دنیا بھر کے خیالات کی گردش ہو تو پھر نماز اسی کی نذر ہو جاتی ہے، صرف دکھاوے کی نماز ہوتی ہے، اس کی روح نکل جاتی ہے۔

حضرت امام شافعی کا ملفوظ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا۔

حضرت امام شافعیؒ سے کسی نے ان کی عمر دریافت کی تو فرمایا اپنی عمر کسی کو بتلانا مروت کے خلاف ہے۔ اور فرمایا حضرت امام مالک سے کسی نے ان کی عمر پوچھی تو آپ نے ناراضگی کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا جا اپنا کام کر یعنی سوال کو پسند نہیں فرمایا۔

حضرت امام شافعی نے فرمایا اگر پوچھنے والے کے عمر سے کم نکلی تو وہ حقیر سمجھے گا اور اگر زیادہ نکلی تو بوڑھا سمجھے گا۔ اس لئے کسیکو اپنی عمر بتلاؤ ہی نہیں۔

آج کل یہ بھی ایک بیماری ہے کہ لوگ ایک دوسرے کی عمر جاننے کی کوشش

کرتے ہیں اور اگر عمر کم نکلتی ہے تو اس کو صغیر سمجھ کر گفتگو کا انداز بدل دیتے ہیں، اس لئے حضرت امام شافعی نے اس کو مروت کے خلاف قرار دیا۔

حضرت طاؤس بن کیسان کا ملفوظ

حضرت طاؤس بن کیسان اونچے اولیاء، صلحاء میں سے ہیں۔ ایک مرتبہ فرمایا جب مردہ قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو اس پر شروع کے سات ایام سخت آزمائش کے ہوتے ہیں، اس لئے میت کے اعزاء واقارب اہل تعلق کو ان ایام میں ایصال ثواب، صدقہ، خیرات، تسبیح وتحلیل، استغفار، اطعام طعام کا زیادہ اہتمام کرنا چاہئے۔ بالخصوص مسکینوں، غریبوں، حاجت مندوں کو کھانا کھلانے کا زیادہ اہتمام ہو۔

حضرت طاؤس کی یہ بات بہت اہم ہے بہت ممکن ہے حضرت طاؤس کی یہ بات مکاشفہ ومراقبہ پر مبنی ہو، اس لئے اعزاء واقارب کو ان ایام میں خصوصاً میت کی طرف متوجہ رہنے کی ضرورت ہے تاکہ قبر کی آزمائش سے ان اعمال کی برکت سے بآسانی وبسہولت نکل سکے۔ اللہ پاک ہم سب کی عذاب قبر سے حفاظت فرمائے اور اپنے حفظ وامان میں رکھے۔

حضرت بشر الحافی کا ملفوظ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا۔

حضرت بشر الحافی کا شمار اکابرین اولیاء میں ہوتا ہے، اکثر اپنے اکابرین کی کتابوں میں ان کا تذکرہ ملتا ہے۔ وہ فرمایا کرتے تھے: صدقہ، حج، عمرہ، جہاد سے افضل ہے۔ چونکہ صدقہ میں ریاء، دکھلاوا نہیں ہوتا، دینے والا اور لینے والا ہی جانتا ہے، اگر سراً ہو جیسا کہ صدقۂ نافلہ میں یہی افضل ہے برخلاف حج، عمرہ، جہاد کے اس میں اخفاء نہیں ہو پاتا، آتے جاتے لوگ دیکھ ہی لیتے ہیں اور لوگوں میں اس کا چرچا ہونے لگتا ہے۔ اس لئے وہ فرماتے تھے صدقہ، حج، عمرہ، جہاد سے افضل ہے۔

اقارب اور عقارب میں فرق

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا۔ ابھی یہ بات آئی ہے کہ اعزاء واقارب کو ایصال ثواب کا اہتمام کرنا چاہئے، اس پر ایک بات یاد آ گئی۔

حضرت تھانوی علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ آج کل کے اقارب عقارب ہو گئے ہیں، یعنی بچھو، جس طرح بچھو کو آپ سے اذیت پھونچے یا نہ پہونچے اس کی فطرت میں ڈنک مارنا ہے، اگر آپ اس کو دودھ پلائیں تب بھی وہی کرے گا جو اس کی فطرت میں ہے۔ اسی طرح بعض اقارب کی فطرت بھی عقارب یعنی عقرب جیسی ہوتی ہے وہ موقعہ بموقعہ ڈنک مار کر زہر دیتے رہتے ہیں، چونکہ ان کی فطرت میں زہر افشانی ہے، اس لئے زہر اگلتے رہتے ہیں، ایسے اقارب سے اللہ بچائے۔

ایسوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا ہے،لوگ اپنے فائدہ کے لئے عزیز و قریب بن جائیں گے اور جب غرض پوری ہوجائے گی عقرب والی صفت پر آجائیں گے۔اللہ ایسے اقارب سے حفاظت فرمائے،ایسے اقارب سے اباعد ہی اچھے ہیں۔

علامہ اور الّامہ میں فرق

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلۂ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے اس زمانہ کے علامہ بالالف الامہ ہوگئے ہیں۔

علامہ کے معنی ہیں بہت جاننے والا اور الّامہ کے معنی ہیں بہت تکلیف دینے والا۔

حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے سچ فرمایا اس زمانہ میں تو ایسوں میں روز افزوں ترقی ہے،آتا جاتا کچھ نہیں اور اپنے کو علامہ سمجھتے ہیں۔ایسوں ہی کے بارے میں کہا گیا ہے ؎

آں کس کہ نداند و بداند کہ می داند
در جہل مرکب ابد الدہر می ماند

جو لوگ کچھ بھی نہیں جانتے اور اس غرور میں رہتے ہیں مجھ کو بہت کچھ آتا ہے،ایسے لوگ جہل بسیط کے بجائے جہل مرکب میں ہمیشہ مبتلا رہتے ہیں اور می دانم کی تسبیح پڑھتے رہتے ہیں،خود بھی گمراہ ہوتے ہیں دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

علماءِ حقّہ اور علماءِ حُقّہ میں فرق

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا۔ اسی طرح حضرت تھانوی علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے، اس زمانہ کے علماءِ حقّہ علماءِ حُقّہ ہو گئے ہیں۔

جس طرح حقہ پینے والے جب کش لیتے ہیں تو حقہ میں رکھا ہوا پانی گڑ گڑاتا ہے۔ اسی طرح جب کسی عالم کی پذیرائی عوام میں شروع ہوتی ہے اور مقبولیت میں اضافہ ہوتا ہے تو بعض علماء کی ہانڈی میں ابال شروع ہو جاتا ہے اور پیٹ میں گڑ گڑی شروع ہو جاتی ہے کہ آپ کی پذیرائی کیوں ہو رہی ہے، آپ کی مقبولیت میں اضافہ کیوں ہو رہا ہے۔

یہ حسد و جلن میں اول فول بکنا شروع کر دیتے ہیں اور اپنے خیال خام میں یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے ان کی پذیرائی کم ہو جائے گی۔ حالانکہ حاسد ہی لوگوں کی نگاہ سے گر جاتا ہے اور لوگ سمجھ جاتے ہیں یہ سب کچھ حسد کی وجہ سے بک رہا ہے۔ اللہ پاک اس مہلک بیماری سے ہر ایک کی حفاظت فرمائے۔ آمین

حسد کے سلسلہ کی ایک حدیث

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا۔ حسد کی بیماری سب سے زیادہ علماء میں ہوتی ہے۔ چنانچہ عثمان بن حسن بن احمد الشاکر الخوبری نے درۃ الناصحین

میں ایک حدیث نقل کی ہے:"**عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ستۃ یدخلون النار بستۃ، الامراء بالجور، والاعراب بالتعصب، و اھل الرستاق بالجھل، و الدھاقین بالکبر، والتجار بالخیانۃ، والعلماء بالحسد**"(درۃ الناصحین:158)۔

حضرت عبداللہ ابن عباس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ چھ طرح کے لوگ چھ باتوں کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔

۱-امراء، حکام، سلاطین ظلم کی وجہ سے۔

۲-خانہ بدوش، گنوار تعصب کی وجہ سے۔

۳-گاؤندھی، دیہاتی جہالت کی وجہ سے۔

۴-کسان کبر کی وجہ سے۔

۵-تجار بزنس مین خیانت کی وجہ سے۔

۶-علماء حسد کی وجہ سے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ان طبقات میں صفات مذمومہ زیادہ ہوتے ہیں۔

بات حقیقت ہے کہ علماء میں جتنا حسد ہوتا ہے دوسرے طبقات میں یہ حسد کی بیماری کم پائی جاتی ہے۔

حسد کے ایسے ایسے واقعات میرے علم میں ہیں کہ اگر سناؤں تو پوری رات گزر جائے گی۔الامان الحفیظ۔

ابلیس بھی شرما جائے ایسی ایسی حرکتیں علماء حسد کی وجہ سے کر ڈالتے ہیں یہ بھول جاتے ہیں کہ ایک دن مرنا ہے، اللہ کے یہاں جانا ہے، وہاں ایک ایک بولی و حرکت کا حساب دینا ہے۔لیکن حسد کی آگ ایسی لگتی ہے کہ یہ لوگ سب بھول جاتے ہیں۔اس لئے بہت ہوشیاری کے ساتھ زندگی گزارنے کی ضرورت ہے۔اللہ پاک اس خطرناک بیماری سے ہم سب کی اور پوری امت کی بالخصوص علماء کی حفاظت فرمائے۔آمین۔

درۃ الناصحین کا تعارف

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا آج سے پچاس سال پہلے کی بات ہے کہ ایک بار انبیہٹہ جانا ہوا، وہاں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کا قائم کردہ ایک مدرسہ تھا جس کی زیارت کے لئے جانا ہوا،تو اس میں ایک بڑی عمر کے ایک استاذ ملے جو چند بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دے رہے تھے،انہوں نے مدرسہ کا تعارف کرایا،حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کے زمانہ کے بہت سے کاغذات، اشتہارات دکھلائے بہت سی کتابیں دکھائیں ان اشتہارات میں ایک اشتہار دیکھا جس میں ایک حدیث حضرت سہارنپوری نے درۃ الناصحین کے حوالہ سے نقل کی تھی،وہ حدیث یہ تھی:''الصدقة على أربعة أوجه الواحدة بعشرة، و الواحدة بسبعين، والواحدة بسبعمأة، و الواحدة

بسبعة آلاف.

أما الواحدة بعشر فهو ان يدفعها إلى الفقراء،

و أما الواحدة بسبعين فهو أن يدفعها إلى ذی الرحم،

و الواحدة بسبعمأة فهو أن يدفعها إلى الاخوان،

و أما الواحدة بسبعة آلاف فهو أن يدفعها إلى طالب العلم"

(درۃ الناصحین: 91)۔

صدقہ کی چار قسمیں ہیں:

۱- ایک صدقہ وہ ہے جس کا بدلہ ایک کا دس گنا ملتا ہے۔

۲- ایک صدقہ وہ ہے کہ ایک کا بدلہ ستر گنا ملتا ہے۔

۳- ایک صدقہ وہ ہے کہ ایک کا بدلہ سات سو گنا ملتا ہے۔

۴- ایک صدقہ وہ ہے کہ ایک کا بدلہ سات ہزار گنا ملتا ہے۔

وہ صدقہ جس میں ایک کا دس گنا ملتا ہے، وہ یہ ہے کہ فقراء کو دیا جائے اور وہ صدقہ جس کا بدلہ ستر گنا ملتا ہے وہ یہ ہے کہ قریبی رشتہ داروں کو دیا جائے اور وہ صدقہ جس کا بدلہ سات سو گنا ملتا ہے وہ یہ ہے کہ ضرورتمند مسلمان بھائیوں کو دیا جائے اور وہ صدقہ جس کا بدلہ سات ہزار گنا ملتا ہے وہ یہ ہے کہ علم دین حاصل کرنے والے طلباء کو دیا جائے۔

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد حضرت سہارنپوری علیہ الرحمہ نے طلباء پر خرچ

کرنے کی ترغیب دی اور ترغیب سے متعلق کچھ باتیں لکھیں، وہاں سے درۃ الناصحین کا تعارف اس خادم کو ہوا اور اس کتاب کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔

طویل عرصہ کے بعد جب مدرسہ ریاض العلوم گورینی جونپور یہ خادم تدریسی خدمات کے لئے حاضر ہوا تو ایک مرتبہ حضرت مولانا شاہ عبدالحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کتابوں کی فہرست بنانے کا حکم دیا۔

چونکہ حضرت کا سفر حج ہر سال ہوا کرتا تھا اور ہر سال معتدبہ مقدار میں مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ سے کتابوں کی خریداری اور پانی کے جہاز سے بمبئی اور بمبئی سے مدرسہ ریاض العلوم پہونچانے کا معمول تھا جس کے لئے پوری جدوجہد اور محنت حاجی رضوان اللہ صاحب تاجر عطور رضوان واخوان بمبئی کی ہوتی تھی جو ہر سال حضرت مولانا کے سفر حج کے ساتھی ہوا کرتے تھے، اس طرح مدرسہ ریاض العلوم گورینی کا کتب خانہ اگر کہا جائے کہ حاجی رضوان صاحب تاجر عطر کا مرہون منت ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

الغرض جب حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے کتابوں کی فہرست بنانے کا حکم دیا تو خادم نے بطور خاص ''درۃ الناصحین'' کا نام لکھا اور حضرت مولانا کے برخوردار مولانا عبدالعظیم صاحب ندوی جو حضرت مولانا کے سفر کے اکثر خادم ہوا کرتے تھے اور اس سفر حج میں بھی شریک سفر تھے خصوصیت کے ساتھ اس کتاب کو تلاش کر کے لانے کو کہا۔

چنانچہ جب سفر حج سے واپس آئے تو پہلی ہی ملاقات میں انہوں نے درۃ الناصحین کے ملنے کی خوشخبری سنائی اور یہ بھی بتلایا کہ مدرسہ کے علاوہ ذاتی طور پر آپ کے لئے بھی میں نے خرید لیا ہے۔ اس طرح 1981ء میں پہلی بار اس کتاب کی زیارت ہوئی جس کا حوالہ حضرت سہارنپوری علیہ الرحمہ کے قلم سے لکھے ہوئے اشتہار میں دیکھا تھا۔

یہ کتاب اگر چہ وعظ وارشاد سے متعلق ہے اور تقریباً پچھتر مواعظ پر یہ کتاب مشتمل ہے، الگ الگ مجالس کے نام سے مختلف عناوین پر اس میں مواعظ ہیں جس کے مؤلف عثمان بن حسن بن احمد الشاکر الخوبری ہیں جو نویں ہجری کے علماء میں سے ہیں، انتخاب عناوین کافی حد تک قابل دید ہے، خادم نے ان کے اکثر مواعظ کا مطالعہ کیا، کتاب پسند آئی اور حضرت سہارنپوری علیہ الرحمہ کی نقل حدیث کی وجہ سے اس خادم کا اس کتاب پر اعتماد بڑھا اور اسی پر اعتماد کرتے ہوئے بہت زیادہ اس کی تحقیق کی ضرورت نہیں محسوس کی۔

کثرت گریہ کی فضیلت

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ خوف خدا سے رونا اور گریہ کا طاری ہونا اچھی بات ہے۔ حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ الصلوۃ والتسلیم نے اللہ سے پوچھا کہ اے اللہ جب میں آپ کو

تلاش کروں تو آپ کہاں ملیں گے تو اللہ نے جواب دیا کہ اے داؤد جن کے دل میرے خوف کی وجہ سے ٹوٹ گئے ہوں۔

ہمارے اکابر و اسلاف باوجودیکہ ہر کام اللہ کی رضا اور اللہ کی منشاء سامنے رکھ کر کرتے تھے، اس کے باوجود ہر وقت روتے رہتے تھے کہ پتہ نہیں ہمارا عمل قابل قبول ہے یا نہیں۔

حضرت منصور بن زاذان کا حال یہ تھا کہ ظہر اور عصر کے درمیان ایک ایک قرآن اور مغرب وعشاء کے درمیان ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے اس کے باوجود ہر وقت روتے رہتے تھے اور آنسوں اپنے پلے سے پوچھتے رہتے تھے، گریہ کا یہ عالم تھا کہ پوری پگڑی آنسوؤں سے بھیگ جایا کرتی تھی، ایک دن انہوں نے نماز کے لئے وضوء کیا، وضوء کے بعد زور زور سے رونے لگے، ایک صاحب نے رونے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ وضوء کرکے اس ذات پاک کی بارگاہ میں حاضر ہونا چاہتا ہوں جس کو نہ کبھی اونگھ آتی ہے نہ نیند، اگر اس نے مجھ سے اعراض کرلیا اور میری حاضری کو قبول نہیں کیا تو میرا کیا حال ہوگا۔

اسی طرح ایک مرتبہ ایک صاحب نے آپ کو روتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے اس کی وجہ پوچھی تو جواب میں فرمایا کہ اپنے سے پہلے عبادت گزاروں کی عبادت پر رونا آ رہا ہے کہ وہ کتنی عبادت کیا کرتے تھے، ہم سے تو کچھ نہیں ہو پاتا۔

ہمارے اسلاف کا یہ حال تھا اور ہمارا یہ حال ہے کہ نہ کچھ کر پاتے ہیں نہ کچھ

ہو پاتا ہے اور اس کے باوجود اس خام خیالی میں ہر وقت گم رہتے ہیں کہ ہم بہت کچھ کر رہے ہیں۔

اللہ ہی اپنا فضل ہم سب کے حال پر فرمائے اور لطف و کرم سے نوازے۔

اللہ والوں کی دنیا داروں سے دوری

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اللہ والوں کی ہمیشہ یہ شان رہی ہے کہ وہ بقدر کفاف پر راضی و خوش رہا کرتے تھے اور اللہ کے تعلق و رضاء کو حاصل کرنے کی کوشش میں ہمہ وقت لگے رہتے تھے اور یہ جانتے تھے کہ اصل چیز اللہ کا تعلق ہے، اس کی رضاء اور اس کا قرب ہے، جو دائمی خوشی کا ذریعہ ہے۔

حضرت سیار بن دینار نے ایک مرتبہ فرمایا کہ دنیا کی خوشی اور آخرت کا غم دونوں ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے، اگر دنیا کی خوشی دل میں جگہ بنالے گی تو آخرت کا غم دل سے رخصت ہو جائے گا اور اگر آخرت کے غم نے دل میں جگہ بنالیا تو دنیا کی خوشی دل سے رخصت ہو جائے گی۔

ایک مرتبہ ایک صاحب نے حضرت سیار بن دینار سے کہا کہ آپ کبھی ہمارے پاس آتے نہیں تو اس کے جواب میں حضرت سیار نے کہا کہ اگر میں تمہارے پاس آمد و رفت شروع کر دوں تو تم مجھ کو فتنہ میں مبتلا کر دو گے یعنی اپنی دنیا کی طرف مجھ

کو بھی گھسیٹ لو گے اور اگر دور رہوں تو تم غم کے سواء کچھ نہ دو گے۔

اس لئے بہتر ہے کہ میں اپنے کام میں لگا رہوں تم اپنی فکر میں پڑے رہو، چونکہ جو میں چاہتا ہوں یعنی رضاء باری وہ تمہارے پاس نہیں ہے اور جو تم چاہتے ہو یعنی دنیا وہ میرے پاس نہیں ہے۔

جتنا کرنا چاہئے تھا اتنا کر نہیں سکا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت اسود بن یزید بن قیس جو کوفہ کے رہنے والے تھے اور تابعی تھے حضرت ابو بکر صدیق، حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت سلمان وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے لقاء اور سماع ثابت ہے عباد وزہاد میں آپ کا شمار ہوتا ہے خوف خدا سے بکثرت رویا کرتے تھے۔

جب وفات کا وقت قریب آیا تو رونے لگے پاس بیٹھنے والوں نے رونے کی وجہ پوچھی تو فرمایا جتنا کرنا چاہئے تھا اتنا نہیں کر سکا جو کچھ میں نے کیا ہے اس پر اللہ سے مغفرت کی امید کرتے ہوئے شرم آرہی ہے، میں نے تو اپنی زندگی ضائع کر دی، اللہ کو کیا منہ دیکھاؤں گا۔

یہ تھے ہمارے اسلاف جو سب کچھ کرنے کے باوجود یہ سوچتے تھے کہ میں نے کچھ نہیں کیا اور ایک ہم لوگ ہیں کہ کچھ نہ کرنے کے باوجود سمجھتے ہیں کہ ہم نے

بہت کچھ کیا ہے۔ ع

ببیں تفاوت رہ از کجا تا بہ کجا

جب عمر چالیس سال ہو جائے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت مسروق بن اجدع جن کا شمار تابعین میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود کے اجل تلامذہ میں ان کا شمار ہوتا ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب آدمی کی عمر چالیس سال کی ہو جائے تو بہت احتیاط کے ساتھ زندگی گزارنا چاہئے، لہو ولعب اور خرافات اور ہر قسم کے گناہوں سے بہت زیادہ پرہیز کرنا چاہئے۔

اسی انداز کی بات حضرت مولانا یوسف صاحب کاندھلوی علیہ الرحمہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جب پچاس سال کی عمر ہو جائے تو اپنا بستر لپیٹ دو یعنی اب سونے کا وقت نہیں رہا، اب سفر کی تیاری میں لگ جاؤ۔

حضرت مسروق فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی یقین کے ساتھ مجھ کو کہے کہ اللہ مجھ کو عذاب نہیں دے گا پھر بھی میں اپنے معمول کے مطابق عبادت میں کمی نہیں آنے دوں گا، چونکہ حضرت مسروق کا مجاہدہ اور عبادت میں انہماک عذاب سے بچنے کے لئے نہیں تھا، یعنی خود غرضی والی عبادت نہیں بلکہ اللہ کی رضاء کے لئے وہ سب کچھ کر رہے تھے۔

صبح صادق کے بعد سے فجر کی نماز تک کا وقت ذکر اللہ میں مصروفیت کا ہوتا ہے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت سعید بن جبیر جو صلحاء، اتقیاء میں سے تھے سال میں ایک مرتبہ حج اور عمرہ کیا کرتے تھے، ایک رات میں ڈھائی قرآن کریم آپ نے ختم کیا ہے۔ کعبہ شریف میں ایک رکعت میں پورا قرآن پاک آپ نے ختم کیا، ویسے ہمیشہ دو رات میں ایک قرآن ختم کرنے کا آپ کا معمول تھا۔

ایک مرتبہ آپ فجر کی نماز سے پہلے فجر کی سنت سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم کے پیچھے تشریف فرما تھے کہ ایک صاحب نے آپ سے ایک سوال کیا تو آپ نے جواب نہیں دیا، خاموش رہے جب فجر کی نماز ہوگئی تو سائل کو مخاطب کر کے فرمایا کہ صبح صادق کے بعد سے فجر کی نماز تک کا وقت ذکر اللہ میں مصروفیت کا ہوتا ہے، اس وقت ذکر واذکار میں مصروف رہنا چاہئے۔

حضرت سعید بن جبیر فرمایا کرتے تھے کہ خشیت یہ ہے کہ اللہ کا ڈر بندہ اور گناہ کے درمیان اس طرح حائل ہو جائے کہ بندہ کو گناہ سے روک دے اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ذکر یہ ہے کہ بندہ اللہ کا مطیع اور فرمانبردار بن جائے، اگر اللہ کا فرمانبردار نہیں تو کتنی بھی تسبیحات پڑھے تلاوت کرے اس کو ذاکر نہیں کہا جائے گا۔

تکبیرِ اولیٰ میں سستی کرنے والا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت ابراہیم نخعی جو کبار تابعین میں سے ہیں حضرات صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت کے صحبت یافتہ ہیں تفقہ میں امام کا درجہ رکھتے ہیں۔ کوفہ، بصرہ، شام، حجاز میں اس وقت جو فقہاء تھے ان میں ابراہیم نخعی کا سب سے اونچا مقام تھا، علمی رعب اتنا تھا کہ لوگ آپ سے اس طرح ڈرتے تھے جس طرح امیر سے ڈرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم نخعی فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی شخص کو تکبیر اولیٰ میں سستی کرتے دیکھو تو اس سے ہاتھ دھولو، یعنی ایسا شخص دینی اعتبار سے رہبری کے لائق نہیں ہے۔ حضرت ابراہیم نخعی کا یہ ملفوظ ان علماء کے لئے خاص طور پر تازیانۂ عبرت ہے جو اپنے کو دینی قائد سمجھتے ہیں اور قیادت وسیادت کا خواب صبح شام دیکھتے رہتے ہیں اور تکبیر اولیٰ تو درکنار سنن ونوافل کا تو پوچھنا ہی نہیں فرائض سے بھی کوسوں دور رہتے ہیں، جب دل چاہا ایک دو نماز ادا کرلی، باقی نمازوں کو طاق پر رکھ دیتے ہیں۔ ایسے لوگ کیا خاک علمی اور دینی قیادت کریں گے۔ ہدایت کے بجائے ایسے لوگوں سے ضلالت ہی پھیلتی ہے۔ **فإلى الله المشتكى۔**

خدمتِ خلق کا ایک انوکھا انداز

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت

زبید بن حارث تابعی ہیں بہت سے صحابہ کرام کی زیارت انہوں نے کی ہے، عابد وزاہد، صلحاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے، پوری رات مسلسل جاگتے تھے اور عبادت میں مصروف رہتے تھے، شب بیداری اور طول قیام کی وجہ سے چہرہ کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔ عبادت کے ساتھ خدمت خلق کا یہ حال تھا کہ بارش اور ٹھنڈک کی رات میں آگ کا شعلہ لے کر محلّہ کی بوڑھی عورتوں کے پاس جاتے اور آواز لگاتے آگ چاہیئے۔ ان کے پاس جو لکڑی ہوتی اس کو جلا کر ایک راحت کا سامان فراہم کرتے، چونکہ اس زمانہ میں ہر وقت ہر گھر میں آگ نہیں ہوتی تھی اس لئے آگ سے ہی آگ جلتی تھی اور صبح کے وقت محلّہ کی بوڑھی عورتوں کے گھر جا کر معلوم کرتے کہ بازار سے کچھ منگانا ہے، کچھ چاہیئے، اگر کسی کو کوئی ضرورت ہوتی اور بتلاتیں تو حضرت زبید بازار سے سامان خرید کر ان کے گھر پھونچا دیتے۔

بہت بڑی بات ہے، اس طرح کی خدمت وہی کر سکتا ہے جس کا قلب خدمت خلق کے اجر وثواب سے معمور ہو ورنہ کون کس کو پوچھتا ہے، آج کل تو یہ باتیں افسانہ بنکر رہ گئیں ہیں اس زمانہ میں تو ماں باپ کی اس انداز کی خدمت اولاد اپنے لئے عیب سمجھتی ہے چہ جائیکہ محلّہ کے ناچار ومجبور بوڑھی اور کمزور لوگوں کی خدمت کرنا پسند کرے۔ ؎

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کر وبیاں

؎

تصوف بجز خدمت خلق نیست
بتسبیح و سجادہ و دلق نیست

اللہ اپنے بندوں کی پریشانی کو پسند نہیں کرتا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت عون بن عبداللہ الہذلی جن کا شمار عباد وزہاد میں ہوتا ہے جو اغنیاء کی صحبت سے پرہیز کیا کرتے تھے، اگر کبھی ان کے پاس بیٹھنے کی نوبت آتی تو اس پر آپ کو غم ہوتا اور اس کی تلافی کے لئے فقراء کی صحبت میں جا کر بیٹھتے اور کہتے اب مجھ کو راحت ملی۔ حضرت عون فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی پریشانی کو پسند نہیں کرتا جس طرح بیمار کی پریشانی کو مریض کے اہل خانہ پسند نہیں کرتے، لیکن تلخ دواؤں کو بھی مریض کے اہل خانہ یہ کہہ کر مریض کو پلاتے ہیں کہ یہ تھوڑی دیر کی تلخی ہے لیکن اس کے بعد ہمیشہ والی صحت اس کی برکت سے ملے گی۔

اسی طرح آنے والے بلاؤں کو بھی بندے کو صبر کے ساتھ برداشت کرنا چاہئے چونکہ اس کا انجام بھی اخروی نعمت و راحت ہے، یعنی نگاہ انجام پر ہونی چاہئے حال پر نہیں۔ جو چیز انجام کے اعتبار سے بہتر ہو اس پر خوش ہونا چاہئے۔

قبر کے کیڑے مکوڑے کے کھانے کے لئے بدن کو موٹا تازہ بنانے سے کیا فائدہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ

حضرت شعیب بن حرب جو مدائن کے رہنے والے تھے لیکن ہجرت کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے اور پوری زندگی مکہ میں گزار دی، آپ کا شمار بھی بڑے عباد وزہاد میں ہوتا ہے۔

حضرت سری سقطی فرمایا کرتے تھے کہ چار حضرات ایسے ہیں جنہوں نے پوری زندگی اپنے ہاتھوں سے حلال روزی حاصل کی اور پیٹ میں حلال روزی کے علاوہ کوئی دوسرا لقمہ نہیں جانے دیا ان میں سے ایک شعیب بن حرب بھی ہیں۔

حضرت شعیب بن حرب دس دن میں ایک لقمہ کھانا اور ایک گھونٹ پانی پیتے تھے۔ دجلہ کے کنارے ایک جھونپڑی بنا رکھی تھی وہیں رہا کرتے تھے، سوکھی روٹی اور پانی کا ایک برتن اس میں لٹکا ہوا تھا، سوکھی روٹی کا ایک ٹکڑا رات میں لیتے اور پانی میں تر کر کے کھا لیتے اور دن رات طاعت وعبادت میں مصروف رہتے، بدن پر صرف ہڈی اور کھال نظر آتی تھی۔

فرماتے تھے موٹا بننے سے کیا فائدہ قبر کے کیڑے مکوڑوں کے کھانے کے لئے بدن کو موٹا تازہ بنانے سے کیا فائدہ۔

حضرت شعیب بن حرب یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جو صرف دنیا کا طالب ہو اس کو ذلت اٹھانے کے لئے تیار رہنا چاہئے، اس لئے کہ دنیا اپنے چاہنے والوں کو سوائے ذلت وخواری کے کچھ نہیں دیتی۔

مجھ جیسوں کے ساتھ بھی اس کا برتاؤ یہی ہے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ

حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی کا تعلق حضرت رائے پوری سے تھا لیکن جب کبھی حضرت رائے پوری کی ملاقات کے لئے رائے پور تشریف لے جاتے تو سہارنپور رک کر حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب سے ضرور ملاقات کرتے۔

چونکہ حضرت رائے پوری کا معمول یہ تھا کہ وایا سہارنپور ہر آنے والے مہمان سے آپ دریافت فرماتے تھے کہ مولانا زکریا صاحب سے مل کر کے آئے ہو تو اگر جواب ہاں میں ہوتا تو حضرت کی نگاہ میں اس کی عزت اور قدر بڑھ جاتی اور حضرت کی خصوصی توجہ اس کو حاصل ہوتی اور اگر جواب نہیں میں ہوتا تو پھر حضرت کے لطف وعنایت سے حظ وافر اس کو نہیں ملتا تھا، اس لئے وایا سہارنپور جانے والے مہمانوں کا تقریباً معمول یہ بن گیا تھا کہ سہارنپور اتر کر پہلے وہ حضرت شیخ سے ملاقات کرتے اس کے بعد رائے پور کا رخ کرتے۔

چنانچہ حضرت مولانا علی میاں صاحب کا بھی یہی معمول تھا لیکن جب حضرت شیخ سے ملاقات ہوتی تو اس قدر والہانہ انداز میں ملتے جیسے مدت سے ملاقات کے منتظر ہوں، لیکن اگر حرف غلط کے طور پر بھی زبان سے یہ نکل جاتا کہ حضرت اب جانا چاہتا ہوں اجازت دیں تو حضرت بلا تکلف مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیتے اور ایک بار بھی یہ نہ فرماتے کہ رک جاؤ پھر چلے جانا۔

حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی نے تحریراً اس کا تذکرہ حضرت رائے پوری سے کیا، حضرت رائے پوری نے اس کے جواب میں لکھا کہ پیارے تمہارے ہی ساتھ نہیں بلکہ ہم جیسوں کے ساتھ بھی ان کا برتاؤ یہی ہے اور اس میں بہت راحت

محسوس کرتا ہوں، یہ جواب سن کر حضرت مولانا علی میاں صاحب خاموش ہوگئے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کا معمول

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کے یہاں اتنی زیادہ داروگیر نہیں تھی جتنی حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کے یہاں تھی، لیکن یہ معمول ضرور تھا کہ ہر آنے والے مہمان سے پہلا سوال یہ فرماتے تھے کہ کیا نظام ہے، اگر اس نے کہا کہ ایک ہفتہ ٹھہرنے کی نیت سے حاضر ہوا ہوں تو حضرت شیخ بلاتکلف قیام وطعام کا نظم فرمادیتے اور اگر آنے والا یہ کہتا کہ حضرت صرف ایک گھنٹہ کے لئے حاضر ہوا ہوں تو اگلا سوال یہ ہوتا کہ کھانا کھائیں گے یا چائے پئیں گے، اس کے جواب میں مہمان جو کہتا اس کے مطابق اتنے وقت میں اس کو فارغ کردیا جاتا اور آنے والے مہمانوں کے نظام میں کبھی دخل نہیں دیتے نہ مزید قیام پر اصرار کرتے بلکہ ہمیشہ آنے والے کی صواب دید اور اس کی سہولت پر یہ چیز چھوڑ دیتے جس کی وجہ سے طرفین کو راحت رہتی تھی۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کے دسترخوان پر فرق مراتب کا لحاظ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا

زکریا صاحب کے دسترخوان پر مراتب کا بھی پورا پورا لحاظ اور خیال رکھا جاتا تھا، یہ ضروری نہیں تھا کہ ایک دسترخوان پر جتنے لوگ موجود ہیں کوئی چیز اگر ایک کے سامنے رکھی جائے تو وہی چیز ہر ایک کو بھی پیش کی جائے بلکہ مراتب کے اعتبار سے ماکولات و مشروبات کے انواع واقسام میں فرق ہوتا تھا جس پر بعض لوگوں کو اعتراض بھی ہوا، اس کا جواب حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نے دیا کہ حضرات صحابہ کرام کے دسترخوان پر بھی فرق مراتب کے لحاظ کا ثبوت ملتا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے یہاں مختلف دسترخوان ہوتے تھے اور ان پر مختلف قسم کے کھانے ہوتے تھے اور میزبان اپنی صواب دید کے مطابق مہمانوں کو دسترخوانوں پر تقسیم کر کے بٹھاتا۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں ایک سائل آیا تو اس کے ہاتھ پر روٹی کا ٹکڑا رکھ دیا گیا اس کے بعد دوسرا سائل آیا تو اس کے لئے دسترخوان بچھایا گیا اور اس پر بیٹھا کر اس کو کھانا کھلایا گیا، اس فرق کی وجہ پوچھنے والے نے جب حضرت عائشہؓ سے پوچھا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "**امرنا ان نزل الناس منازلهم**"۔

یعنی ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کے مقام و مرتبہ کے اعتبار سے ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت شیخ کا دسترخوان فرق مراتب کا مظہر اتم ہوا کرتا تھا۔

خادم کے ساتھ پیش آمدہ ایک واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ جس سال خادم دار العلوم دیوبند میں شعبہ افتاء میں زیر تعلیم تھا اس سال کئی بار حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کے ساتھ جمعرات کو حضرت شیخ کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا۔

ایک مرتبہ پہونچنے میں تاخیر ہوئی جس کی وجہ سے مہمان کھانے سے تقریباً فارغ ہو چکے تھے جب ہم لوگ پہونچے تو لکڑی کی ٹال میں ابھی دسترخوان بچھا ہوا تھا اسی دسترخوان پر ہم دونوں کو بٹھا دیا گیا، تھوڑی دیر میں دسترخوان پر مختلف قسم کے کھانے جمع ہو گئے اور ہم لوگوں نے کھانا شروع کر دیا، اتنے میں اسی دسترخوان پر ایک گاؤں کا رہنے والا آ کر بیٹھا، اس کے سامنے ایک پلیٹ میں صرف شوربا اور روٹی کے کچھ ٹکڑے آئے، اس نے کھانا شروع کر دیا، خادم کو دیکھ کر ترس آیا اور سالن کی ایک پلیٹ اور کچھ روٹی اس کی طرف بڑھا دیا، یہ دیکھ کر حضرت مفتی صاحب بہت برہم ہوئے اور کھانے کے دوران ہی اتنا ڈانٹا کہ خادم کے لئے کھانا مکمل کرنا مشکل ہو گیا۔

حضرت نے ڈانٹتے ہوئے فرمایا کہ آپ مہمان ہیں مالک نہیں، آپ کو صرف کھانے کی اجازت ہے دوسرے کو دینے کی نہیں، پھر آپ نے دوسرے کو کیوں دیا؟

تب خادم کو یہ معلوم ہوا کہ ایک دسترخوان پر جس کے سامنے جو چیز ہو وہ خود

کھانے کا مجاز ہوتا ہے دوسروں کو دینے کا نہیں اور پوری زندگی کے لئے دل و دماغ میں یہ مسئلہ پیوست ہوگیا۔

تہجد سے محرومی کا سبب

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت ابراہیم بن ادہم جن کا شمار بڑے عباد وزہاد اور کبار اولیاء میں ہوتا ہے جن کا نام سلسلہ چشتیہ میں بھی اونچے مقام پر ہے، آپ حضرت فضیل بن عیاض کے خلفاء میں ہیں اور اس کے ساتھ حضرت اویس قرنی سے بھی آپ کو اجازت حاصل ہے۔ آپ کی عبادت وزہد کا یہ حال تھا کہ چار پانچ دن کا آپ مسلسل روزہ رکھتے تھے اور گھاس سے افطاری کرتے تھے، رات میں بہت کم سوتے، زیادہ وقت عبادت میں گزارتے، پیوند لگے ہوئے کپڑے اکثر پہنا کرتے تھے، حالانکہ آپ اپنے وقت کے بادشاہ تھے، آپ نے بلخ کی بادشاہت چھوڑ کر درویشی اختیار کی تھی۔

آپ سے ایک صاحب نے کہا کہ مجھ سے تہجد کی نماز کے لئے نہیں اٹھا جاتا، اس کے جواب میں حضرت ابراہیم بن ادہم نے فرمایا کہ دن میں اللہ کی نافرمانی نہ کیا کرو، اس لئے کہ رات میں تہجد کے وقت کھڑا ہونا بہت شرف کی بات ہے اور نافرمان آدمی اس شرف کا اہل نہیں ہوتا، اس لئے حضرات صوفیاء فرمایا کرتے ہیں کہ گناہوں کی وجہ سے آدمی تہجد سے محروم ہوجاتا ہے۔

اس لئے جولوگ تہجد سے محروم رہتے ہیں ان کو اپنے دن بھر کے اعمال کا محاسبہ کرنا چاہئے اور گناہوں پر ندامت کے آنسو بہا کر توبہ اور استغفار کرنا چاہئے تا کہ اس سعادت عظمی سے وہ مشرف ہوسکے اور ہمیشہ کی محرومی اس کی قسمت نہ بن جائے۔

میں تو جنت کے مالک کا مشتاق ہوں

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حضرت ممشاد دینوری جو حضرت ابوہبیرہ بصری کے خلفاء میں سے ہیں جن کا نام سلسلہ چشتیہ میں آتا ہے ان کا شمار بھی کبار اولیاء میں ہوتا ہے، آپ علوم ظاہر و باطن میں امام تھے، ریاضت ومجاہدہ میں بچپن ہی سے بے مثال تھے، بڑے ہوکر ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، لیکن بچپن میں بھی دن میں ماں کا دودھ نہیں پیتے تھے، اسی وجہ سے آپ کو مادرزاد ولی بھی کہا جاتا ہے، ایک زمانہ تک حضرت خضر علیہ السلام کے فیض صحبت میں رہے اور پھر انہی کے اشارہ پر حضرت ابوہبیرہ بصری سے بیعت ہوئے اور بیعت کے بعد فوراً اجازت حاصل ہوگئی، جب آپ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو ایک بزرگ آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے وہ آپ کے لئے جنت کے ملنے کی دعاء کرنے لگے تو حضرت ممشاد دینوری نے ہنس کر فرمایا کہ تیس سال سے جنت اپنی ساری زینتوں کے ساتھ میرے سامنے آتی رہی مگر میں نے ایک مرتبہ بھی اس کو نگاہ بھر کر نہیں دیکھا میں تو جنت کے مالک کا مشتاق ہوں۔

تہجد کے وقت کی چند رکعتوں کے سواء کچھ بھی کام نہ آیا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا حضرت جنید بغدادی جو کبار اولیاء میں سے ہیں جن کے تذکرہ سے تصوف کی کتابیں لبریز ہیں، جن کو علم ظاہر کے ساتھ علم باطن سے بھی حظ وافر ملا تھا، جن کے مداح سارے مشائخ و اولیاء ہیں، جن کا انتقال باوضوء روتے ہوئے سجدہ کی حالت میں ہوا، جن کی نماز جنازہ میں ساٹھ ہزار لوگوں نے شرکت کی۔

انتقال کے بعد ایک صاحب نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا یہاں کچھ بھی کام نہ آیا سوائے ان چند رکعتوں کے جو تہجد کے وقت پڑھا کرتا تھا۔

اسی لئے صلحاء، اتقیاء، اولیاء، اصفیاء کے نزدیک تہجد کی نماز کا بہت اہتمام ہے، بعض حضرات علماء کو یہ فرماتے سنا کہ تہجد کی نماز علماء پر تو واجب ہے لیکن بہت افسوس کی بات ہے کہ آج اکثر علماء اس سے غافل ہیں، اللہ ہی اپنا فضل فرمائے اور توفیق مرحمت فرمائے۔

روزانہ چار سو رکعتیں نوافل کا اہتمام

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے اسی سلسلۂ گفتگو میں فرمایا۔

حضرت جنید بغدادی کی مارکیٹ میں ایک دوکان تھی، روزانہ دوکان پر

تشریف لے جاتے اور پردہ گرا کر نوافل میں مشغول ہو جاتے، چار سو رکعتیں نوافل جب مکمل کر لیتے تو دو کان بند کر کے گھر آ جاتے۔

اور یہ معمول روزانہ کا تھا کتنی بڑی بات ہے آج لوگوں کے لئے فرائض سے پہلے اور بعد کی سنت پڑھنا مشکل ہے، وہاں دو چار دس بیس نہیں بلکہ چار سو رکعت نفل کا روزانہ کا معمول تھا جب کہ غذا کا حال یہ تھا کہ بیس سال تک ہفتہ میں صرف ایک بار کھانا نوش فرماتے تھے۔

اس کے باوجود توانائی کا عالم یہ تھا کہ چار سو رکعت نوافل روزانہ ادا فرما رہے ہیں، سچ ہے۔

قوت جبریل از مطبخ نہ بود
بود از دیدار خلاق الوجود

درندہ کا سواری کا کام کرنا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا۔

”من کان لللہ کان اللہ لہ“ ارشاد ہے جو اللہ کا ہو جاتا ہے، اللہ اس کا ہو جاتا ہے، لوگ اللہ کا بننا نہیں چاہتے ورنہ اللہ تو اپنا بنانے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے کوئی اپنا بن کر تو دیکھے۔

اور جب اللہ کسی کا ہو جاتا ہے تو اس کی ساری مخلوق اس کی تابعدار ہو جاتی ہے۔

چنانچہ حضرت ابوابراہیم السائح جو صاحب کشف و کرامت اولیاء میں سے ہیں، ایک مرتبہ ایسی جگہ پہونچکر بیمار ہو گئے جہاں علاج کی کوئی سہولت نہیں تھی اور بیماری اتنی شدید کہ نقل وحرکت مشکل، دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر کسی شہر میں ہوتا تو کسی راہب اللہ والے سے یا طبیب سے رجوع کر کے علاج و معالجہ کی تدبیر کرتا، یہاں کیا کروں، یہ سوچنا تھا کہ اچانک میرے پاس ایک درندہ آیا اور اس نے بہت آہستہ سے مجھے اٹھایا اور اپنی کمر پر مجھ کو سوار کر کے چل پڑا تا آنکہ وہ ایک راہب کے پاس پہونچا اور رک گیا، راہب یہ منظر دیکھ کر حیران ہو گیا اور جتنے راہب وہاں موجود تھے سب نے یہ منظر دیکھ کر اسلام قبول کر لیا جبکہ ان کی تعداد 400 تھی۔

اس طرح آپ کی یہ کرامت راہبوں کے قبول اسلام کا ذریعہ بن گئی، اور درندہ نے وہ کام کیا جو اس کا موضوع نہیں ہے، اس کا کام چیرنا پھاڑنا، انسانی زندگی کو برباد کرنا ہے، سواری کے کام کے لائق درندہ نہیں ہوتا۔

شیخ سعدی کا بیان کردہ واقعہ

شیخ سعدی نے لکھا ہے کہ ایک شخص شیر پر بیٹھا ہوا آرہا تھا لوگ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ کہاں شیر اور کہاں یہ صاحب۔ جب لوگوں کی حیرانی و پریشانی دیکھی تو شیر سوار نے کہا۔

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد از حکم تو ہیچ

تم اللہ کے حکم سے اپنا سر نہ پھیرو ہر حکم کی بجا آوری اپنی بندگی کا لازمی جز بنالو، پھر دیکھو کوئی چیز تمہارے حکم سے اپنا سر نہیں پھیرے گی بلکہ تمہاری خدمت کے لئے ہر چیز سرنگوں ہو جائے گی۔

شیر سوار نے اپنا مقام بھی بتلا دیا اور شیر جیسے جانور کو تابع بنانے کا نسخہ بھی بتلا دیا۔

اس لئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ بندہ اپنے کو اللہ کا تابع بنا دے۔ اس کے بعد ہر چیز اس کی تابعدار ہو جائے گی۔ آج اپنی اولاد ماں باپ کی تابعدار نہیں، اس میں جہاں ان اولادوں کا قصور ہے اپنا بھی کچھ قصور ضرور ہے، اس کے بغیر اتمام کے بجائے قصر کا تحقق نہیں ہوتا۔ اور اگر قصر میں حصر پیدا ہو جائے تو اپنی مقصوریت پر نگاہ ضرور ڈالنی چاہیے، انشاء اللہ ضرور ایک دن اس کا فسر یعنی کشف ہو جائے گا اور بگڑی ہوئی بات بن جائے گی اور مشکل سفر آسان ہو جائے گا۔

ایک باندی کا واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے اسی سلسلۂ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے فرمایا کہ:

ایک بادشاہ تھا اس کی بہت سی باندیاں تھیں لیکن ایک ایسی باندی کو بادشاہ بہت چاہتا تھا جس کے اندر بظاہر کوئی خوبی نہیں تھی۔ لیکن دستور و مزاج یہ ہے کہ جو کوئی کسی بڑے کا منظور نظر ہو جاتا ہے اور کسی بڑے کی قربت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ محسود

بن جاتا ہےاوراس سے جلنے والے پیدا ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ دوسری باندیاں حسد کی شکار ہوگئیں اور اس سے جلنے لگیں، آہستہ آہستہ یہ بات بادشاہ تک پھونچ گئی، بادشاہ نے اس کی مقبولیت ومنظوریت کی وجہ بتلانے کے لئے تمام باندیوں کو جمع کیا اوراپنے محل میں بیٹھ کراس نے اعلان کیا کہ آج جو جس چیز پہ ہاتھ رکھ دے وہ چیز اس کی ہے۔

چنانچہ باندیوں میں بھگ ڈرسی مچ گئی، کسی نے دوڑ کرسونے پر ہاتھ رکھا، کسی نے چاندی پر، کسی نے ہیرے پر، کسی نے کسی چیز پر۔ الغرض ہرایک نے اپنی اپنی پسند کی چیز پر ہاتھ رکھا اور ہرایک اپنے اعتبار سے بہت خوش ہوئی کہ آج ہم نے بازی مارلی۔

لیکن وہ باندی جس کو سب باؤلی سمجھتے تھے وہ خاموشی کے ساتھ بادشاہ کی کرسی کے پیچھے کھڑی رہی اوراس کے ہاتھ رکھنے کی جگہ پرکسی کی نظرنہیں پہونچی۔

بلکہ سب نے اس باندی کا مذاق اڑانا شروع کیا کہ دیکھوسچ مچ باؤلی ہے نہ۔ بادشاہ کی کرسی کے پیچھے بکلول کی طرح کھڑی ہے آج موقعہ تھا کچھ لینے کا، آج بھی چوک گئی۔

جب سب نے اس کو کوس لیا تب بولی۔ بادشاہ نے اعلان کیا کہ آج جو جس چیز پر ہاتھ رکھ دے وہ چیز اس کی ہے۔تم نے سونے پر ہاتھ رکھا، سونا تمہارا۔تم نے چاندی پر ہاتھ رکھا چاندی تمہاری، تم نے ہیرے پر ہاتھ رکھا ہیرا تمہارا۔لیکن میں نے بادشاہ کے مونڈھے پر ہاتھ رکھا لہٰذا بادشاہ میرا، جب بادشاہ میرا اس کے سارے

خزانے میرے، اس کا محل میرا، اس کی سلطنت میری، اس کی فوج میری، اس کی ہر چیز میری، اب بتلاؤ باؤلی تم سب ہو یا میں۔

اس جواب کے بعد ساری باندیوں کا سر جھک گیا اور سب نے اس کی ہوشیاری اور عقلمندی کی داد دی۔

جس طرح اس باندی نے سمجھا اسی طرح ہر بندے کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ وہ اللہ کا اپنا بنجائے اور اللہ کو اپنا بنالے، جب اللہ آپ کا ہوجائے گا، تو ہر چیز آپ کی ہوجائے گی، لیکن آج سب کو تو اپنا بنانے کی فکر ہے جو کسی کام کے نہیں اور جس کا تعلق ہر جگہ کام آنے والا ہے اس کو اپنا بنانے کی کوئی فکر نہیں۔

بحر قلزم کے پاس حضرت موسیٰ کی تقریر

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا "ان اسری بعبادی لیلاً انکم متبعون" میرے بندوں کو لے کر راتوں رات نکل جاؤ، لیکن یہ یاد رکھنا تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔

چنانچہ جب فرعون کو معلوم ہوا کہ موسیٰ تو نکل گیا اس کو جوش آیا اور اپنی پوری طاقت وقوت کے مظاہرہ کے ساتھ حضرت موسیٰ کے تعاقب میں نکل پڑا۔ ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام بحر قلزم کے پاس پہونچ کر ٹھہر گئے، قوم نے للکارنا شروع کیا کہ اے موسیٰ اب تو تم ہمیں مروادوگے، اس لئے کہ سامنے بحر قلزم کی موج ہے جس میں کوئی

پل نہیں، کوئی کشتی نہیں اوراس کا عرض ۱۶ میل ہے جس کو عبور کرنا ممکن نہیں اور پیچھے فوج ہے، یعنی فرعون اور اس کی فوج آ رہی ہے جو ان کو نظر آ رہی تھی''۔ یا موسی انا لمدرکون''۔اب تو جان جانی ہی جانی ہے۔جس وقت قوم غیض وغضب اور اضطراب کی حالت میں تھی اس وقت بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام انتہائی پُرسکون اور با اطمینان تھے،انھوں نے فرمایا''کلا ان معی ربی سیھدین''۔

ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ فرعون ہمیں دھر لے اور ہلاک کر دے،اس لئے کہ ہمارے ساتھ ہمارا رب ہے وہ ضرور رہبری کرے گا اور راستہ دے گا۔

چنانچہ فوراً حکم ہوا اپنے عصاء کو بحر قلزم پر ماریں، چنانچہ مارتے ہی فوراً بارہ راستے بن گئے،سب ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے اور بات کرتے ہوئے سکون کے ساتھ پار ہوگئے۔

اور فرعون اوراس کی فوج کا سارا غرور چکنا چور ہوگیا،سب کے سب اس میں غرق آب ہوکر ہمیشہ کے لئے نشان عبرت بنا دیئے گئے کہ جو رب والوں کے پیچھے پڑتا ہے اس کا حشر کیا ہوتا ہے،اللہ نے پوری دنیا کو دکھا دیا۔

حضرت موسی کو اس اضطرابی حالت میں سکون کیوں تھا؟ اس لئے کہ انہوں نے رب کو اپنا بنا لیا تھا اور وہ رب کے بن گئے تھے اور جس کے ساتھ رب ہو پھر اس کو فکر نہیں کہ سب ہیں یا نہیں؟ رب کا ساتھ جس کو مل گیا اس کا بیڑا پار ہے،اس لئے ہر ایک کو چاہئے کہ رب کی معیت حاصل کرلے،اللہ کو اپنا بنالے۔جب آپ اللہ کے

ہو جائیں گے اللہ آپ کا ہو جائے گا۔''من كان لله كان الله له''۔

اللہ کے رسول ؐ کا خطاب حضرت ابو بکر سے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور میں تھے اور کفار ومشرکین عرب آپ کا تعاقب کرر ہے تھے اور بعض نے غار ثور میں جھانکا بھی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فکر ہوئی اور اضطرابی حالت میں آپ نے اس کا تذکرہ آقا سے فرمایا تو آقا نے فرمایا''لاتحزن ان الله معنا'' گھبراؤ نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ رب ہو اس کا سب مل کر بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتے ، اس حال میں بھی آقا اس قدر پُرسکون کیوں تھے؟ اسی وجہ سے نا کہ ہم اللہ کے ہیں اور اللہ ہمارا ہے، جب رب کا ساتھ ہمارے ساتھ ہے پھر کس چیز کا غم۔ چنانچہ اللہ نے اپنے حبیب کی حفاظت کے لئے فوراً مکڑی کا جال بنوا دیا اور کبوتر سے انڈا دلوا دیا۔

اللہ کی شان بھی کس قدر عجیب ہے کبھی عظیم کی حفاظت کا کام حقیر سے لے لیتا ہے۔آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کس قدر عظیم اور مکڑی اور اس کا جالا کس قدر حقیر اور کمزور ہے، لیکن اللہ نے عظیم کی حفاظت حقیر سے کروا کر یہ بتلا دیا کہ ہم جس کی حفاظت چاہ لیں تو معمولی چیز کو بھی اس کا ذریعہ بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر اللہ کسی کو ذلیل کرنے پر آتا ہے تو صغیر سے کبیر کو ذلیل کروا دیتا ہے۔

اپنے زمانہ کا بڑا بادشاہ جس کا غرور آسمان چھور ہا تھا، نشہ میں بہت کچھ بک رہا تھا، اللہ نے ایک معمولی مچھر کو ناک کے ذریعہ گھسا کر دماغ میں پہونچا دیا اور نوکر سے جوتے کھلوا کر نشانِ عبرت بنادیا۔ اور سارا غرور خاک میں مل گیا۔

اس لئے ہر بندہ کو اللہ کی طاقت وقدرت کو یاد رکھنا چاہئے، جاہ وسلطنت، عزت وسطوت کے غرور میں اپنی اوقات کو نہیں بھولنا چاہئے۔

"و نملی لهم ان کیدی متین" اللہ کی ڈھیل سے غلط فائدہ نہیں اٹھانا چاہئے، ورنہ کب کیسے وہ اپنی رسی ٹائٹ کردے گا یہ کسی کو نہیں معلوم، اس لئے ہر حال میں ڈرتے رہنا چاہئے اور اللہ کے حفظ وامان کا طلبگار بنے رہنا چاہئے۔

ایک دقیق نکتہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ "ان معی ربی" میں معیت مقدم ہے ربی پر اور "ان الله معنا" میں اللہ مقدم ہے معیت پر۔

اسی لئے بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ارفع واعلیٰ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام سے۔

چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلام میں پہلے معیت ہے پھر ربی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں معیت پر اللہ مقدم ہے۔

بہرحال یہ ایک دقیق نکتہ ہے جس کی طرف بعض مفسرین کا ذہن گیا ہے۔

اللہ جزائے خیر دے انہوں نے کتنی باریک بینی سے ہر چیز پر نظر رکھی اور کتنی باریک باریک باتوں سے امت کو آشنا کرایا۔ اللہ ان کی قبروں کو منور فرمائے۔ آمین

جو ایک مرتبہ مجلس میں پہونچ گیا وہ گناہ سے بچ گیا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ ایسے بھی اللہ والے گزرے ہیں کہ ان کی مجلس میں اگر کوئی پہونچ گیا تو اس کی قوت بہیمیت ہی سلب ہو جاتی تھی اور کبھی گناہ نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابو اسحٰق چشتی جو کبار اولیاء میں سے ہیں خواجہ ممشاد دینوری کے خلفاء میں سے ہیں صاحب کشف و کرامت بزرگوں میں آپ کا شمار ہے، آپ کی عبادت و زہد کا یہ حال تھا کہ سات روز میں آپ افطار کرتے تھے، طئی الارض پر آپ کو قدرت حاصل تھی، سیکڑوں افراد کے ساتھ سفر فرماتے اور آنکھ کو بند کرتے منزل پر پہونچ جاتے۔

آپ کی مجلس مبارکہ کا یہ حال تھا کہ بڑا سے بڑا پاپی بھی اگر آپ کی مجلس میں پہونچ جاتا تو وہ ہمیشہ کے لئے گناہوں سے دور ہو جاتا اور کبھی کوئی گناہ نہیں کرتا تھا گویا کہ گناہ کرنے کی قوت ہی سلب ہو جاتی تھی۔

اسی طرح اگر کوئی بیمار آپ کی مجلس میں پہونچ جاتا وہ صحت یاب ہو کر اپنے گھر واپس آتا۔

روزانہ پانچسو رکعت نفل

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ:

اس سے قبل یہ بات آچکی ہے کہ ایسے بھی اللہ والے تھے جوایک دن میں چارسو رکعت نفل پڑھا کرتے تھے۔

لیکن حضرت سمنون بن حمزہ جو کبار اولیاء میں سے ہیں بصرہ کے رہنے والے تھے،لیکن بغداد میں سکونت پذیر ہوگئے تھے وہ روزانہ پانچسو رکعت نفل پڑھا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک صاحب نے بغداد کے فقراء میں چالیس ہزار دراہم تقسیم کئے، حضرت سمنون کو اس پر بڑا رشک آیا اور فرمایا ہم اتنے دراہم تو خرچ نہیں کر سکتے، البتہ اس کی جگہ کچھ اور کر سکتے ہیں۔ چنانچہ آپ شہر مدائن گئے اور وہاں پہونچ کر ایک درہم کے بدلہ آپ نے ایک رکعت نفل پڑھنا شروع کیا، یہاں تک کہ چالیس ہزار رکعت نفل آپ نے پڑھے اسی کے بعد اپنے وطن واپس آگئے۔

چشتیت کی ابتداء

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ عام طور پر لوگوں کے ذہنوں میں یہ ہے کہ چشتیت کی ابتداء حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے ہوئی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے، چشت نام کا ایک قصبہ تھا جہاں بہت سے اولیاء پیدا

ہوئے۔ خواجہ ابو اسحٰق چشتی بھی انہی اولیاء میں سے ہیں جو چشت کے رہنے والے ہیں اور حضرت خواجہ ممشاد دینوری کے خلفاء میں سے ہیں، بڑے عابد وزاہد اولیاء میں آپ کا شمار ہے، سات روز میں ایک مرتبہ افطار کرتے تھے۔ آپ اپنے شیخ کی خدمت میں سات سال رہے اس کے بعد آپ کو اجازت وخلافت حاصل ہوئی۔

ایک مرتبہ آپ کے شیخ نے آپ کا نام پوچھا آپ نے فرمایا ابو اسحٰق شامی، شیخ نے فرمایا آج سے تمہیں ابو اسحٰق چشتی لوگ کہیں گے۔

اس لئے کہ اہل چشت کو تمہارے ذریعہ ہدایت ملے گی۔ اور تمہارا سلسلہ قیامت تک چشتیہ کہلائے گا۔

اسی دن سے حضرت خواجہ ابو اسحٰق چشتی کہلانے لگے۔

جس پہ نظر ڈال دیا صاحب کرامت ہوگیا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا آج تو لوگ چاہتے ہیں کہ ہمیں کشف وکرامت حاصل ہوجائے اور ایسوں کو تلاش کرتے ہیں جو صاحب کشف وکرامت بنادے۔ حضرت خواجہ ابو احمد ابدالی ایک بزرگ گزرے ہیں جو خواجہ ابو اسحٰق چشتی کے خلفاء میں سے ہیں، آپ بھی قصبہ چشت کے رہنے والے تھے، اس لئے آپ بھی چشتی کہلاتے ہیں، بڑے عابد وزاہد اولیاء میں سے تھے، تیس برس تک بستر پر نہیں سوئے۔ روزانہ ایک قرآن دن میں اور دو قرآن پاک رات میں

ختم فرماتے تھے۔

آپ اپنے زمانہ کے قطب وابدال تھے۔

آپ کی خاص کرامت یہ تھی کہ آپ جس شخص پرنظر ڈال دیتے وہ صاحب کرامت ہوجاتا تھا۔

پیٹ سے ذکر اللہ کی آواز

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ آج اگر سونے کی حالت میں کسی سے ذکر اللہ کی آواز آنے لگے تو حیرت میں پڑ جاتے ہیں اور چرچا شروع ہوجاتا ہے۔ حالانکہ ایسے اللہ والے بھی گزرے ہیں جو ماں کے پیٹ میں رہتے ہوئے ذکر کیا کرتے تھے اور گھر والوں نے ذکر اللہ کی آواز سنی ہے۔ حضرت خواجہ ابومحمد بن ابی احمد جو حضرت خواجہ ابواحمد ابدالی چشتی کے لڑکے اور خلیفہ بھی تھے، سات سال کی عمر میں بیعت ہوئے اور بارہ سال کی عمر تک ایک حجرہ میں تنہا رہے اور روزانہ روزہ رکھتے تھے۔

آپ جب ماں کے پیٹ میں تھے اس وقت سے آپ نے ذکر شروع کردیا تھا، ماں کے پیٹ سے ذکر اللہ کی آواز آتی تھی، گویا کہ آپ مادرزاد ولی تھے۔ پیدا ہوتے ہی سات مرتبہ کلمہ پڑھا، دودھ پینے کے زمانہ میں بھی ذکر کرتے تھے اور پانچوں وقت آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر کلمہ پڑھتے تھے، یہ منظر دیکھ کر کتنے لوگوں نے

اسلام قبول کرلیا۔

روزانہ پانچ ختم قرآن پاک

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ آج تو ہمارا تعلق بالقرآن اتنا کمزور ہوگیا ہے کہ حافظ ہونے کے باوجود قرآن کو ہاتھ لگانے کی فرصت نہیں ملتی، جبکہ ہر حال میں اجر ملتا ہے، دیکھنے پر اجر، چھونے پر اجر، پڑھنے پر اجر، لیکن جہاں کوئی اجر نہیں وہ ہر وقت ہاتھ میں رہتا ہے، یعنی موبائل۔ بہت افسوس و قلق کی بات ہے کیسا زمانہ آ گیا ہے، کیسے لوگ ہو گئے ہیں، حضرت ابو یوسف چشتی جو چشت کے رہنے والے تھے کبار اولیاء میں جن کا شمار ہے، خواجہ ابو محمد کے خلفاء میں سے ہیں، ان کا حال یہ تھا کہ پانچ قرآن پاک روزانہ ختم کرتے تھے۔ جبکہ آپ حافظ قرآن نہیں تھے جس کی وجہ سے آپ کو اس کا بہت قلق رہتا تھا، ایک مرتبہ اپنے شیخ کو فرماتے سنا کہ سو مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھلو اس قلق سے خلاصی پا جاؤ گے۔

سورۂ فاتحہ سو مرتبہ پڑھنا تھا کہ پورا قرآن پاک حفظ ہوگیا، اس کے بعد روزانہ پانچ قرآن پاک ختم کرنے کا معمول بنالیا۔

دس ہزار خلفاء

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ آج اگر کسی

کے سو دو سو خلفاء ہو جائیں تو لوگوں کو حیرت ہونے لگتی ہے اور کہنا شروع کر دیتے ہیں، اتنے خلفاء کیسے؟ خلفاء بنانے اور پیدا کرنے کی کوئی فیکٹری تو نہیں لگا رکھی ہے؟ لیکن ہمارے اکابر اولیاء میں ایسے بھی اللہ والے گزرے ہیں جن کے دس ہزار خلفاء تھے۔

چنانچہ حضرت خواجہ مودود چشتی جن کا شمار چشتیہ سلسلہ کے اکابر میں بھی ہے جن کو کشف قلوب وکشف قبور کی دولت بھی حاصل تھی۔ اسی کے ساتھ آپ کو طی الارض پر بھی قدرت حاصل تھی، جب طواف کو دل چاہتا ہواء کے ذریعہ مکہ مکرمہ پہونچ جایا کرتے تھے۔

آپ کے مریدین تو ان گنت تھے، خلفاء کی تعداد دس ہزار تھی، انتقال کے بعد آپ کی جنازہ کی نماز پہلے رجال غیب نے پڑھی، پھر عام لوگوں نے۔ نماز کے بعد جنازہ خود بخود اڑنے لگا، اس کرامت کو دیکھ کر بے شمار لوگوں نے اسلام قبول کیا۔

جو آپ کا جوٹھا کھالیتا مجذوب ہو جاتا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ اب تو سلوک ہی سلوک ہے، اللہ تک پہنچنے کے لئے قدم بہ قدم چلنا ہوگا۔ کوئی زمانہ تھا جب اجتباء وجذب بہت ہوا کرتا تھا بلکہ ایسوں کی صحبت میں جو رہتا تھا وہ بھی مجذوب ہو جایا کرتا تھا، اور یک لخت منازل طے ہو جایا کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت شریف زندنی جو حضرت مودود چشتی کے خلفاء میں سے ہیں جو

چالیس سال تک جنگل میں رہے اور درختوں کے پتوں پر گزر کرتے رہے، لیکن جب پہونچے تو اس مقام تک پہونچے کہ آپ کا جوٹھا اگر کوئی کھا لیتا تو وہ بھی مجذوب ہو جاتا تھا۔

زہد کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ ایک صاحب کچھ نذرانہ لے کر حاضر ہوئے، آپ نے لینے سے انکار کردیا اور فرمایا یہ پورا جنگل اسی سے بھرا پڑا ہے، اس نے حضرت کے اشارہ کی طرف دیکھا تو سونے کی نہر بہہ رہی تھی۔ سبحانہ اللہ کیا مقام تھا اور اس کے باوجود اسقدر استغناء۔

کلاہ چہارترکی

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ چہارترکی یعنی چار پلیا ٹوپی کا تذکرہ تو ملتا ہے لیکن کلاہ پنج ترکی یعنی پانچ پلیا ٹوپی کہاں سے آئی اس کا بھی پتہ لگنا چاہئے؟ سلسلہ چشتیہ کے بہت اونچے بزرگ ہیں حضرت خواجہ عثمان ہارونی جو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے پیرومرشد ہیں۔ مقام ہارون کے رہنے والے تھے اس لئے آپ کے نام کے ساتھ ہارونی بطور نسبت کے لکھا جاتا ہے۔ آپ نے ستر سال تک مجاہدہ فرمایا، اس درمیان کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ ساتویں دن منھ بھر کر پانی پیتے تھے۔ اس قدر مجاہدہ کے باوجود روزانہ ایک قرآن پاک ختم کیا کرتے تھے۔

حضرت خواجہ شریف زندنی آپ کے شیخ طریقت تھے جب شیخ نے اجازت وخلافت سے نوازا تو خواجہ عثمان ہارونی کو شیخ نے کلاہ چہارتر کی یعنی چار کلیوں والی ٹوپی پہنائی اور فرمایا کہ اس سے چارترکوں کی طرف اشارہ ہے (۱) ترک دنیا (۲) ترک آخرت بجز ذات حق سبحانہ وتعالیٰ (۳) ترک خواب ونوم (۴) ترک ہوائے نفس۔

چنانچہ آج بھی بعض طبقوں میں چار کلیوں والی ہی ٹوپی رائج ہے، لیکن ہمارے طبقہ میں ایک کلی کا اضافہ ہے اور چار کلی کے بجائے پانچ کلی ٹوپی رائج ہے، اس میں ایک کلی کا اضافہ کس وجہ سے ہے؟ اور کس ترک کی طرف اشارہ ہے یہ امر قابل تحقیق ہے؟

امید کہ آپ حضرات اس کی تحقیق فرما کر اس کا اضافہ فرمائیں گے۔

جہاں تک چہار کلی والی ٹوپی کی سند کی بات ہے تو وہ تو آپ کے سامنے آگئی وہ محل تحقیق نہیں ہے۔ محل تحقیق پانچ کلی والی ہے کہ ایک کلی کا اضافہ کیوں اور کیسے ہوا؟ اور کس ترک کی طرف اشارہ ہے؟ تاکہ بات مکمل ہوجائے۔

طواف میں بارہ ہزار قرآن پاک کا ختم

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ ہمارے اسلاف میں کیسے کیسے باہمت اللہ والے تھے آج تو ان کے واقعات کو بتلاؤ تو لوگوں کو افسانہ معلوم ہوتا ہے۔

ایک بزرگ تھے حضرت ابوبکر الکنانی بغداد کے رہنے والے تھے، لیکن بعد میں مکہ مکرمہ منتقل ہوگئے اور وہیں انتقال بھی ہوا، بڑے عباد وزہاد میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی، حضرت خراز، حضرت نوری کے صحبت یافتہ تھے۔ حضرت ابوبکر الکنانی نے صرف طواف کی حالت میں بارہ ہزار قرآن پاک ختم کیا۔ اس کے علاوہ اور جو معمولات تھے وہ اپنی جگہ۔

آج تو پورا سال گزر جاتا ہے ایک ختم قرآن پاک نہیں ہو پاتا، کاش ان اکابر واسلاف کو آج کے لوگ اپنا نمونہ بنالیں تو کیا بات تھی اللہ ہمت وحوصلہ دے۔ آمین۔

بیس سال تک پاؤں دراز نہیں کیا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ ادب بھی بہت بڑی دولت ہے، طریقت میں تو یہی سکھایا جاتا ہے، "**الطریق کلھا آداب**" اس راہ میں جس کو بھی ملا اور جو کچھ بھی ملا ادب وتأدب کی راہ سے ہی ملا۔ اس لئے کہا گیا ہے۔

با ادب با نصیب

بے ادب بے نصیب

حضرت ابومحمد الحریری حضرت جنید بغدادی کے کبار تلامذہ میں سے ہیں، طریقت کی لائن سے حضرت سہل بن عبداللہ تستری کے صحبت یافتہ ہیں، اونچے

بزرگوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے، بے پناہ تواضع اور ادب وتأدب کے حامل تھے۔ آپ نے بیس سال تک تخلیہ میں بھی اپنا پاؤں دراز نہیں فرمایا۔فرماتے تھے اللہ کے ساتھ حسن ادب کا تقاضا یہ ہے کہ تخلیہ میں بھی پاؤں دراز نہ کیا جائے۔

۲۹۲ھ میں آپ نے حرم مکی میں اعتکاف فرمایا، پورے ایام اعتکاف میں نہ آپ نے کچھ کھایا نہ سوئے نہ پاؤں دراز کیا۔

حضرت ابوبکر الکنانی نے کہا اے ابومحمد اس طرح اعتکاف پر آپ کو کس طرح قدرت حاصل ہوگئی؟

آپ نے جواب دیا اللہ میرے باطن کے صدق سے واقف تھا، اس لئے اس نے ظاہر پر میری مدد فرمائی۔

ولی کی چار علامتیں ہیں

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ کسی چیز کی علامت اس لئے ہوتی ہے تا کہ اس کے ذریعہ ہر ایک کے لئے شناخت آسان ہوجائے اگر علامت نہ ہوتو شناخت میں دشواری ہوتی ہے۔

حضرت ابوالعباس بن عطاء اونچے بزرگوں میں ہیں، چوبیس گھنٹہ میں صرف دوگھنٹہ سوتے تھے باقی پوراوقت عبادت میں لگاتے تھے۔قرآن کریم سے بے حد تعلق تھا، روزانہ ایک ختم کیا کرتے تھے اور رمضان کے مہینہ میں رات دن میں تین ختم کیا

کرتے تھے۔آپ فرماتے تھے کہ ولی کی چار علامتیں ہیں:

(۱)اس کے اور اللہ کے درمیان جو رازہائے سربستہ ہوں اس کو کسی پر ظاہر نہ کرے۔

(۲)اپنے اعضاء وجوارح کی پوری حفاظت کرے کوئی معصیت نہ ہونے پائے۔

(۳)اپنے اعضاء وجوارح سے کسی کو تکلیف نہ پہونچائے اس پر پوری نظر رکھے۔

(۴)لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق مدارات کرے، سختی وترشی سے پیش نہ آئے۔

سمندر میں چادر بچھا کر نماز پڑھنا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ ہمارے اسلاف میں ایسے اللہ والے بھی تھے جو سمندر میں چادر بچھا کر نماز ادا کرتے تھے ان کا تعلق اللہ سے اتنا مضبوط تھا کہ ہر چیز ان کے تابع کردی گئی تھی، کسی میں سرتابی کی گنجائش نہیں تھی جس کو جو حکم دیتے وہ وہی کرتا تھا۔

حضرت ابراہیم بن سعد العلوی ایک بزرگ گزرے ہیں، بغداد کے رہنے والے تھے لیکن بعد میں شام میں سکونت پذیر ہوگئے تھے، بڑے عابد وزاہد تھے، مسلسل روزہ رکھتے تھے، تین دن کے بعد کچھ تھوڑا سا کھاتے تھے، آپ مستجاب الدعوات بھی تھے۔آپ جب چاہتے سمندر پر چادر بچھا دیتے اور اس پر نماز شروع کردیتے سیکڑوں نے آپ کو اس حال میں دیکھا۔جب آپ نماز پڑھتے تو سمندر کی مچھلیاں خدمت میں چاروں طرف سے آجاتیں لیکن کبھی آپ نے کسی مچھلی کو پکڑا نہیں۔

ایک مرتبہ ایک صاحب آپ کے ساتھ سمندر میں تھے مچھلیوں کو دیکھ کر شکار کا خیال پیدا ہوا کہ کاش آج فلاں شکاری ہوتے، اتنا سوچنا تھا کہ ساری مچھلیاں بھاگ گئیں۔

خواجہ عثمان ہارونی کی سفارش سے عذاب کا ملتوی ہونا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ اللہ والوں سے تعلق رائیگاں نہیں جاتا، یہ تعلق دنیا میں بھی کام آتا ہے اور مرنے کے بعد بھی۔ نادان ہیں وہ لوگ جو اللہ والوں کو اور ان کے تعلق کو بیکار سمجھتے ہیں۔

خواجہ عثمان ہارونی جن کا تذکرہ اس سے پہلے بھی آچکا ہے کہ کبار اولیاء میں سے ہیں، خواجہ معین الدین چشتی کے پیر و شیخ ہیں، صاحب کشف و کرامت اولیاء میں آپ کا شمار ہے۔

ایک مرتبہ آپ اپنے ایک پیر بھائی کی تدفین میں شریک ہوئے، تدفین کے بعد سب لوگ روانہ ہوگئے لیکن آپ کچھ دیر قبر کے پاس ٹھہرے رہے اتنے میں قبر کا حال آپ پر منکشف ہوا، کسی جرم میں صاحب قبر کے پاس عذاب کے فرشتہ آئے۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے ان کی آمد کو محسوس کرلیا، آپ نے فرمایا یہ مجھ سے تعلق رکھنے والوں میں سے ہے۔ حضرت کے یہ فرمانے کے بعد فرشتے واپس ہوگئے اور عذاب رفع ہوگیا۔ سبحانہ اللہ۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر

اھل معرفت کی عبادت پاس انفاس ہے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ حضرات مشائخ کے یہاں ایک عمل ہے جس کا نام پاس انفاس ہے، اور یہ ایسا لطیف ونفیس عمل ہے جس کو کرنے کے بعد قلب کا تنقیہ، تصفیہ، تخلیہ، تجلیہ لازمی ہے۔ اور ذاکر کے ذکر کی ترتیب اسی وقت کامل ہوتی ہے جب زبان کے ساتھ قلب بھی ذاکر ہوجائے، اور یہ عمل تمام سلسلوں میں رائج ہے۔ البتہ حضرات نقشبندیہ کے یہاں زیادہ زور ذکر قلبی پر ہے۔

پاس انفاس کا طریقہ میری کتاب ''تحفۃ السالکین'' میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے اس کا مطالعہ کرلیں۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری فرمایا کرتے تھے ''اھل معرفت کی عبادت پاس انفاس ہے''۔

اسی طرح یہ بھی فرماتے تھے کہ معرفت حق کی علامت یہ ہے کہ خلق سے بھاگنے لگے۔ اسی طرح یہ بھی فرماتے تھے شقاوت کی علامت یہ ہے کہ آدمی معصیت میں مبتلا ہو پھر بھی اپنے آپ کو مقبول سمجھے۔

تین ہزار مرتبہ درود شریف کا معمول

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ بعض اللہ

والے ایسے بھی گزرے ہیں جو دن رات کے یومیہ معمولات کے علاوہ روزانہ تین ہزار مرتبہ درود شریف پڑھتے تھے۔

چنانچہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی جو اکابر اولیاء میں سے ہیں۔ سترہ سال کی عمر میں آپ کو اجازت و خلافت حاصل ہوگئی تھی، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے آپ خلیفہ اول ہیں، روزانہ سو رکعت نفل پڑھنے کا معمول تھا، مستجاب الدعوات اولیاء میں سے تھے، آپ پر اکثر استغراق کا غلبہ رہتا تھا۔ دیگر معمولات کے ساتھ روزانہ تین ہزار مرتبہ درود شریف پڑھا کرتے تھے۔ جن حضرات کو اعمال کی حلاوت و لذت مل جاتی ہے وہ ہمہ وقت اعمال و اشغال میں لگے رہتے ہیں۔ زندگی کے ایک ایک لمحہ کی قدر کرتے ہیں اور اس کو ضائع ہونے سے بچاتے ہیں، یہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی علامت ہے کہ روزانہ تین ہزار درود پاک اہتمام سے پڑھتے تھے، اللہ پاک ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین

ملا علی قاری کا بیان کردہ واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے اسی سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ جب میں حج کرنے گیا تو دو واقعہ عجیب دیکھا:

(۱) ایک شخص کو دیکھا کہ وہ غلاف کعبہ سے چمٹا ہوا زار و قطار رو رہا ہے، لیکن جب میں اس کے قلب کی طرف متوجہ ہوا تو ایک سکنڈ کے لئے بھی اس کے دل کو اللہ کی

طرف متوجہ نہیں پایا بلکہ اس کا دل مکمل غافل تھا، میں یہ دیکھ کر حیران ہوگیا کہ یہ بندہ دہاڑے مار کر رو رہا ہے، آنکھوں سے مسلسل آنسو بہ رہے ہیں، لیکن دل مکمل غافل ہے جبکہ اس کے دل کو اللہ کی طرف مکمل متوجہ ہونا چاہئے تھا۔

(۲) بازار میں ایک کپڑے کے تاجر کے پاس گیا تو دیکھا خریداروں کا ہجوم ہے خود بھی کپڑا دکھانے، بات کرنے اور پیسہ لینے دینے میں مصروف ہے لیکن جب اس کے دل کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا ایک سکنڈ کے لئے بھی اس حال میں بھی اس کا دل اللہ سے غافل نہیں ہے۔ میں یہ دیکھ کر حیران ہوگیا۔

سچ ہے ایک تاجر بھی اللہ کا ولی بن سکتا ہے، بس دل کو سنبھالنے کی ضرورت ہے۔

حضرت رابعہ بصریہ کا واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے اسی سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ یہ ولایت مردوں ہی کے خصوصیات میں سے نہیں عورتیں بھی ایک سے بڑھ کر ایک ولیہ ہوئی ہیں۔

حضرت رابعہ بصریہ کا نام بھی انہیں عورتوں میں شامل ہے جو ولایت کے اونچے مقام پر فائز تھیں، آپ کی ولایت کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت حسن بصری جو پایہ کے بزرگوں میں سے ہیں اور سلسلۂ چشتیہ کے اولیاء میں آپ کا شمار ہی نہیں بلکہ تمام اولیاء کرام کے آپ مضاف الیہ ہیں آپ کا ہفتہ میں ایک بار

وعظ ہوتا تھا، چونکہ اللہ نے تقریر کا بڑا ملکہ آپ کو عطا فرمایا تھا۔ لیکن جس وعظ میں حضرت رابعہ بصریہ شریک نہ ہوتیں آپ وعظ نہ فرماتے، جب آپ سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا جو شربت ہاتھی کے برتن میں آتا ہو اس کو چیونٹی کے برتن میں کیسے بھرا جا سکتا ہے۔

حضرت رابعہ بصریہ ایک رات تہجد کی نماز سے فارغ ہو کر لیٹ گئیں اتنے میں موقعہ پا کر چور آپ کے گھر میں گھس آئے بسیار جستجو کے باوجود چوروں کے ہاتھ کچھ نہیں لگا، اور ملتا بھی کیا اللہ والے دنیا اور دنیا کی آلائشوں سے اپنے کو دور رکھتے ہیں۔ چلتے چلاتے ایک گٹھری ملی جس میں صرف چند پرانے کپڑے تھے، چوروں نے سوچا بھاگتے بھوت کی لنگوٹی سہی، کچھ نہیں تو یہ گٹھری ہی لیتے چلو، جب واپس ہونے لگے راستہ گم ہو گیا دروازہ ہی نہیں مل رہا ہے، گھر سے نکلیں کہاں سے بہت پریشان ہوئے، بالآخر انہی چوروں میں سے ایک کے دل میں آیا اس گٹھری کو چھوڑ دو۔ چنانچہ اس کو رکھتے ہی راستہ مل گیا پھر خیال آیا کہ اب تو راستہ مل گیا ہے، اب اس گٹھری کو لیتے چلو جیسے گٹھری اٹھایا پھر راستہ گم ہو گیا۔ غرضیکہ کئی بار ایسا ہی ہوا جب گٹھری اٹھاتے راستہ گم ہو جاتا اور جب رکھ دیتے راستہ مل جاتا۔

اسی درمیان غیب سے آواز آئی جس کو سب چوروں نے سنا "تنام جیبتی ولا ینام ربھا" اے چورو، رابعہ سو رہی ہے لیکن اس کا رب جگ رہا ہے۔ اگر عافیت چاہتے ہو اس گٹھری کو چھوڑ کر بھاگ لو ورنہ خیر نہیں ہے۔

یہ آواز سن کر سب چور گٹھری چھوڑ کر جان بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے

مالتی باغ بنارس کا واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے اسی سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آج سے چالیس سال قبل کی بات ہے اس وقت میں مدرسہ ریاض العلوم گورینی جونپور میں تدریسی خدمت انجام دے رہا تھا۔ایک مرتبہ سفر سے بنارس پہونچا، جمعہ کا دن تھا جمعہ سے قبل پہونچنا ہوا۔ قیام حاجی یحی صاحب کے مکان پر ہوتا تھا، اس وقت حاجی صاحب مالتی باغ میں رہتے تھے، حاجی صاحب مالتی باغ کی مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کرتے تھے، جب ان کی معیت میں مسجد پہونچا تو مسجد تقریباً بھر چکی تھی اور نماز سے پہلے مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی کے بیان کا معمول تھا، اچانک مفتی صاحب کی نظر خادم پر پڑ گئی، فوراً انہوں نے اپنے بیان کا امالہ کردیا اور خادم کو حکم دیا کہ آپ بیان کردیں اور جمعہ کی نماز بھی آپ ہی کو پڑھانا ہے، حاجی یحی صاحب نے بھی ان کی تائید کردی مجبوراً خادم کو بیان کے لئے ممبر پر بیٹھنا پڑا، حالانکہ سفر کی تکان بھی تھی، لیکن اس وقت توانا تھا شگر وغیرہ کا عارضہ نہیں تھا۔

اللہ نے جو دل میں ڈالا وہ کہا لیکن سامعین کو تقریر بہت پسند آئی خود مفتی صاحب نے بھی پذیرائی کی۔

جمعہ سے فارغ ہوکر جب حاجی یحی صاحب کے مکان پر جانا ہوا تو مفتی صاحب بھی ساتھ آگئے اور کچھ دیر وہاں بیٹھے۔ دوران گفتگو انہوں نے خادم سے سوال کیا کہ مفتی صاحب آپ نے بیان میں جو واقعہ سنایا ہے حضرت رابعہ بصریہ کا وہ

کہاں لکھا ہے؟ خادم نے بیان میں یہی واقعہ سنایا تھا جس کا تذکرہ ابھی آیا۔ خادم نے عرض کیا امام رازی نے تفسیر کبیر میں یہ لکھا ہے اس پر وہ خاموش ہوگئے مزید آگے کوئی سوال نہیں کیا۔

بہرحال عرض کرنے کا حاصل یہ ہے کہ جب کسی کا تعلق اللہ سے ہوجاتا ہے تو اللہ بھی اس کو ضائع نہیں کرتا۔

حدیث پاک میں ہے:

"احفظ الله يحفظك"۔

تم اللہ کے اوامر کی حفاظت کرو اس کے بدلہ میں اللہ تمہاری جان مال عزت و آبرو ہر چیز کی حفاظت کرے گا۔ "ان تنصر الله ينصر كم" اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔

ایک چور کا اندھا ہونا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ شیخ فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ جو اونچے بزرگوں میں سے ہیں، حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی کے خلفاء میں سے ہیں جن کے بارے میں خواجہ معین الدین چشتی اجمیری فرمایا کرتے تھے کہ یہ اپنے وقت کا غوث وقطب ہوگا۔

اسی طرح ایک مرتبہ فرمایا کہ یہ ایک شمع ہے جو درویشوں کے گھر کو منور کرے گا۔

شیخ فریدالدین شکر گنج فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی شخص گدڑی پہن لے تو اس کو سمجھ لینا چاہئے کہ کفن پہن رہا ہے۔آپ کی والدہ رات میں ایک مرتبہ نماز میں مصروف تھیں، اچانک ایک شخص چوری کی نیت سے گھر میں داخل ہو گیا جب اس کی نگاہ حضرت شیخ فریدالدین شکر گنج کی والدہ پر پڑی تو فوراً اندھا ہو گیا۔اس کے بعد وہ شخص چلانے لگا کہ میں تو اندھا ہو گیا، میں تو اندھا ہو گیا، اس کے بعد وہ بولا کہ اب میں عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی چوری نہیں کروں گا۔

یہ سن کر حضرت شیخ فریدالدین شکر گنج نے اس کی بینائی کی واپسی کے لئے دعاء کی جبکہ آپ کی عمر اس وقت ابھی چھ سال کی تھی، حضرت کی دعاء کی برکت سے اس کی بینائی واپس آگئی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اپنے گھر پھونچ کر اہل وعیال کے ساتھ اس نے اسلام قبول کرلیا اور خود کو حضرت شیخ فریدالدین شکر گنج کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔

ستر ہزار خلفاء

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے اسی سلسلہ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے آگے فرمایا کہ اللہ پاک نے تزکیہ باطن کا بہت بڑا کام آپ سے لیا اور واقعۃً طریقت کے آپ شہباز ثابت ہوئے جیسا کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے اپنے خلیفہ ومرید حضرت قطب الدین بختیار کا کی کو مخاطب کرکے آپ کے بارے میں فرمایا کہ قطب الدین بڑے شہباز کو تم نے قید کرلیا ہے۔

حضرات مشائخ کی کتابوں میں آپ کے سلسلہ میں یہ حیران کن بات ملتی ہے کہ آپ کے ستر ہزار خلفاء تھے، جب آپ کے خلفاء کی تعداد ستر ہزار ہے تو مریدین کی تعداد کتنی رہی ہوگی۔

اس زمانہ میں اگر کسی کے سودوسو خلفاء ہوجاتے ہیں تو بعض نادان ان کا مذاق اڑانا شروع کرتے ہیں کہ فلاں بزرگ تو خلافت ہی بانٹتے رہتے ہیں، ایسے لوگوں کی زبانیں کیا ان اللہ والوں کے خلاف کھل سکیں گی جن کے خلفاء کی تعداد ستر ہزار تک ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو صحیح سمجھ عطا فرمائے جو اپنی نادانیوں کی وجہ سے طریقت اور اس کے کام کرنے والوں کو بھی اپنی زبان درازی کے لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔

آج گولر میں نمک ڈال دینا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں متوسلین و مسترشدین سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت خواجہ علاء الدین صابر کلیری جو حضرت شیخ فریدالدین شکر گنج کے اکابر خلفاء میں سے تھے اور سلسلہ چشتیہ کے کبار مشائخ میں آپ کا شمار ہوتا ہے، آپ بہت سے باطنی خصوصیات کے حامل تھے، آپ پر اکثر استغراق کا غلبہ رہا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ فریدالدین شکر گنج کے ایک خادم نے خلفاء سے ملنے کی اجازت چاہی، اجازت ملنے کے بعد سب سے پہلے وہ خواجہ علاء الدین صابر کلیری کی

خدمت میں حاضر ہوئے، آنے کے بعد حضرت خواجہ صاحب کے خادم خاص شمس الدین ترک پانی پتی نے آپ کو خادم کی آمد کی اطلاع دی، استغراق کی وجہ سے بہت مشکل سے کافی دیر کے بعد تھوڑی دیر کے لئے جب استغراق کی کیفیت ختم ہوئی تو آپ کو بتلایا گیا کہ حضرت کے پیر و مرشد کے خادم آئے ہیں اور حضرت کے سلام کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ حضرت خواجہ صاحب نے پیر و مرشد کے سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا کہ میرے شیخ کیسے ہیں؟

اس کے بعد خادم خاص کو تاکید فرمائی کہ ان کی عزت اور خدمت کرنا اور آج گولر میں نمک ڈال دینا، اس کے بعد آپ پر پھر استغراق کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اس کے بعد وہ خادم حضرت شیخ فریدالدین شکر گنج کے دوسرے خلیفہ کے پاس پہونچے جہاں ان کی بہت عزت کی گئی، عمدہ قسم کے کھانے پیش کئے گئے اور ہدیہ وتحائف سے نوازے گئے، جب ان دونوں بزرگوں کی ملاقات کے بعد خادم حضرت فریدالدین شکر گنج کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس سے اپنے دونوں خلفاء کے احوال دریافت کئے، خادم نے دوسرے خلیفہ کی بہت تعریف کی اور حضرت خواجہ علاء الدین صابر کلیری کے بارے میں عرض کیا کہ وہ تو کسی سے کچھ بولتے ہی نہیں اور نہ ہی ان کے پاس کچھ ہے، چونکہ وہاں پر گولر میں نمک ڈال کر کھانے کے لئے پیش کیا گیا تھا۔

یہ سن کر حضرت شیخ فریدالدین شکر گنج نے خادم سے پوچھا کہ میرے بارے میں کچھ بولے یا نہیں، خادم نے نفی میں جواب دیا۔ اس پر حضرت نے دوبارہ سوال کیا

کہ کچھ تو کہا ہوگا۔خادم نے عرض کیا کہ صرف یہ پوچھا تھا کہ میرے شیخ کیسے ہیں؟

یہ جواب سن کر حضرت شیخ فریدالدین شکر گنج آبدیدہ ہوکر کہنے لگے کہ آج علاء الدین صابر اس مقام پر ہے کہ وہاں کسی کی کوئی گنجائش نہیں، یہ بھی ان کی محبت کی دلیل ہے کہ انہوں نے مجھ کو یاد کیا اور میری خیریت پوچھی۔ یہ واقعہ سنانے کے بعد حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ کیفیات الگ الگ ہوتی ہیں، مقامات میں بھی فرق مراتب ہوتا ہے، ضروری نہیں کہ شیخ جس مقام پر ہے مرید بھی اسی مقام پر آکر رک جائے، چونکہ اس کا تعلق ریاضت ومجاہدہ سے ہے جو جتنا مجاہدہ کرے گا اسی اعتبار سے اس کے درجات بڑھتے چلے جائیں گے۔لیکن اگر باطنی احوال و کیفیات شیخ سے زیادہ حاصل ہوجائیں تو مرید کو چاہئے کہ اس کو شیخ ہی کا فیض تصور کرے، اپنا کمال نہ سمجھے۔

جن لوگوں نے بھی اس کو اپنا کمال سمجھا وہ عجب و کبر جیسی مہلک بیماری کے شکار ہوکر تباہ و برباد ہوگئے اور اپنی کیفیات سے محروم ہوگئے اور ان کی ترقی کی راہ مسدود ہوکر رہ گئی۔

اس لئے ہر مرید کے لئے یہ لمحہ فکریہ ہے اور اس پر دھیان دینے کی ضرورت ہے۔

سات سال کی عمر سے تہجد کی پابندی

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ ایسے بھی اللہ والے گزرے ہیں جنہوں نے سات سال کی عمر سے تہجد کی نماز شروع کر دیا تھا،

ایسے حضرات کی زندگی میں نور نہیں پیدا ہوگا تو کس کی زندگی میں نور پیدا ہوگا، ایسے حضرات کی زندگیاں آج کے نوجوان فضلاء وعلماء کے لئے درس عبرت ہیں ان کو ان حضرات سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔

یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ آج کے نوجوان فضلاء تہجد کی نماز تو دور کی بات ہے فرائض اور سنن کی بھی پابندی نہیں کرتے، ایسوں کی زندگی میں نور کہاں سے آئے گا اور ایسے لوگ عوام امت کے لئے شمع امت بننے کا کیا فریضہ انجام دیں گے اور امت کے لئے فیض رساں کیسے بن سکیں گے۔

حضرت شیخ عبدالحق رودولوی جن کا شمار اکابر اولیاء میں ہوتا ہے اور سلسلہ چشتیہ میں اونچے بزرگوں میں سے ہیں، آپ کے سلسلہ میں بزرگوں نے لکھا ہے کہ سات سال کی عمر سے تہجد شروع کر دیا تھا۔

پچاس سال تک مسجد میں جھاڑو لگانا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلہ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت شیخ عبدالحق رودولوی اتنے بڑے ولی ہونے کے باوجود اتنے سادہ مزاج تھے کہ اذان کے بعد اول وقت میں مسجد تشریف لے جاتے اور اپنے ہاتھ سے پوری مسجد میں جھاڑو دیا کرتے تھے اور یہ عمل ایک دو سال کا نہیں بلکہ پچاس سال تک مسلسل آپ یہ کام کرتے رہے۔

آج کل کے نوجوان علماء وفضلاء کے لئے اس انداز کے اعمال درس عبرت ہیں جو مدرسہ کے مسجد میں اذان دینا یا نماز پڑھانا یا مسجد کی صفوں کو درست کر دینا یا مسجد میں گرے پڑے تنکوں کو پھینک دینا یا مسجد کی صفائی ستھرائی میں ہاتھ بٹا دینا اپنے لئے ہتک عزت اور شان عالی کے خلاف سمجھتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ

ہر کہ خدمت کرد آں مخدوم شد

کہ مخدوم بننے کے لئے پہلے خادم بننا پڑتا ہے اور اگر اللہ کے گھر کی خدمت کی سعادت نصیب ہو جائے تو اس سے بڑی کیا بات ہو سکتی ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق رودولوی کا ایک واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ اسی خدمت کی مناسبت سے حضرت شیخ عبدالحق رودولوی کا ایک اور واقعہ یاد آیا کہ ایک مرتبہ حضرت نے ایک دیگ کھانے کی تیار کرا کے راستہ میں رکھوا دیا اور یہ فرمایا کہ اس راستہ سے آنے جانے والوں کے کھانے کے لئے میں نے یہ دیگ تیار کروائی ہے اور ان شاء اللہ آنے جانے والے اس سے کھانا کھاتے رہیں گے اور اس دیگ کا کھانا کم نہیں ہوگا۔ چنانچہ تین دن تک ایسا ہی ہوا کہ اس راستہ سے گزرنے والے اس دیگ سے کھانا نکال کر کھاتے رہے اور کھانے میں کوئی کمی نہیں آئی، چوتھے دن شیخ کے دل میں یہ خیال آیا کہ اس سے میری شہرت ہوگی اور شہرت کا ہونا اچھی بات نہیں ہے، اس کے بعد دیگ کو زمین

پر مار کر توڑ ڈالا اور خدمت خلق کا یہ سلسلہ موقوف ہو گیا۔

ان حضرات کے لئے حضرت شیخ عبد الحق رودولوی کا یہ جملہ کہ شہرت طریقت کی لائن سے موجب نقصان ہے درس عبرت ہے جو شہرت اور ناموری کے لئے مختلف انداز کے حربے اور پینترے استعمال کرتے ہیں، حالانکہ اپنے بزرگوں نے ان چیزوں کو طریقت اور خلوص و اخلاص کے منافی سمجھا ہے۔

بچپن ہی سے صاحب کرامت ہو جانا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مرتبہ سالکین و مسترشدین سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے بزرگوں میں بعض ایسے بھی اللہ والے گزرے ہیں جو بچپن ہی سے صاحب کرامات ہو گئے تھے۔

چنانچہ شیخ عبد القدوس گنگوہی جو ہندوستان کے اکابر اولیاء میں سے ہیں جن کا مزار گنگوہ شریف میں ہے، آپ کا شمار سلسلہ چشتیہ میں اونچے بزرگوں میں ہوتا ہے، آپ کے بارے میں بزرگوں نے لکھا ہے کہ آپ مادرزاد ولی تھے اور بچپن ہی میں صاحب کرامت ہو گئے تھے۔

شیخ عبد القدوس گنگوہی کو اٹھا کر لیجانے کے لئے جنوں کی آمد

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلہ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے

فرمایا کہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے زمانے میں محمد غوث گوالیاری نام کے ایک عالم تھے جو بڑے عامل بھی تھے، ایک مرتبہ انہوں نے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کو اپنی مجلس میں حاضر کرنے کے لئے جنوں کا قافلہ بھیجا۔ جب یہ قافلہ گنگوہ پہونچا تو حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کو ذکر وفکر میں مشغول پایا، یہ قافلہ حکم پر وہاں پہونچ تو گیا لیکن حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے پاس جانے کی ہمت نہیں ہوئی، شیخ نے خود ہی سر اٹھا کر دیکھا تو آپ نے پوچھا کون؟ اس کے جواب میں جنوں نے کہا کہ محمد غوث گوالیاری نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے، اگر اجازت ہو تو ہم آپ کو اس طرح لے چلیں کہ آپ کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہو، وہ آپ کی زیارت کا مشتاق ہے۔

یہ سن کر حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے فرمایا کہ اب میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ تم محمد غوث گوالیاری کو لے کر میرے پاس آجاؤ۔ چنانچہ جناتوں کا قافلہ محمد غوث گوالیاری کے پاس پہونچا اور ان کو اٹھا کر لے چلنے لگا تب محمد غوث نے جناتوں سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ تم میرے مطیع تھے اب تم دوسرے کے مطیع بن گئے؟ جناتوں نے جواب دیا کہ ہم سب کے مقابلے میں تو تمہارے مطیع ہیں مگر شیخ کے مقابلہ میں تمہاری اطاعت نہیں اور محمد غوث گوالیاری کو لے کر یہ جنات شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی خدمت میں پہونچ گئے۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے جب ان کو اپنی مجلس میں حاضر پایا تو آپ نے محمد غوث کو بہت ڈانٹا اور فرمایا کہ تمہیں شرم نہیں آئی کہ تم نے مجھ کو بلانے کے لئے جناتوں کو میرے پاس بھیج دیا۔

آخر کار محمد غوث گوالیاری بہت نادم ہوئے اور شیخ عبد القدوس گنگوہی کے ہاتھ پر اپنی غلطی کی ندامت کے بعد بیعت ہوئے اور بعد میں صاحب نسبت ہوئے گوالیار میں ان کا مزار ہے۔

یہ سچ ہے کہ عامل ہونا اصل نہیں بلکہ کامل ہونا اصل ہے، اس انداز کے بہت سارے واقعات کاملین کے ملتے ہیں جن کے سامنے عاملین ہیچ در ہیچ نظر آتے ہیں۔

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا: اس لئے محنت ومجاہدہ کے ذریعہ کامل بننے کی فکر کرنی چاہئے، اور یہ دولت ہر ایک کو حاصل نہیں ہو پاتی۔ رہ گیا عامل بننا اور جناتوں کو مسخر کر کے اپنے تابع کرنا اور ان کو اپنے دنیاوی اغراض کے لئے استعمال کرنا یہ تو ہر کس وناکس کر لیتا ہے، اس کے لئے تو ایمان کی بھی شرط نہیں۔ بہت سے کفار ومشرکین بھی جناتوں کو مسخر کر کے اپنے تابع کر لیتے ہیں اور خبیث وغلیظ حرکتیں انجام دیتے ہیں، اس لئے بہت گہرائی کے ساتھ اس چیز کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس خادم نے حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی اور حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندوی کو مختلف انوع کی تعویذ دیتے ہوئے دیکھا اور بہتوں کی زبانی یہ بھی سنا کہ دونوں حضرات عامل بھی تھے، لیکن اس خادم نے ان دونوں حضرات میں سے ہر ایک سے جب خود سوال کیا کہ حضرت آپ عامل بھی ہیں تو انہوں نے اس سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں عامل نہیں ہوں۔

اسی طرح اور دوسرے بھی بزرگوں کے بارے میں عامل ہونے کی بات

مشہور ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ عامل نہیں بلکہ کامل تھے اور کمال کا جتنا اثر دوسری مخلوقات پر بھی ہوتا ہے وہ اثر مسخرین کا نہیں ہوتا، بلکہ ان عاملین و مسخرین کا انجام بالخصوص اخیر میں جتنا برا ہوتا ہے اس کو بھی اس خادم نے دیکھا ہے۔ اس لئے اس زمانہ کے نوجوان فضلاء وعلماء کو خصوصیت کے ساتھ اس پر دھیان دینے کی ضرورت ہے کہ اللہ کا تعلق اس کی رضاء اس کی محبت اور معرفت کے حصول کی فکر کرنی چاہئے اور اس میں کمال پیدا کرنا چاہئے اور تسخیری اعمال سے اپنے کو دور رکھنا چاہئے اس لئے کہ یہ اپنے بزرگوں کا طریقہ نہیں رہا ہے۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا ایک اور واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلۂ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک مرتبہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی دہلی تشریف لائے ہوئے تھے، دہلی میں آپ کا کئی روز کا قیام تھا اسی قیام کے دوران شیخ عبدالوہاب بخاری جو بڑے عالم اور صاحب حال بزرگوں میں سے تھے اور شیخ جلال الدین بخاری کی اولاد میں سے تھے انہوں نے اپنی لکھی ہوئی ایک تفسیر کی کتاب حضرت کے پاس بھیجا، حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی نے جب اسکو کھولا تو حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت کی طہارت سے متعلق جو آیت ہے اس پر نظر پڑی، اس مقام پر شیخ عبدالوہاب بخاری نے لکھا تھا کہ نبی کی تمام اولادیں خاتمہ سے بے خوف ہیں اور ان کا خاتمہ یقیناً بالخیر

اور اچھا ہوتا ہے۔

حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی نے اس کے حاشیے پر لکھ دیا کہ یہ مضمون مسلک اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے، اور کتاب کو واپس کر دیا اس کے بعد اس مسئلہ میں دہلی کے علماء کے درمیان کافی دنوں تک چرچا رہا، بالآخر جو کچھ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی نے لکھا تھا سارے علماء نے اسی کا اعتراف کیا۔

ایک رات میں ستر بار تازہ وضوء کرنا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی جن پر اخیر عمر میں اکثر استغراق کا غلبہ رہتا تھا اور مرض الوفات میں تو کامل محویت پیدا ہوگئی تھی اس کے باوجود ایک رات ایسی بھی گزری کہ ستر مرتبہ آپ نے تازہ وضوء کر کے تحیۃ الوضوء کی نماز ادا کی، اخیر میں وضوء کے لئے اشارہ کیا اور دو رکعت نماز کی نیت باندھی رکوع وسجدہ اشارہ سے کیا اور نماز ہی کی حالت میں اس دار فانی کو الوداع کہہ گئے۔

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ جن صفات پر بچپن گزرتا ہے انہی صفات پر جوانی آتی ہے اور جن صفات پر جوانی آتی ہے انہیں صفات پر بڑھاپا آتا ہے اور جن صفات پر بڑھاپا آتا ہے انہیں صفات پر خاتمہ ہوتا ہے اور جن صفات پر خاتمہ ہوتا ہے انہیں صفات پر بندہ قبر سے اٹھایا جاتا ہے۔

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے آگے فرمایا کہ جن بزرگوں کی زندگی میں نماز کا اہتمام رہا ہے ان کا خاتمہ بھی نماز کی حالت میں ہوا ہے جیسا کہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا خاتمہ نماز کی حالت میں ہوا، اس لئے نماز کے اہتمام کی ہر سالک کو فکر کرنی چاہئے تاکہ نماز کی حالت میں اللہ کے حضور پیشی ہو سکے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تخت پر بیٹھ کر کوئی چیز کھانا ثابت نہیں

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سالکین سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ شیخ جلال الدین تھانیسری جو شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے اکابر خلفاء میں سے تھے اتباع سنت کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ آپ بیمار ہوئے تو آپ کو دوا پیش کی گئی۔ اس وقت آپ صاحب فراش تھے، آپ کے لیے بیٹھنا مشکل تھا، لیکن جیسے تیسے بمشکل تمام آپ بیٹھے اس کے بعد خدام سے فرمایا کہ مجھے تخت سے اتار کر زمین پر بیٹھا دو، خدام نے حکم کی تعمیل میں زمین پہ بٹھا دیا اس کے بعد آپ نے دوا لے کر نوش فرمایا اور خدام کو مخاطب کر کے یہ فرمایا:

کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں کہ آپ نے تخت یا چارپائی پر کوئی چیز نوش فرمائی ہو، حضرات مشائخ چشت کے یہاں سنت کا اہتمام ہمیشہ رہا ہے، ہر عمل اور ہر کام میں ہمارے بزرگوں نے ہمیشہ سنت کو ملحوظ رکھا، بلکہ عوام وخواص میں سنت کے اہتمام واحترام کی تلقین خصوصیت کے ساتھ ثابت ہے۔

ہمارے اکابرین نے خود بھی ہمیشہ سنتوں کا اہتمام فرمایا اور اس کی تبلیغ و

اشاعت بھی کی، اس لئے ہر سالک کو چاہئے کہ ہر عمل میں سنت پر عمل رکھے اور سنت کے مطابق زندگی گزارنے کی پوری کوشش کرے۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز نہ خواہد بمنزل رسید

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے لئے اسوہ نمونہ اور بہترین آئیڈیل بنایا ہے، اس سے اچھا آئیڈیل دنیا میں کوئی نہیں۔ اس لئے ہر ایک کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرنی چاہئے اور اسی میں دنیا و آخرت کی فلاح کامیابی اور کامرانی ہے، باقی سب طریقے زیغ وضلال سے بھرے ہوئے ہیں۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے اسی کے ضمن میں فرمایا کہ اسی سنت کے اہتمام کا نتیجہ تھا کہ آپ کے پاس جو لوگ آتے ان میں جو داڑھی کٹائے ہوئے ہوتے تھے ان پر آپ شدید نکیر فرماتے اور پوری قوت سے اس کو تنبیہ فرماتے اور داڑھی رکھنے کی تلقین فرماتے اور یہ سب کچھ اتباع سنت کے اہتمام کا نتیجہ تھا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کا واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ اس خادم نے بارہا

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ مصافحہ کی لائن میں جو حضرات مقطوع اللحیہ ہوا کرتے تھے وہ چہرہ چھپا کر کپڑا باندھ کر چھپ چھپا کر مصافحہ کر کے تیزی سے نکل بھاگنے کی کوشش کرتے تھے، اگر حضرت شیخ کی نظر پڑ جاتی تو بھرے مجمع میں ایسے شخص کو بلند آواز سے ڈانٹتے اور فرماتے کہ اس حال میں جب قبر میں پہونچو گے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوگی تو کیا منھ دکھاؤ گے۔ اپنے ہاتھ سے سنت مستمرہ کو ذبح کرتے ہو اور مجھ سے مصافحہ کرنے آئے ہو۔ اس طرح ڈانٹ پھٹکار کر اس کو بھگا دیتے اور اس سے مصافحہ کرنے سے گریز فرماتے، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ داڑھی کا وجوب جو حضرت شیخ کی لکھی ہوئی ایک کتاب ہے داڑھی کے سلسلہ میں وہ کتب خانہ سے اس کو منگوا کر دیتے اور اس کے مطالعہ کا حکم فرماتے۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کا واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ بھائی جمیل الدین صاحب جو کلکتہ کے ایک بڑے تاجر ہیں اور حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کے مرید و خلفاء میں سے ہیں جن کے یہاں کثرت سے اس خادم کا آنا جانا ہوا، ان کے ایک مینیجر کمال الدین صاحب جو بہار کے رہنے والے تھے اور انگریزی کے ساتھ سرکاری قوانین پر بڑی اچھی نظر تھی، وہ بھائی جمیل الدین صاحب کے معتمد خاص تھے اور بہار کے سرکاری کام و کاج کے وہ نگراں تھے، اکثر ان کا قیام پٹنہ میں رہا کرتا تھا

جہاں بھائی جمیل الدین صاحب کا ایک ذاتی مکان تھا جس میں آفس بھی تھی اور گاہ بگاہ جب ان کا جانا ہوتا تو اسی مکان میں وہ خود بھی قیام کیا کرتے تھے۔

1988ء میں پاسپورٹ کے کام سے جب اس خادم کا پٹنہ جانا ہوا تو کئی مرتبہ بھائی جمیل صاحب کے مکان میں قیام کا موقع ملا اور جب تک رہا ضیافت کے پورے فرائض بھائی جمیل صاحب کے حکم کے مطابق بہت خوش اسلوبی کے ساتھ ان کے ملازمین انجام دیتے رہے۔ اسی قیام کے دوران ایک مرتبہ کمال صاحب سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے یہ واقعہ سنایا کہ جب میری ملاقات حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی سے ہوئی تو حضرت نے خیر خیریت معلوم کرنے کے بعد میرے علاقے کی خیریت دریافت کی اور وہاں بارش اور سبزو شادابی کا حال دریافت فرمایا، میرا جواب سننے کے بعد حضرت مفتی صاحب نے اپنے دونوں ہاتھوں کو داڑھی پر پھیرا اور پھیرتے ہوئے فرمایا کہ ماشاءاللہ ہمارے یہاں تو شادابی بہت اچھی ہے، ہر طرف سبزہ ہی سبزہ ہے، سبزہ میں کوئی کمی نہیں۔

یہ واقعہ سنانے کے بعد کمال صاحب نے کہا اس وقت تک میرے چہرے پر داڑھی نہیں تھی، میں داڑھی منڈایا کرتا تھا لیکن حضرت مفتی صاحب کی اس تلمیح اور اشارہ کو سمجھ گیا اور اس کے بعد سے آج تک اپنی داڑھی پر کبھی استرہ نہیں چلوایا، جس وقت اس خادم سے ان کی ملاقات ہوئی اس وقت ان کے چہرے پر پوری مسنون شرعی داڑھی موجود تھی، خادم کو یہ شبہ بھی نہیں ہوا کہ یہ کسی زمانہ میں مقطوع اللحیۃ تھے، لیکن انھوں نے

اپنی زبان سے ازخود یہ واقعہ سنا کر ماضی وحال سے اس خادم کو باخبر کیا۔

نچنیا پیر سے میرا بھی سلام کہہ دینا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سالکین ومسترشدین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنے اکابر اور اولیاء اور بزرگوں کے سلسلہ میں بہت محتاط زبان اختیار کرنا چاہئے۔ عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ جس اللہ والے سے جس کو مناسبت نہیں ہوتی اس کے سلسلہ میں آدمی اپنی زبان پر گرفت نہیں رکھتا اور بے ساختہ جو زبان پر آتا ہے وہ بکنا شروع کردیتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دائمی حرمان اسکا مقدر بن جاتا ہے، لیکن اس محرومی کا احساس بھی اس کو نہیں ہوتا۔

شیخ جلال الدین تھانیسری جنہوں نے سات سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کرلیا تھا اور سترہ سال کی عمر میں علوم ظاہرہ کی تکمیل کرلی تھی اس کے بعد درس و تدریس وافتاء میں مشغول ہوگئے تھے، تصنیف وتالیف کا بھی اچھا ذوق رکھتے تھے اپنے دور میں علوم ظاہرہ کا آپ کو امام سمجھا جاتا تھا، ایک بڑے مدرسہ میں آپ اونچے مدرس تھے، آپ کی علمی شہرت کی وجہ سے تشنگان علوم کی ایک بھیڑ رہا کرتی تھی، جس جگہ پر آپ درس وتدریس کا عمل انجام دے رہے تھے اس مقام پر ایک مرتبہ حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی تشریف لے گئے، آپ کی آمد کی اطلاع شیخ جلال الدین تھانیسری کو بھی ہوئی، اس مدرسہ کے کچھ طلباء بھی حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی سے

بیعت تھے، شیخ جلال الدین تھانیسری نے ان کو مخاطب کر کے کہا سنا ہے تمہارے پیر آئے ہیں اور وہ ناچتے بھی ہیں، ان سے ہمارا سلام کہہ دینا، کبھی موقع ملا تو میں بھی ملاقات کے لئے آؤں گا۔ حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہی چونکہ سماع کا بھی ذوق رکھتے تھے اور اس کے قائل بھی تھے، آپ کے یہاں سماع کی مجلس بھی منعقد ہوتی تھی، اس میں بہت شوق واہتمام سے شرکت فرمایا کرتے تھے، سماع کے درمیان غلبہ حال کی وجہ سے وجد وتواجد کی کیفیت بھی طاری ہوتی تھی، اسی کیفیت خاصہ کی تعبیر شیخ جلال الدین تھانیسری نے ناچنے سے کی۔

بہر حال جب وہ طلباء حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ملاقات کے بعد استاذ محترم کا کہا ہوا جملہ اور سلام و پیام پہونچایا۔ حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہی نے پوری بات سن لی اور فرمایا کہ ان سے یہ کہہ دینا کہ وہ ایسے پیر ہیں جو خود بھی ناچتے ہیں اور دوسروں کو بھی نچاتے ہیں۔

یہ عجیب اتفاق ہوا کہ ایک روز حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہی کو غیب سے آواز آئی کہ شیخ جلال الدین تھانیسری کو میں نے تمہیں بخش دیا ان کو اپنے حلقے میں لے آؤ۔ یہ آواز سننے کے بعد حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہی اس مدرسہ میں تشریف لے گئے جہاں شیخ جلال الدین تھانیسری پڑھایا کرتے تھے۔

حضرت شاہ صاحب جب وہاں پہونچے تو شیخ جلال الدین درس دے رہے تھے اور طلباء کی ایک بھیڑ وہاں جمع تھی۔ حضرت شاہ صاحب پہونچکر ایک گوشہ میں بیٹھ

گئے جب شیخ جلال الدین درس سے فارغ ہوئے تو حضرت شاہ صاحب کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ آپ کون صاحب ہیں؟ حضرت نے جواب میں فرمایا کہ میں وہی نچنیا پیر ہوں۔ یہ جواب دینے کے بعد حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی نے شیخ جلال الدین تھانیسری پر ایک گہری توجہ ڈالی جس کے نتیجہ میں شیخ جلال الدین کے سارے علوم ظاہرہ سلب ہوگئے، جس کا احساس خود شیخ کو ہوا، اس کے بعد شیخ جلال الدین نے بہت لجاجت کے ساتھ حضرت شاہ صاحب سے معافی مانگی اور اپنی غلطی پر ندامت کا اظہار کیا، اس کے بعد حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی نے اپنی توجہات کے ذریعہ علم باطنی کی چاشنی ان میں پیدا کی اور اشغال کے ساتھ خلوت ومجاہدہ کا حکم دیا، کچھ عرصہ کے بعد بے خودی کا ان پر عالم طاری ہونے لگا اور استغراق کا غلبہ ہونے لگا۔

بالآخر آپ حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی کی اجازت وخلافت ہی سے سرفراز نہیں ہوئے بلکہ آپ کے اکابر خلفاء میں آپ کا شمار ہونے لگا۔

یہ یادرہے کہ یہ وہی شیخ جلال الدین تھانیسری ہیں جو اپنے علم ظاہر کے زعم میں علم باطن رکھنے والے امام وقت کو نچنیا پیر کہہ رہے تھے، لیکن بالآخر ان کو بھی ان کے قدموں میں جاکر جھکنا پڑا اور قدم بوسی کرنی پڑی۔

اس لئے اگر کسی سالک کے پاس علم ظاہر کی گٹھری ہو تو اس پر غرور نہیں کرنا چاہئے اور علم باطن رکھنے والے کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے بلکہ ان کی عزت واحترام کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے۔

شیخ جلال الدین تھانیسری کا ایک واقعہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ شیخ جلال الدین تھانیسری جن کا تذکرہ اس سے پہلے آچکا ہے جو حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہی کے اکابر خلفاء میں سے تھے۔ ان کے یہاں تھانیسر میں ایک میلہ لگتا تھا جس میں لاکھوں ہندو جمع ہوتے تھے، شیخ جلال الدین تھانیسری نے ایک مرتبہ خدام سے فرمایا کہ کیا بات ہے؟ یہاں اتنے ہندو کیوں جمع ہوتے ہیں، خدام نے جواب دیا کہ یہاں ہندوؤں کا مذہبی میلہ لگتا ہے جس میں ایک جوگی آتا ہے جو بہت مرتاض ہے، جس کا کمال یہ ہے کہ پانی کے بجائے زمین میں وہ غوطہ لگاتا ہے، ایک جگہ پر غوطہ لگا کر دوسری جگہ نکلتا ہے، یہ سن کر شیخ جلال الدین تھانیسری نے فرمایا کہ بھائی! یہ تماشہ ہم بھی دیکھیں گے، مجھے بھی وہاں لے کر چلو۔ چنانچہ لوگوں نے حضرت کو لے جا کر اس جگہ کھڑا کر دیا جہاں وہ غوطہ لگاتا تھا۔ غوطہ لگاتے ہی زمین پھٹی اور وہ غائب ہو گیا، شیخ جلال الدین تھانیسری نے فوراً اپنا قدم مبارک اس جگہ پر رکھ دیا جہاں سے وہ زمین کے اندر گیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ جوگی اندر ہی رہ کر مر گیا، باہر نہیں نکل پایا۔ شیخ جلال الدین تھانیسری اپنی کرامت دیکھا کر واپس آ گئے۔

جس زمانہ میں ہندوؤں میں ریاضت ومجاہدہ کا بہت رواج تھا اور عام طور پر پنڈت و جوگی مرتاض بن کر اس انداز کے تصرفات اور کرشمے دیکھایا کرتے تھے، ان

کی کاٹ کے لئے اللہ نے مسلمانوں میں بہت سے ایسے صلحاء اتقیاء اولیاء پیدا فرمائے اور ان کو کرامات سے سرفراز فرمایا، جس کے نتیجے میں ہندوؤں کے کرشمے مغلوب ہوئے اور مسلمانوں کی کرامت غالب ہوئی، جس کا اثر یہ ہوا کہ بکثرت غیر مسلم مختلف علاقوں میں مختلف اوقات میں مختلف زمانوں میں مشرف باسلام ہوئے اور اسلام کی حقانیت کو قبول کرنے پر وہ مجبور ہوئے۔ جس کو آج کے غیر تعلیم یافتہ اور سماج دشمن عناصر دوسرا رنگ دے کر پیش کرتے ہیں اور اس کو اسلام دشمنی سے تعبیر کرتے ہیں اور مغلیہ دور کی زور زبردستی اس کو قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اسلام کے پھیلنے کی حقیقت یہ ہے جس کا تذکرہ ابھی آیا۔

وصول الی اللہ کے لئے اصول کی پابندی ضروری ہے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سالکین سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ شیخ جلال الدین تھانیسری جن کا تذکرہ ابھی آیا یہ اونچے مصنفین میں سے بھی تھے، تصنیف وتالیف کا بھی اچھا ذوق رکھتے تھے، تصوف کی لائن میں بھی ارشاد الطالبین کے نام سے آپ کی ایک تصنیف ہے جس میں آپ نے لکھا ہے کہ جاہل صوفیاء اصل راستہ سے بھٹک کر عوام کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں۔ چونکہ یہ جاہل صوفیاء وصول الی اللہ سے محروم ہوتے ہیں اور وصول سے محرومی کی بڑی وجہ ان کا اصول طریقت کو چھوڑ بیٹھنا ہے اور اصول طریقت میں سب سے بڑی اصل شریعت اور سنت کی پابندی ہے اس کے

بغیر وصول ممکن ہی نہیں، اگر کوئی وصول کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ سراسر ضلالت و گمراہی ہے۔

جس پر آپ کی نظر پڑتی وہ صاحب شہود ہو جاتا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو ایسا ملکہ خاصہ عطا فرماتے ہیں کہ وہ ایک ہی نظر میں کچھ کا کچھ بنا دیتے ہیں اور یہ اللہ پاک کا خصوصی عطیہ ہوتا ہے جو ہر ایک کو نہیں ملتا بلکہ اللہ جس کو چاہتے ہیں اسی کو دیتے ہیں۔

چنانچہ شیخ نظام الدین تھانیسری جو شیخ جلال الدین تھانیسری کے بھتیجے داماد اور خلیفہ بھی تھے آپ نے اگرچہ علوم ظاہرہ باضابطہ حاصل نہیں کیا تھا لیکن علم وہبی کے مالک تھے، آپ کو یہ خاص کمال حاصل تھا کہ نماز کے وقت فرشتے انسان کی شکل میں حاضر ہوتے تھے، ان کے ساتھ آپ باجماعت نماز ادا فرماتے تھے۔

آپ کو ایک خصوصی کرامت یہ بھی حاصل تھی کہ آپ جس شخص پر نظر ڈال دیتے تھے ایک ہی نظر میں وہ صاحب شہود ہو جاتا تھا جس کی وجہ سے بعض لوگ آپ کو ولی تراش بھی کہا کرتے تھے۔

تیس سال تک تکبیر اولیٰ کا فوت نہ ہونا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ ہمارے

بعض اکابرین ایسے بھی گزرے ہیں جن کی تیس سال تک تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی، ان کی یہ باتیں کتابوں میں دیکھ کر آج کل کے نوجوان فضلاء وعلماء پر حیرت ہوتی ہے کہ جنہوں نے غیر ضروری کاموں میں اپنے کو ایسا اور اتنا خواہ مخواہ الجھا رکھا ہے کہ ان کو فرائض کی ادائیگی کی بھی توفیق نہیں ہوتی اور ان کا خواب وخیال اتنا اونچا ہوتا ہے کہ ہمارے بزرگوں کو جس طرح کی فتوحات حاصل ہوتیں ہیں ہمیں بھی حاصل ہونی چاہئیں اور وہ یہ نہیں دیکھتے کہ وہ کس مقام پر تھے اور ہمارا کیا حال ہے۔

حضرت میاں جی نور محمد جو اونچے بزرگوں میں سے ہیں اور حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب کے اجازت یافتہ ہیں اور سید الطائفہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے پیرومرشد ہیں ان کے بارے میں کتابوں میں موجود ہے کہ تیس سال تک حضرت میاں جی نور محمد صاحب کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔

اسی طرح حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ ایک مرتبہ دیوبند کے جلسہ دستار بندی میں تشریف لے گئے لوگوں کی بھیڑ بھاڑ اور سلام ومصافحہ کی کثرت کی وجہ سے عصر کی نماز میں آپ اس وقت پہونچے جب امام قرأت شروع کر چکا تھا، نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ کے چہرے پر کافی اداسی تھی اور انتہائی رنج وغم کے ساتھ آپ نے یہ فرمایا کہ بہت افسوس کی بات ہے کہ بائیس سال کے بعد آج تکبیر اولیٰ فوت ہوگئی ۔

أولئک آبائي فجئني بمثلهم

إذا جمعتنا یا جریر المجامع

مضت الدھور و ما اتین بمثلہ

ولقد اتی فعجزن عن نظرائہ

ٹوپی آگ میں ڈالنے سے آگ کا بجھ جانا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلۂ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت میاں جی نور محمد صاحب صاحب کشف و کرامت بزرگوں میں سے تھے ایک مرتبہ ایک صاحب کے کھیت میں آگ لگ گئی، کھیت کا مالک دوڑا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو واقعہ سے باخبر کیا، آپ نے پورا واقعہ سننے کے بعد اپنے سر سے ٹوپی اتاری اور کھیت کے مالک کو یہ کہتے ہوئے مرحمت فرمایا اسے لے جا کر جلدی آگ میں ڈال دو حکم کی تعمیل میں وہ دوڑتا ہوا گیا اور حسب حکم اس نے ٹوپی آگ میں ڈال دی، اس کے بعد فوراً آگ بجھ گئی، یہ ماجرا دیکھ کر وہ شخص بہت حیران و پریشان ہوا اور حضرت کا بہت زیادہ عقیدت مند ہو گیا۔

نعت سننے سے پرہیز کرنا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ ایک صاحب بہت اچھی نعت پڑھتے تھے، گلہ بہت اچھا تھا، ایک مرتبہ بعض حضرات نے حضرت میاں جی نور محمد صاحب سے یہ درخواست کی کہ حضرت فلاں شخص خوشگلو ہے، بہت اچھی نعت

پڑھتا ہے، آپ بھی سن لیں۔اس کے جواب میں حضرت میاں جی نور محمد صاحب نے فرمایا کہ لوگ مجھے کبھی کبھی امام بھی بنا دیتے ہیں اور غنا بلا مزامیر میں بھی علماء کا اختلاف ہے، اس لئے اس کا سننا خلاف احتیاط ہے، لہٰذا میں سننے سے معذور ہوں۔

یہ تھے ہمارے اکابر اور اولیاء جن کا احتیاط اس درجہ تھا کہ مختلف فیہ مسائل میں بھی اپنے کو محتاط رکھتے تھے، آج تو لوگ بلا تأمل محرمات اور کبائر کا ارتکاب کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ فسق میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور جس کے بارے میں فقہاء نے لکھا ہے کہ کراہۃ تقدیمہ کراہۃ تحریم (شامی)۔یعنی ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔امام بنانے والے گناہ گار ہوں گے، اس کے باوجود امامت کے منصب کے شوقین ہوتے ہیں اور دوسروں سے سفارش کرتے اور کراتے ہیں کہ کبھی کبھار مجھ کو بھی امامت کے لئے آگے بڑھا دیا کریں، ایسی سوچ اور ذہنیت سے اللہ اپنے حفظ وامان میں رکھے۔

نمازیوں کے جانے کے بعد دروازہ بند کر کے پوری رات عبادت میں مصروف رہنا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سالکین سے گفتگو کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی جو حضرت جی نور محمد صاحب کے خلفاء میں سے ہیں اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا قاسم نانوتوی، حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

کے پیرومرشد ہیں، اس کا معمول یہ تھا کہ عشاء کی نماز کے بعد فوراً چارپائی پر آکر لیٹ جاتے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ آپ آرام فرمارہے ہیں اور جب سارے نمازی نماز سے فارغ ہوکر مسجد سے چلے جاتے تو مؤذن سے کہہ کر مسجد کا دروازہ بند کروادیتے اور اس کے بعد ذکر وعبادت میں مصروف ہوجاتے اور صبح تک آپ کا یہی معمول رہتا اور بڑے درد سے بار بار یہ شعر پڑھا کرتے تھے ۔

اے خدا این بندہ را رسوا مکن

گر بدم ہم سرمن پیدا مکن

یہ تھے ہمارے اکابر اور یہ تھا ان کا تستر آج تو حال یہ ہے کہ اگر دو رکعت کی کسی کو توفیق مل گئی تو چاہتا ہے کہ پورا محلّہ اس سے واقف ہو اور اس کو اللہ کا ولی سمجھے اور کہے۔

رات میں کبھی پاؤں پھیلا کر نہیں سوئے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے مزید گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ حاجی عبدالرحیم صاحب جو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خادم خاص تھے وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں ایک لمبے عرصے تک حضرت کی خدمت میں رہا لیکن حضرت حاجی صاحب کو کبھی رات میں بھی پاؤں پھیلا کر سوتے نہیں دیکھا بلکہ ہمیشہ پاؤں سمیٹ کر آرام کرتے تھے، ایک دن میں نے عرض کیا کہ حضرت اس طرح پاؤں سکیڑ کر سونے میں کیا نیند آتی ہوگی اور کیا آرام ملتا ہوگا، اس پر آپ نے مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

باؤلے تو آرام کو لئے پھرتا ہے، تجھے معلوم نہیں کہ اپنے محبوب کے سامنے پاؤں پھیلانا بےادبی اور گستاخی ہے۔

غالبًا اینما تولوا فثم وجه الله کی وجہ سے آپ کا یہ معمول تھا۔

ہمارے بڑوں کا یہ وہ ادب وتأدب تھا جس کا اس زمانہ میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اور انہیں آداب کا لحاظ کرنے کی وجہ سے ہمارے بڑے اس مقام رفیع تک پہونچے جس مقام تک پہونچنے سے آج کے خورد قاصر ہیں۔

اس وقت عقل حیران رہ جاتی ہے جب آنکھیں دیکھتی ہیں کہ مرید پیر کے خلاف بول رہا ہے تو شاگرد استاذ کے خلاف محاذ آرائی میں مصروف ہے۔ بیٹا باپ کے خلاف سازشیں کر رہا ہے، تہمتیں لگا رہا ہے، بہتان باندھ رہا ہے، الزام تراشی کر رہا ہے، یہ سب دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور عقل وخرد حیران رہ جاتے ہیں کہ دنیا کہاں سے کہاں جارہی ہے اور اپنے بزرگوں اور اسلاف کے نقش قدم کو چھوڑ کر لوگ کس کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ اس کے باوجود کچھ خلف ایسے ہیں جو مکمل ناخلف ہونے کے باوجود خیر سلف ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور کچھ نہ ہونے کے باوجود ہمہ دانی کے مدعی ہیں۔

آں کس کہ نداند و بداند کہ می داند
در جہل مرکب ابد الدہری ماند

کبھی سیاہ جوتا نہ پہننا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلۂ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب کے خادم خاص حاجی عبدالرحیم صاحب کہا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب کو کسی صاحب نے کالے رنگ کا جوتا ہدیہ میں پیش کیا، آپ نے خود نہ پہن کر کسی دوسرے کو ہدیہ کر دیا۔

خادم نے عرض کیا کہ حضرت بہت شوق سے اس نے آپ کی خدمت میں جوتا پیش کیا تھا اگر کچھ دن آپ پہن کر کسی کو ہدیہ کرتے تو دینے والے کو خوشی ہوتی۔ اس کے جواب میں حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ جا باؤلے تجھے کیا معلوم کہ جب سے میں نے خانہ کعبہ کا غلاف سیاہ دیکھا ہے اس کلر کا جوتا پہننے کی ہمت نہیں ہوتی کہ یہ رنگ اور میرا پاؤں یعنی یہ ادب کے خلاف ہے کہ اس کلر کو پاؤں میں ڈالا جائے، یہ بھی حضرت حاجی صاحب کے کمال ادب کی بات تھی کہ کالا رنگ آپ پاؤں میں اس لئے استعمال نہیں کرتے تھے کہ یہ رنگ غلاف کعبہ کا ہے۔

یہ ہمارے بڑوں کا ادب و تادب تھا کاش آج کے خوردوں کو بھی اس کا کچھ حصہ نصیب ہو جائے۔

میری اولاد وہی ہے جو اللہ کی طالب ہے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ آپ نے اپنے

کسی مریدن کوکوئی کپڑا تبرکاً مرحمت فرمایا۔حاضرین میں سے ایک عورت نے دیکھ کر عرض کیا کہ حضرت فلاں عورت کو بھی آپ تبرک بھیجوادیں تو بہتر ہے، چونکہ وہ آپ کے خاندان کی ہے،آخر وہ بھی تو آپ کی اولاد میں ہے۔آپ نے انتہائی ترش روئی کے ساتھ جواب میں فرمایا کیا اولاد اولاد لئے پھرتی ہو، میری کوئی اولاد نہیں، میری اولاد تو صرف وہی ہے جواللہ کی طالب ہو، یہ جواب سن کر وہ عورت خاموش ہوگئی اور حضرت حاجی صاحب نے جو بات کہی وہ بات واقعی ہے جس کو اہل فہم ہی سمجھ سکتے ہیں اوراس کی تائیداس سے بھی ہوتی ہے کہ آل نبی کی تفصیل میں جہاں بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد اہل بیت اور آپ کی عترت اور خاندان ہے وہیں بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ آل کے زمرہ میں ہر وہ مومن داخل ہے جو تقی ونقی ہواوراس کی تائید حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پاک سے ہوتی ہے کہ آپ نے فرمایا ”کل مؤمن تقی نقی فهو آلی“ لہٰذا حضرت حاجی صاحب کا یہ فرمان ایک گہری حقیقت اور سچائی پرمبنی ہے جسے ہر شخص کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔خاص طور پر آج کل کے وہ نوجوان جو یہ سمجھتے ہیں کہ میری کمائی کے حقدار صرف میری بیوی اور بال بچے ہیں،ان کے لئے حضرت حاجی صاحب کا یہ جملہ لمحۂ فکریہ ہے۔

تم تو یہی سمجھنا کہ شیخ ہی سے ملا ہے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک صاحب

نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے عرض کیا کہ حضرت جو کچھ باطنی نفع ہوا ہے وہ تو سب آپ ہی کی برکت سے ہوا ہے، اس پر حضرت نے جواب دیا کہ جو کچھ آدمی کو ملتا ہے وہ اسی کی محنت ہوتی ہے، جیسے کوئی شخص سینی میں بھر کر مختلف انواع کے کھانے اپنے سر پر رکھ کر تمہارے پاس لائے اس کے لانے کے بعد تم اسی سینی میں سے جو اپنے سر پر لاد کر کے لایا ہے ایک پلیٹ اس کو دے دو تو اس کو تو وہی ملا جو اس کے پاس تھا جس کو محنت کر کے اپنے سر پر رکھ کر تمہارے پاس لایا، لیکن وہ جس طرح ممنون تمہارا ہوگا اسی طرح ہر طالب جب اس کو باطنی نفع ہوتا ہے تو اگرچہ یہ اسی کی کمائی ہوتی ہے اور اسی کی محنت کا ثمرہ ہوتا ہے لیکن اس کو یہی سمجھنا چاہئے کہ مجھ کو جو کچھ ملا ہے شیخ ہی سے ملا ہے۔ اگر وہ یہ سمجھے گا کہ یہ تو میری اپنی محنت کا ثمرہ ہے تو یہ اس کے لئے مضر ہوگا اور اس کی ترقی کی راہ مسدود ہو جائے گی۔

اس لئے ہر طالب کو اپنی محنت جاری رکھنی چاہئے اور جو کچھ باطنی کیفیات حاصل ہوں اس کو بطفیل شیخ تصور کرنا چاہئے۔

ذکر میں لگے رہنا بھی ایک بڑا نفع ہے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک صاحب نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے شکایت کی کہ حضرت ذکر تو کرتا ہوں لیکن کوئی نفع نہیں ہوتا۔ اس طرح کی شکایات عام طور پر ذاکرین کو ہوتی ہے، چونکہ

ذاکرین یہ نہیں سمجھتے کہ یہ مذکور تک پہونچنے کا ایک ذریعہ ہے جس کو ہمیں ہر حال میں جاری رکھنا ہے اور کرتے رہنا ہے خواہ اس سے کیفیات حاصل ہوں یا نہ ہوں، لیکن عموماً ذاکرین کچھ دنوں کے بعد یہ سوچنے لگتے ہیں کہ میں اتنے دنوں سے ذکر کرتا ہوں میں ابھی تک صاحب کشف وکرامت کیوں نہیں بنا۔

اس لئے حضرت حاجی صاحب نے اس کے جواب میں یہ فرمایا کہ یہ کم نفع ہے کہ تم ذکر میں لگے ہوئے ہو اور ذکر کی توفیق تم کو دے دی گئی۔ اللہ کا نام لینے کی توفیق مل جائے یہ بھی بڑی بات ہے۔ اگر وصال اور وصول نہیں ہوسکا اور مذکور نہیں مل سکا تو کیا یہ کم ہے کہ اس کے طلب گاروں کی فہرست میں نام آجائے گا، اس لئے ذاکرین کو ان امور کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیئے بلکہ مذکور کے دھیان کے ساتھ ذکر جاری رکھنا چاہیئے۔

کون کہتا ہے کہ اللہ کے نام میں مٹھاس نہیں ہے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی فرمایا کرتے تھے کہ کون کہتا ہے کہ اللہ کے نام میں مٹھاس نہیں ہے میں تو یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اللہ کے نام میں مٹھاس ہے اور ایک خاص قسم کی حلاوت ہے۔ اور جس کو بھی یہ حلاوت وچاشنی مل جاتی ہے اس سے ذکر کبھی نہیں چھوٹتا وہ ہر حال میں اللہ کا نام لیتا ہے اور اتنی کثرت سے لیتا ہے کہ لوگ اس کو مجنون اور دیوانہ سمجھنے لگتے ہیں، حالانکہ وہ مجنون اور دیوانہ نہیں ہوتا بلکہ اللہ کے نام کی لذت میں وہ غرق ہوتا

ہے اور حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اذکروا اللہ حتی یقول الناس مجنون'' کہ اللہ کا اتنا نام لو کہ لوگ تم کو دیوانہ اور پاگل کہنے لگیں۔ حقیقی عاشقین کا حال وہی ہوتا ہے جو مجنوں نے لیلیٰ کے نام کے بارے میں کہا تھا، جب وہ لیلیٰ کا نام صحرا میں لکھ رہا تھا تو کسی دیکھنے والے نے اس سے پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ تو اس کے جواب میں اس نے کہا کہ ؎

نام لیلیٰ مشق می کنم
خاطر خود را تسلی می دہم

کہ لیلیٰ کا نام لکھ کر اپنے دل کو تسلی دے رہا ہوں۔

عادت سے عبادت بنتی ہے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص ریا اور دکھلاوے کے لئے کوئی عمل کر رہا ہو تو بھی اس کو کرتا رہے چھوڑے نہیں اس لئے کہ شروع شروع میں وہ ریا رہے گی اس کے بعد عادت بن جائے گی اور عادت سے پھر عبادت ہو جائے گی۔ اسی لئے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور طلباء سے یہ فرمایا کرتے تھے کہ بیٹا جب عصر کے بعد سیر و تفریح کے لئے جایا کرو تو ہاتھ میں تسبیح لے کر نکلا کرو اور اس پر کچھ ذکر کرتے رہا کرو یہ نہ سوچو کہ لوگ ریا کار کہیں گے۔

اس لئے کہ اس طرح ذکر کی عادت بنے گی اور عادت کو عبادت بنانا آسان ہے، اسی لئے کہا گیا ہے۔ جبل گردد جبلت نہ گردد۔

کہ پہاڑ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوسکتا ہے لیکن جبلت اور فطرت اور عادت کا چھوٹنا اور چھڑانا مشکل ہوتا ہے۔

البتہ اس میں امالہ کی گنجائش ہوتی ہے، ازالہ مشکل ہوتا ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں فطرتاً اور طبیعۃً غصہ تھا اسلام قبول کرنے کے بعد اس کا ازالہ نہیں ہوا بلکہ امالہ ہوگیا وہ اس طور پر کہ پہلے ان کو اسلام کے خلاف غصہ آتا تھا اور اسلام قبول کرنے کے بعد کفر ونفاق کیخلاف غصہ آنے لگا۔

چنانچہ آپ کا حال یہ تھا کہ جب کسی منافق کی منافقانہ حرکت کو دیکھتے تو فرماتے "دعني يا رسول الله اضرب عنق هذا المنافق" کہ اے اللہ کے رسولؐ مجھے اجازت دے دیجئے میں اس منافق کی گردن اڑادوں۔

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما کر آپ کو روکتے "أمهل يا عمر" اے عمر ابھی ٹھہرو جلدی نہ کرو۔

اتفاق واتحاد کی بنیاد تواضع ہے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ اتحاد واتفاق ہر معاشرہ کا ایک اہم مسئلہ ہے اس پر بڑے بڑے جلسے ہوتے ہیں بڑی بڑی تقریریں ہوتی ہیں،

لیکن حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے ایک جملہ نے اس مسئلہ کو حل فرمادیا جو دریا بکوزہ کا مصداق ہے۔

حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اتحاد و اتفاق کی بنیاد اور جڑ تواضع ہے جن لوگوں میں تواضع ہوگی ان میں باہم اتفاق رہے گا۔ سارا انتشار کبر کی وجہ سے ہوتا ہے، اگر اس کی جگہ پر تواضع پیدا ہو جائے تو اتحاد و اتفاق کو کوئی روک نہیں سکتا۔

حضرت تھانوی علیہ الرحمہ یہی بات دوسرے انداز سے یوں فرماتے تھے کہ اتحاد و اتفاق کی جڑ یہ ہے کہ معاشرہ اور سماج میں جو بڑا ہو اس کو بڑا مان کر اس کے تابع اپنے کو بنا کر چلو اور اگر کوئی بڑا نہ ہو تو کسی چھوٹے ہی کو بڑا بنا لو اور اس کی مان کر چلو سارا اختلاف ختم ہو جائے گا، انتشار اسی وقت ہوتا ہے جب بڑے کو چھوٹے بڑا نہیں مانتے بلکہ ہر ایک اپنے کو بڑا سمجھتا ہے اور اعجاب نفس میں مبتلا ہو کر خود رائی و خود بینی کا شکار ہو بیٹھتا ہے اور کسی کی ماننے کو تیار نہیں ہوتا۔

اسی لیے حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**إذا أعجب كل ذی رائ برائه فعليكم بخاصة نفسه**'' کہ جب ہر صاحب رائے کو اپنی ہی رائے پر گھمنڈ ہونے لگے اور دوسرے کی رائے کی تحقیر شروع کردے تب حکم یہ ہے کہ اپنی راہ الگ بنا لو اور اجتماعیت سے اپنے کو الگ کر لو اپنی فکر میں لگ جاؤ سب کی فکر چھوڑ دو اگر منزل ایک ہو راستے مختلف ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر راستوں کے اختلاف کے ساتھ منزل بھی مختلف ہو جائے تو یہ لمحہ فکریہ ہے ذی رائے کو رائے قائم

کرنے کا اختیار ہے اور رائے میں حسن و قبح دونوں احتمالات ہوتے ہیں، لیکن کسی صاحب رائے کا اپنی ہی رائے میں حسن کا انحصار اور دوسرے کی رائے میں قبح کا بلا دلیل انحصار اور اس کے بعد اعجاب نفس بھی یعنی یہ سمجھنا کہ میں جو رائے رکھتا ہوں وہی سو فیصد صحیح ہے اور اس میں غلطی کا کوئی احتمال نہیں اور دوسرے کی رائے سو فیصد غلط ہے اس میں درستگی کا کوئی احتمال نہیں، یہ غلط ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی کا اپنے ایک خلیفہ کو وصیت

پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ نے اپنے ایک مرید کو خرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا اور ایک علاقہ کی ولایت ان کے سپرد کر کے رخصت کرتے ہوئے خصوصی وصیت فرمائی کہ جاؤ وہاں کام کرو لیکن کبھی خدائی کا دعویٰ نہ کرنا اور نبوت کا دعویٰ نہ کرنا یہ جملہ سن کر مرید کے پاؤں کے نیچے سے زمین کھسک گئی، نہ پائے ماندن نہ جائے رفتن کا مصداق بن کے کھڑا ہو گیا۔ حضرت نے جب یہ محسوس کر لیا کہ اس کے سمجھ میں نہیں آیا تو اس کی وضاحت کی اور فرمایا میں نے یہ جو کہا کہ خدائی کا دعویٰ نہ کرنا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں تم کوئی رائے قائم کر لو تو یہ مت سمجھنا کہ میری رائے لم یٹل، ولا یٹال ہے وہ محتاج نظر ثانی نہیں اور اس میں کسی تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں، اس لئے کہ یہ شان صرف ذات باری تعالیٰ کی ہے چونکہ اس کی ذات علیم و خبیر ہے اور چونکہ اس کی نگاہ میں اول کے ساتھ اخیر بھی ہے اس لئے اس کی

رائے اور فیصلے نا قابل تغیر وتبدل ہوتے ہیں اوراسی لئے حکم ہے:

ما یبدل القول لدی

برخلاف ہمارے اور تمہارے کہ ہماری شان وہ نہیں ہے، لہٰذا اگر تمہاری رائے کے خلاف کوئی دوسری رائے آئے تو اس کو یکسر نظر انداز مت کرنا بلکہ اپنی رائے پر نظر ثانی کر لینا ممکن ہے کہ تمہاری رائے غلط ہو اور میں نے یہ جو کہا ہے کہ نبوت کا دعوی نہ کرنا اس کا مطلب یہ ہے کہ صدق اور صداقت کو صرف اپنے ہی قول میں منحصر مت کرنا اور دوسرے کی بات کو سو فیصد غلط تصور کر کے ردمت کر دینا، اس لئے کہ یہ صرف نبی ہی کی شان ہے کہ اس کی ہر بات سچی ہوتی ہے، چونکہ اس کی ہر بات وحی الٰہی کی روشنی میں ہوتی ہے اسی لئے کہا گیا ہے:

ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی ۔

گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

اس لئے غیر نبی اپنی بات میں سو فیصد صدق وصداقت کا انحصار نہیں کر سکتا، ممکن ہے جو علم کے ذرائع اس کے پاس ہیں اس میں سے کوئی ذریعہ اس کا مضمحل یا نا قابل یقین ہو۔

ہر درخواست کرنے والے کو بیعت کرنے کی وجہ

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ ہمارے اکابرین

واسلاف کا عموماً معمول یہ تھا کہ کوئی بیعت کی درخواست کرتا تو اس کو ٹال دیتے، کبھی استخارہ کا حکم دیتے، کبھی کسی دوسرے بزرگ کے یہاں جانے کا حکم دیتے، یعنی درخواست کرتے ہی فوراً بیعت نہیں کرتے تھے، لیکن حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی علیہ الرحمہ سے اگر کوئی بیعت کی درخواست کرتا تو آپ ٹال مٹول نہ فرماتے بلکہ فوراً بیعت فرما لیتے تھے اور اس کی وجہ یہ بیان فرماتے تھے کہ میں بیعت کی درخواست کرنے والوں کو بیعت سے انکار اس لئے نہیں کرتا کہ کہیں وہ کسی بدعتی پیر کے جال میں نہ پھنس جائے اور کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پھر مجھ سے مواخذہ فرمائیں کہ تمہارے پاس میرا بندہ بیعت کے لئے آیا اور تم نے اس کو بیعت نہیں کیا جس کی وجہ سے وہ غلط ہاتھوں میں جا کر پھنس گیا تو میں اس کا کیا جواب دوں گا۔

اسی لئے حضرت حاجی صاحب کا معمول یہ تھا کہ جو شخص بھی آپ سے بیعت کی درخواست کرتا آپ اس کو فوراً بیعت فرما لیا کرتے تھے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کا معمول

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ کے یہاں خواص کی مجلس میں اس خادم کو شرکت کرنے کا بارہا موقع ملا، آپ کے یہاں جب آپ کے خلفاء میں سے کسی کی آمد ہوتی تو حضرت شیخ حال واحوال اور خیر وخیریت دریافت کرنے کے بعد یہ بھی سوال فرماتے کہ بھائی کتنے

انڈے بچے دیئے، یعنی کتنوں کو مرید کیا اور کتنوں کو خلیفہ بنایا، عموماً جواب میں خلفاء یہ کہتے کہ حضرت کی زندگی میں حضرت کے ہوتے ہوئے اس کام کی خادم کو جرأت نہیں ہوتی، اس جواب پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ناراض ہوکر یہ فرماتے کہ پیارے پھر تم کو اجازت میں نے کیوں دی ہے، اگر مجھ کو ہی پوری دنیا میں چل پھر کر یہ کام کرنا ہوتا تو تم جیسوں کو اجازت کیوں دیتا۔

اس کے بعد ناراض ہوکر یہ فرماتے کہ تم چاہتے ہو کہ لوگ بدعتی پیروں کے ہاتھ پر بیعت ہوجائیں اور اپنی آخرت تباہ کرلیں، اگر لوگوں نے ایسا کیا تو تم اللہ کے یہاں کیا جواب دوگے۔

یہ واقعہ سنانے کے بعد حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ اجازت و خلافت اگرچہ تکمیل کی سند نہیں ہوتی، تکمیل کے لئے تو معمولات کی پابندی پوری زندگی ضروری ہوتی ہے، لیکن اجازت کے بعد بیعت کا سلسلہ شروع کردینا چاہئے، چونکہ منشا شیخ کی تکمیل اسی میں ہے، اگرچہ اپنی تکمیل کا ہوّا اپنے اوپر سوار نہ کرے بلکہ اپنے کو محتاج بنا کر رکھے، معمولات کا پابند بنا کر رکھے، کبھی بعض مخلص مریدوں کی دعاؤں کی برکت سے بھی شیخ کی باطنی قوت میں اضافہ ہوجاتا ہے اور تکمیل کے اسباب غیب سے مہیا ہوجاتے ہیں جیسا کہ شیخ فضیل بن عیاض کا واقعہ بہت مشہور ہے کہ ان کے مریدوں کی توجہ کی برکت سے شیخ مقام رفیع پر پہنچ گئے۔

میرے خلفاء دو قسم کے ہیں

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے خلفاء ومجازین دو قسم کے ہیں: (۱) جن کو میں نے بغیر ان کی طلب کے بیعت کی اجازت دی اور خلیفہ بنایا، حقیقتاً میرے خلفاء یہی ہیں۔ (۲) کسی نے مجھ سے درخواست کی کہ حضرت اگر آپ کی طرف سے اجازت ہو تو میں اللہ کا نام بتلادیا کروں ان کی اس طلب پر میں نے اس کو اللہ کا نام بتلانے کی اجازت دے دی تو اگرچہ ایسے لوگ بھی میرے خلیفہ کہلانے کے مستحق ہیں، لیکن ان کی وہ حیثیت نہیں جو ایک نمبر (۱) کے خلفاء کی ہے۔ اس کے بعد حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ خلفاء کی ایک قسم اور بھی ہے وہ یہ کہ شیخ کے انتقال کے بعد شیخ کے خواص کے خطوط اور مکاتیب کو دیکھ کر خلافت کا اہل اور نا اہل قرار دیا جائے۔

چنانچہ حضرت شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی نے حضرت شاہ صاحب کے خواص کے مکاتیب ومراسلت کو اپنے پاس منگوا کر پڑھا اور مطالعہ کیا اور اس کی روشنی میں حضرت شاہ صاحب کے خدام وخواص کی اہلیت ونا اہلیت کا فیصلہ فرمایا۔ اور اس کے بعد ایک فہرست مرتب فرمائی جس میں حضرت شاہ صاحب کے بعض خدام وخواص کے نام کا اندراج کر کے ان کو خلافت کا اہل قرار دیتے ہوئے خلفاء کی فہرست میں محسوب کیا۔

حالانکہ حضرت شاہ صاحب کے وہ اجازت یافتہ نہیں تھے، نہ تو صراحتاً اور نہ ہی کنایۃً۔

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ اگرچہ اجازت وخلافت کی سات قسمیں ہیں، جس کا تذکرہ یہ خادم پہلے ایک مجلس میں کر چکا ہے۔

(۱) اصالہ (۲) اجازہ (۳) اجماعیہ (۴) وارثیہ (۵) حکمیہ (۶) تکلفیہ (۷) اویسیہ۔

اور ان میں سے ہر ایک کا تعارف بھی گزر چکا ہے لیکن حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی نے جس انداز سے خلفاء کو مرتب فرمایا وہ ان اقسام سبعہ میں سے کس قسم میں داخل ہے یہ تو طریقت کے محققین ہی بتا سکیں گے۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس ترتیب میں مذکور ایک صاحب کے بارے میں جب خادم نے حضرت قاری صدیق صاحب باندوی سے ان کا نام لے کر یہ عرض کیا کہ حضرت وہ تو حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ بھی ہیں تو حضرت قاری صاحب نے اس کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب کے وہ خلیفہ نہیں ہیں۔

اس پر خادم نے عرض کیا کہ وہ تو حضرت مولانا ابرارالحق صاحب ہردوئی کے مرتب کردہ فہرست کا حوالہ دیتے ہیں، تو حضرت قاری صاحب نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اس فہرست میں نام ہونے سے کیا ہوتا ہے، اس کے بعد یہ خادم خاموش ہوگیا، اس سے آگے حضرت قاری صاحب سے کچھ کہنے کی ہمت وجرأت نہیں ہوئی۔

صالحین کا لباس پہنا کیجئے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سفر حج میں ایک مرتبہ ململ کا باریک کرتا پہنے ہوئے بیت اللہ کا طواف فرما رہے تھے، مطاف میں ایک نابینا بزرگ بیٹھے ہوئے تھے، جب پہلی شوط (پہلے چکر) میں اس بزرگ کے پاس سے گزر ہوا تو انہوں نے خشن خشن کہا، حضرت گنگوہی کی توجہ اس کی طرف نہیں ہوئی۔ دوسرے شوط میں جب اس بزرگ کے پاس سے گزر ہوا تو انہوں نے پھر وہی جملہ دہرایا، تب حضرت گنگوہی کو احساس ہوا کہ مجھ ہی سے کچھ کہہ رہے ہیں، اس کے بعد ان سے ملاقات کر کے بات کی تو نابینا بزرگ نے حضرت گنگوہی سے فرمایا کہ صلحاء کا لباس پہنا کیجئے۔ اس پر حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ یہ لباس بھی تو صلحاء ہی کا ہے، اس کے جواب میں بزرگ نے کہا کہ موٹا دبیز کپڑا پہنا کیجئے، اس نصیحت کو قبول کرتے ہوئے حضرت گنگوہی نے اس بزرگ کو دعائیں دیں اور اپنے طواف میں مشغول ہو گئے۔

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا فضلاء، علماء کے ساتھ سالکین کو خصوصاً اس پر توجہ رکھنی چاہئے کہ وضع قطع اور لباس صلحاء جیسا ہو اور اجانب و اغیار کے لباس و وضع قطع سے مکمل گریز کرنا چاہئے۔

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ ان طلباء کو دیکھ کر دل چھلنی ہو جاتا ہے جو نائب رسول بننے کے لئے مدارس میں داخل ہوتے ہیں اور اپنے سروں

پر انگریزی بال رکھنا پسند کرتے ہیں اور بہت سے طلباء داڑھی بھی منڈا لیتے ہیں اور پینٹ شرٹ پہننا پسند کرتے ہیں جس کو کسی اعتبار سے بھی جائز نہیں کہا جاسکتا، ان چیزوں کا خیال رکھنا ازحد ضروری ہے، اس لئے کہ ظاہر کا اثر باطن پر مرتب ہوتا ہے۔ علامہ سید احمد طحطاوی نے طحطاوی علی المراقی میں لکھا ہے: الظاہر یوثر علی الباطن۔ اس لئے جب ظاہر صلحاء جیسا ہوگا تو اس کا اثر باطن پر بھی مرتب ہوگا اور اندر بھی صلاح کی رغبت پیدا ہوگی۔

ضرورت کے باوجود احتیاط کو نہیں چھوڑا

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے ایک مجلس میں فرمایا کہ ان لوگوں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے جو معمولی معمولی چیزوں کو عذر کا درجہ دے کر فرائض کو بھی بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔

جب کہ ہمارے اکابرین واسلاف اور بزرگوں کا معمول یہ تھا کہ وہ احتیاط کو ترجیح دیتے تھے اور بلا شدید مجبوری کے احتیاط کو بھی ترک کرنے سے گریز کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا حال یہ تھا کہ آپ نے امراض میں چاہے وہ مرض کتنا ہی شدید کیوں نہ ہو کبھی بیٹھ کر نماز ادا نہیں فرمائی، مرض الوفات میں جب آپ کافی کمزور ہوگئے، کھڑا ہونے کے لئے آپ کو کئی آدمیوں کے سہارے کی ضرورت پڑنے لگی تب بھی آپ کھڑے ہوکر نماز ادا فرماتے جب خدام نے عرض

کیا کہ حضرت بیٹھ کر نماز ادا فرمالیا کریں تو آپ نے سکوت فرمایا کوئی جواب نہیں دیا، جب ایک دن حضرت مولانا یحیی صاحب کاندھلوی نے یہ عرض کیا کہ حضرت اگر بیٹھ کر نماز پڑھنا اس وقت بھی درست نہیں ہوگا تب کب جائز ہوگا، اس کے جواب میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے فرمایا کہ:

قادر بقدرۃ الغیر بھی قادر ہی ہوتا ہے، جب میرے دوست احباب ایسے ہیں جو مجھ کو اٹھا کر نماز پڑھا دیتے ہیں تو میں بیٹھ کر کیوں نماز ادا کروں، جب ضعف اس قدر بڑھ گیا کہ دوسروں کے سہارے بھی کھڑے ہونے کی طاقت نہ رہی تب آپ نے چند وقت کی نمازیں بیٹھ کر ادا فرمائیں۔

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ یہ تھے ہمارے اکابر و اسلاف اور یہ تھا ان کا عزم و استقلال اور یہ تھا ان کی اتباع سنت کا حال اور ایک ہم ہیں کہ معمولی معمولی باتوں کو بہانا بنا کر سنن و مستحبات تو درکنار فرائض سے بھی اپنے کو محروم کر لیتے ہیں اور جب کرسی خطابت پر بیٹھتے ہیں تو بڑے بڑے القاب کے ساتھ اپنے بزرگوں کا نام لیتے ہیں اور جب ان کی اتباع کا نمبر آتا ہے تو اپنے کو صفر کر لیتے ہیں، جو ہر ایک کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔

ایک سجدہ بھی ترک کرنا گوارہ نہیں

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے سلسلہ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے

فرمایا کہ اخیر عمر میں جب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی بینائی ختم ہوگئی جس کی وجہ سے حدیث پاک کا بھی درس موقوف ہوگیا، خدام و متعلقین کو بہت فکر ہوئی اور قلق بھی ہوا تو ایک مرتبہ ہمت کر کے خدام نے آنکھ کے آپریشن کی درخواست کی اور کہا کہ حضرت ڈاکٹر نے وعدہ کیا ہے کہ حضرت کی کوئی نماز قضاء نہ ہوگی صرف فجر کی نماز اول وقت میں اور ظہر کی نماز آخری وقت میں ادا کرنی ہوگی، البتہ چند روز تک سجدہ زمین کے بجائے تکیہ پر کرنا ہوگا۔ اس کے جواب میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے فرمایا کہ چند روز کی نمازیں تو بہت ہوتی ہیں ایک سجدہ بھی زمین کے بجائے تکیہ پر کرنا گوارہ نہیں، جب خدام نے یہ عرض کیا کہ اس سے درس حدیث کا فیض جو بند ہوگیا ہے پھر جاری ہو جائے گا اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ اس میں میرا کیا دخل ہے جب تک اللہ نے چاہا فیض جاری رہا اور جب اس نے چاہا بند ہوگیا، اس کے بعد حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ ترمذی شریف کی حدیث ہے: **إذا أخذت كريمتي عبد فلا جزاء عندى الا الجنة۔**

کہ جب میں کسی بندے کی دونوں آنکھوں کی روشنی چھین لیتا ہوں تو میرے پاس سوائے جنت کے اور کوئی بدلہ نہیں ہے۔

پوری زندگی گزر گئی کوئی کام ایسا نہیں کیا جس سے جنت کے ملنے کا یقین ہو اخیر عمر میں یہ ایک کام ایسا ہوا ہے جس پر جنت کا ملنا یقینی ہے، اس کو بھی تم لوگ چھیننا چاہتے ہو۔ چنانچہ اخیر عمر تک حضرت گنگوہی نے آنکھ کا آپریشن نہیں کروایا اور اسی حال

میں اوراسی یقین کے ساتھ اللہ کے پاس پہونچ گئے۔

آپ کے پاس آ کر حدیث بھی حنفی ہو جاتی ہے

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے درس میں ایک صاحب شریک ہوئے اور ایک مسئلہ میں حضرت گنگوہی کی حنفیہ کی تائید میں کامل ومکمل، محقق ومدلل تقریر سنی اور اس تقریر سے اتنے متأثر ہوئے کہ درس ختم ہونے کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں پہونچ کر عرض کیا کہ حضرت آپ کے پاس تو حدیث بھی حنفی ہو جاتی ہے، اگر حضرت امام شافعیؒ بھی اس وقت زندہ ہوتے تو اس کا جواب نہ دے پاتے۔

یہ سن کر حضرت گنگوہی سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اگر حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ زندہ ہوتے تو میری بولتی بند ہو جاتی، میں ان کے سامنے بول ہی نہ پاتا بلکہ میں تو ان کی تقلید کرتا کیونکہ زندہ مجتہد کے ہوتے ہوئے غیر زندہ مجتہد کی تقلید مناسب نہیں۔

بلکہ اگر حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ زندہ ہوتے تو میرا یہ طالب علمانہ ایک سوال ہوتا جس کا جواب محققانہ انداز میں حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ دیتے، اب جبکہ ہمارے سامنے حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ دونوں میں سے کوئی زندہ نہیں ہیں صرف ان کے اقوال ہمارے سامنے ہیں تو ہم اپنی سمجھ اور علم کے مطابق ترجیح دے دیتے ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

شاید کوئی معقول بات ہو اور ہم رجوع کرلیں

حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ ہمارے اسلاف و بزرگوں کا احقاق حق کے ساتھ قبولیت حق کے لئے اتنا کشادہ دل تھا کہ اس کا آج تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے ایک مرتبہ اپنے خادم مولانا یحیٰ صاحب کاندھلوی سے یہ فرمایا کہ احمد رضا خاں ایک زمانہ سے میری تردید کررہا ہے اور میرے خلاف بہت کچھ لکھ رہا ہے، اس کی لکھی ہوئی کچھ باتیں ہمیں بھی سنادیا کرو، شاید کوئی معقول بات لکھی ہو تو ہم ہی اپنی رائے سے رجوع کرلیں، اس پر حضرت مولانا یحیٰ صاحب نے فرمایا کہ حضرت مجھ سے تو نہیں ہوسکے گا۔

حضرت گنگوہی نے فرمایا کیوں؟ اس کے جواب میں حضرت مولانا یحیٰ صاحب نے فرمایا کہ حضرت اس کی کتاب میں تو آپ کے لئے گالیاں بھری پڑی ہیں، حضرت گنگوہی نے فرمایا:

اجی! دور کی گالیوں سے کیا ہوتا ہے تم سناؤ تو دیکھیں اس کے دلائل کیا ہیں، حضرت مولانا یحیٰ صاحب کاندھلوی نے فرمایا کہ حضرت مجھ سے نہیں ہوسکے گا بالآخر انہوں نے نہیں سنایا۔ حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم نے فرمایا کہ یہ خوردوں کا اپنے بزرگوں کے ساتھ کمال ادب وتادب ہے کہ برا بھلا کہنے والا اگرچہ دوسرا ہے لیکن خوردوں میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اپنے بزرگوں کے سامنے ان کو اپنی زبان سے

نقل کرسکیں اگرچہ نقل کفر کفر نہ باشد۔

لیکن کمال ادب ومحبت کا تقاضہ وہی ہے جس کو حضرت مولانا یحییٰ صاحب کاندھلوی نے حضرت گنگوہی کے سامنے پیش فرمایا کاش ہمارے اس زمانہ کے خوردوں کو اپنے اسلاف و بزرگوں کے اس انداز سے سبق حاصل کرنے کی توفیق مل جاتی اور کچھ سیکھنے کی سعادت نصیب ہوجاتی۔

☆☆☆

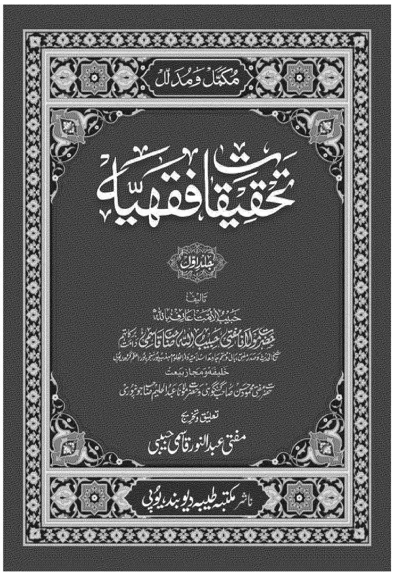
مکمل ومدلل
تحقیقات فقہیہ
جلد اول
تالیف
خلیفہ ومجاز بیعت

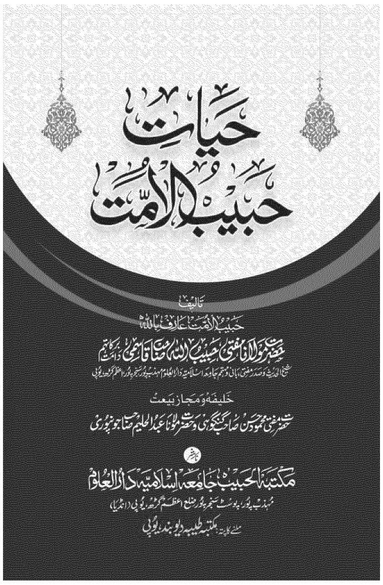
حیات حبیب الامت
تالیف
خلیفہ ومجاز بیعت

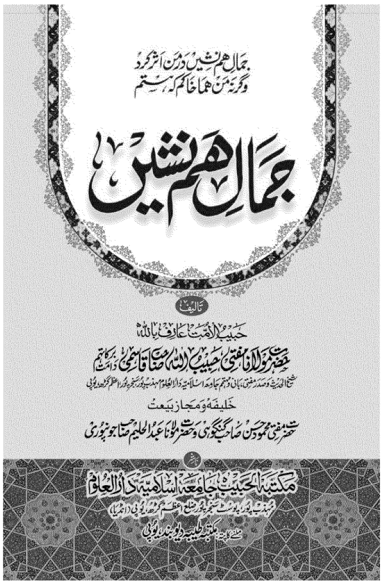
جمال ہم نشین
تالیف
خلیفہ ومجاز بیعت

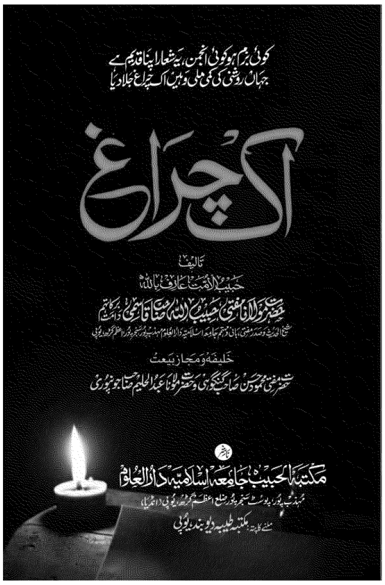
اک چراغ
تالیف
خلیفہ ومجاز بیعت

تعارف حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم

حبیب الامت، عارف باللہ، حضرت، مولانا، الحاج، حافظ، قاری، **مفتی حبیب اللہ** صاحب قاسمی دامت برکاتہم چشتی، قادری، نقشبندی، سہروردی، دارالعلوم دیوبند کے اکابر فضلاء میں سے ہیں۔ جنہوں نے پوری زندگی خدمت دین، تبلیغ دین، اشاعت دین کے لئے وقف کردی ہے۔ آپ کی شخصیت اہل علم، اہل افتاء، اہل تدریس، اہل خطابت، اہل قلم میں معروف ومشہور ہے۔ آپ نے میزان سے دورۂ حدیث بلکہ افتاء وتخصص فی الحدیث تک کی تعلیم ایک زمانہ تک دی ہے اور دے رہے ہیں۔ تمام علوم وفنون پر آپ کی نگاہ ہے آج آپ کے ہزاروں فیض یافتہ تلامذہ ہند وبیرون ہند ہمہ جہت دینی وعلمی خدمات میں مصروف ہیں۔

آپ کے رشحات قلم کی تعداد درجنوں ہے جن سے دنیا استفادہ کررہی ہے۔ بالخصوص التوسل بسید الرسل، نیل الفرقدین فی المصافحۃ بالیدین، اُحب الکلام فی مسئلۃ السلام، جذب القلوب، مبادیات حدیث، علماء وقائدین کے لئے اعتدال کی ضرورت، احکام یوم الشک، مسلم معاشرہ کی تباہ کاریاں، والدین کا پیغام زوجین کے نام، حضرات صوفیاء اوران کا نظامِ باطن، تصوف وصوفیاء اوران کا نظام تعلیم وتربیت، تحفۃ السالکین، حبیب العلوم شرح سلم العلوم، صدائے بلبل، حبیب الفتاوی، رسائل حبیب، تحقیقات فقہیہ، التوضیح الضروری شرح القدوری، ملفوظات حبیب الامت، اک چراغ، جمال

همنشیں ،جیسی اہم تصنیفات ہزاروں علماء سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ان میں خاص طور سے حبیب الفتاوی کی آٹھ جلدیں جدید ترتیب، تعلیق وتخریج کے ساتھ مکمل و مدلل اہل افتاء ودارالافتاء کے لئے سند کی حیثیت حاصل کر چکی ہیں۔

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے آپ اساسی ارکان میں سے ہیں، اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کے مدعو خصوصی ہیں، الحبیب ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ کے بانی وصدر ہیں۔ جس کے تحت درجنوں مکاتب غریب علاقوں میں چل رہے ہیں اور مساجد کی تعمیر کا کام ہورہا ہے اور غرباء ومساکین وبیوگان کی ماہانہ وسالانہ امداد کی جاتی ہے۔ **جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور** ،سنجر پور، اعظم گڈھ یوپی، انڈیا کے موسس ومہتمم اور شیخ الحدیث ہیں۔ جامعہ کے دارالافتاء والقضاء کے آپ رئیس وصدر ہیں، اور ہندوستان کے دیگر بہت سے اداروں کو آپ کی سرپرستی کا شرف حاصل ہے، دینی، علمی، ملی خدمت آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔

روحانی اعتبار سے آپ کا تعلق حضرت شیخ الحدیث مولانا **محمد زکریا** صاحب نوراللہ مرقدہ سے ہے اور ایک طویل زمانہ تک ان کی صحبت میں رہنے اور اکتساب فیض کا موقع آپ کو دستیاب ہوا ہے، بعد کے اکابرین میں حضرت مفتی **محمود حسن** صاحب گنگوہیؒ وحضرت قاری **صدیق احمد** صاحب باندویؒ وحضرت مولانا **عبد الحلیم** صاحب جونپوریؒ کی خدمت میں رہنے اور فیوض وبرکات کے حاصل کرنے کا ایک طویل زمانہ تک شرف حاصل رہا ہے۔ اور الحمد للہ

حضرت مفتی **محمود حسن** صاحب گنگوہیؒ اور حضرت مولانا **عبدالحلیم** صاحب جونپوریؒ سے **اجازت بیعت** بھی حاصل ہے۔ روحانی اعتبار سے آپ کے فیض یافتہ ہزاروں ہزار افراد ہند و بیرون ہند میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آج تک 76 حضرات آپ سے اجازت بیعت حاصل کر چکے ہیں جو خانقاہی نظام سے وابستہ ہیں۔

میدان خطابت میں اللہ پاک نے آپ کو خصوصی ملکہ عطا فرمایا ہے، آپ کا خطاب ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کا مصداق ہوتا ہے، آپ کے خطابات کی مستقل سی ڈی ہند و بیرون ہند میں پائی جاتی ہے۔ اور انٹرنیٹ پر بھی آپ کے خطابات موجود ہیں، جن سے ایک عالم مستفید ہو رہا ہے۔

(Go You Tube Print Mufti Habibullah Qasmi)

الغرض آپ بہت سے خصوصیات کے حامل ہیں، اللہ پاک نے بے پناہ خوبیوں کا مالک بنایا ہے، اللہ پاک ہم سب کو حضرت والا کی قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کے علوم و فیوض سے مستفید ہونے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

حبیب الفتاوی

ارباب افتاء واصحابِ علم کے لئے ایک قیمتی تحفہ

فقہ وفتاوی انسانی زندگی کا لازمی جز ہے، اس کے بغیر رضاء الٰہی کا حصول، حدود شرعیہ کی معرفت، حلال وحرام کی تمیز، جائز وناجائز کی پہچان اور اسلامی معاشرت غیر ممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ زندگی کے ہر موڑ پر قدم بہ قدم فقہی رہبری اور فتاوی ومسائل کی ضرورت ہر مسلمان محسوس کرتا ہے۔ جس کی تکمیل ہر دور کے اہل علم وارباب افتاء کے ذریعہ ہوتی رہی ہے ''حبیب الفتاوی'' اسی ضرورت کی تکمیل کی ایک کڑی ہے جو ہندوستان کے ممتاز اور مشہور مفتی اور نامور صاحب قلم حضرت حبیب الامت عارف باللہ حضرت مولانا الحاج مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم سابق مفتی واستاذ حدیث مدرسہ ریاض العلوم گورینی جونپور حال شیخ الحدیث وصدر مفتی بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور پوسٹ سنجر پور ضلع اعظم گڈھ یوپی، انڈیا۔ تلمیذ رشید وخلیفہ فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ مفتی اعظم دار العلوم دیوبند وخلیفہ ومجاز بیعت حضرت مولانا شاہ عبدالحلیم صاحبؒ جونپوری کی جامع تصنیف ہے جن کے قلم سے درجنوں کتابیں نکل کر اصحاب افتاء علماء امت، زعماء ملت سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

''حبیب الفتاوی'' میں جو علمی گہرائی، احکام شریعت سے آگہی، مطالعہ کی

وسعت، بالغ نظری، فقہی بصیرت، حوادث الفتاوی کا انطباق، جدید مسائل کا حل پایا جاتا ہے وہ دیدنی ہے، مستند کتابوں کے حوالے اور نظائر کے ساتھ تقریباً تمام ابواب پر عام فہم اور دلنشیں اسلوب میں مفصل بحث کی گئی ہے، اردو فتاوی میں اپنی نوعیت کی منفرد کتاب، ملک کے درجنوں بزرگ ارباب افتاء، ام المدارس کے علماء فقہاء کی تصدیق وتصویب، عمدہ کاغذ، خوبصورت طباعت، دلکش ٹائٹل کے ساتھ ''حبیب الفتاوی'' کی آٹھ (۸) جلدیں نئی تحقیق وتعلیق اور جدید ترتیب کے ساتھ منظر عام پر آچکی ہیں جو یقیناً اصحاب افتاء واہل علم واہل مدارس کے لئے ایک قیمتی تحفہ ہے۔

☆☆☆

ملنے کا پتہ

(۱) مکتبہ الحبیب، جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، پوسٹ سنجر پور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

(۲) مکتبہ الحبیب وخانقاہ حبیب گوونڈی ممبئی

(۳) مکتبہ الحبیب وخانقاہ حبیب مقام پوسٹ جھٹکاہی ڈھاکہ، ضلع مشرقی چمپارن، بہار

(۵) مکتبہ طیبہ دیوبند ضلع سہارنپور

(٦) اسلامک بک سروس پٹودی ہاؤس دریا گنج، دہلی

حضرت حبیب الامت، عارف باللہ حضرت مولانا الحاج

مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

کی تصنیفات وعلمی خدمات ایک نظر میں

(۱) حبیب الفتاوی (جلد اول)

(۲) حبیب الفتاوی (جلد دوم)

(۳) حبیب الفتاوی (جلد سوم)

(۴) حبیب الفتاوی (جلد چہارم)

(۵) حبیب الفتاوی (جلد پنجم)

(۶) حبیب الفتاوی (جلد ششم)

(۷) حبیب الفتاوی (جلد ہفتم)

(۸) حبیب الفتاوی (جلد ہشتم)

(۹) تحقیقات فقہیہ (جلد اول)

(۱۰) تحقیقات فقہیہ (جلد دوم)

(۱۱) رسائل حبیب (جلد اول)

(۱۲) رسائل حبیب (جلد دوم)

(۱۳) صدائے بلبل (جلد اول)

(۱۴) احب الکلام فی مسئلۃ السلام

(۱۵) مبادیات حدیث

(۱۶) نیل الفرقدین فی المصافحۃ بالیدین

(۱۷) التوسل بسید الرسل

(۱۸) المساعی المشکورۃ فی الدعاء بعد المکتوبۃ

(۱۹) احکام یوم الشک

(۲۰) جذب القلوب

(۲۱) تحفۃ السالکین

(۲۲) نوٹ کی شرعی حیثیت

(۲۳) والدین کا پیغام زوجین کے نام

(۲۴) تصوف وصوفیاء اوران کا نظام تعلیم وتربیت

(۲۵) حضرات صوفیاء اوران کا نظام باطن

(۲۶) حبیب العلوم شرح سلم العلوم

(۲۷) حضرت حبیب الامت کی علمی، دینی خدمات کی ایک جھلک

(۲۸) قدوۃ السالکین

(۲۹) درود وسلام کا مقبول وظیفہ

(۳۰) التوضیح الضروری شرح القدوری

(۳۱) علماء وقائدین کے لئے اعتدال کی ضرورت

(۳۲) مسلم معاشرہ کی تباہ کاریاں

(۳۳) جہاں روشنی کی کمی ملی وہیں اک چراغ جلا دیا (اک چراغ)

(۳۴) برکات قرآن (زیر ترتیب)

(۳۵) خطبات حبیب الامت //

(۳۶) ملفوظات حبیب الامت (جلد اول)

(۳۷) حیات حبیب الامت

(۳۸) جمال ہم نشیں

☆☆☆

جامعہ کا مختصر تعارف

جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور سنجر پور ضلع اعظم گڈھ یوپی، انڈیا، ضلع اعظم گڈھ کا وہ قابل ذکر وفخر اور معیاری ادارہ ہے، جس کی بنیاد علاقہ کی ضرورت اور وقت کے تقاضوں کو دیکھتے ہوئے ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۹۹۴ء میں حبیب الامت، عارف باللہ حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم خلیفہ ومجاز بیعت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ وحضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوریؒ نے بدست خود رکھی، اور انہی کی جہد مسلسل، سعی پیہم اور مخلصانہ کارکردگی اور محنت کا یہ ثمرہ ہے کہ جامعہ نے تعلیمی وتعمیری اعتبار سے اتنی پیش رفت حاصل کی ہے کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہوجاتی ہیں، اور روز افزوں ترقی ہر گوشہ سے دعوت نظارہ دے رہی ہے، اور جامعہ کا ہر چپہ بزبان حال یہ کہہ رہا ہے:

ہر شئی سے یہاں ہوتا ہے عیاں، فیضانِ علومِ حبیب اللہ
چھایا ہے ہر اک بام ودر پر، لمعانِ نجومِ حبیب اللہ

احاطۂ جامعہ صرف دارالعلوم ہی نہیں، بلکہ ایک شہر علم ہے، ظاہری وباطنی، علمی وروحانی اعتبار سے معاصرین پر سبقت حاصل کر چکا ہے۔ ؎

ع یہ دار علوم اسلامی صد رشک ضیاء طور بنا

وسیع رقبہ پر آباد یہ شہر علم مدارس اسلامیہ ہند کی تاریخ کا ایک روشن باب بن

چکا ہے، اور سیکڑوں طالبان علوم نبوت یہاں رہ کر اپنی علمی تشنگی بجھاتے ہیں، باطنی وروحانی کیفیات کے اعتبار سے یہ ادارہ اپنی مثال آپ ہے، حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم بانی جامعہ کی علمی، روحانی ،فکری وذہنی صلاحیتوں کا جلوہ صد رنگ ارتقائی شکل میں ہر طرف عیاں ہے، اس علمی گہوارہ کا اپنی مضبوط کارکردگی، اعلی تعلیم اور اپنے بلند عزائم وحوصلوں میں ایک خصوصی مقام ہے۔

جس کا نمونہ پیش کرنے سے معاصر ادارے تہی دامن ہیں۔

☆☆☆